مصنفہ

قدرت اللہ خاں، ایم۔ اے

اسلامی ہسپانیہ

حصہ اول

مصنفہ

قدرت اللہ خاں، ایم۔ اے

سابق وائس پرنسپل و صدر

شعبۂ تاریخ اسلامیہ کالج ہالہ

اور

بیگم خورشید قدرت اللہ خاں (ایم۔ اے)

مصنفین:- فاطمی خلافتِ مصر

طبع اوّل ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ایک ہزار

اشاعت ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ اپریل ۱۹۷۹ء

ملنے کا پتہ

۶/۱۳۱، بڑا میدان ناظم آباد کراچی

انتساب

ہم اس کتاب کو

اپنے والدین اور بھائیوں و بہنوں

کے نام معنون

کرتے ہیں۔

دیباچہ

جزیرہ نمائے ہسپانیہ میں مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ تاریخ اسلامی تاریخ کا نہایت اہم باشان باب بھی ہے اور عبرت کا نہایت المناک مرقع بھی۔ یہ ملک ولید اوّل کے عہد حکومت میں طارق اور موسیٰ کے ہاتھوں مفتوح ہو کر خلافت دمشق کا ایک صوبہ قرار پایا۔ خلافت بنو امیہ کے زوال کے بعد جب خلافت عباسیہ کا عروج ہوا تو عبدالرحمٰن نامی ایک اموی شہزادہ عباسیوں کے ہاتھوں قتل عام سے کسی طرح بچ کر مشرق سے بھاگ کر بکمال پریشانی و سرگردانی اندلس (ہسپانیہ) پہنچا اور وہاں محض اپنی ذاتی مردانگی و فرزانگی سے ایک آزاد سلطنت قائم کر لی۔ عظیم الشان تہذیب کے بطن سے یورپ کے نشاۃ ثانیہ کی ولادت ہوئی۔ عبدالرحمٰن کی اولاد میں آٹھویں تاجدار عبدالرحمٰن ثالث نے خلیفہ کا لقب اختیار کیا۔ دسویں صدی میں خلافت اندلس کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ گیا اور اس عظیم الشان سلطنت کا دارالخلافہ قرطبہ دنیا کا ایک "گوہرِ آبدار" بن گیا۔ صدی مذکورہ میں تمام یورپ اور افریقہ کی عنانِ سیاست اسی شہر کے ہاتھوں میں رہی۔ اس حیرت انگیز سلطنت کی اپنے زمانے کا عجوبہ تھی اور اس کی طاقت سے تمام دنیائے مسیحی کانپا اٹھتی تھی۔ اس کا ایک ہزار سے زائد تجارتی جہازوں کا بیڑا دنیا کے تمام سمندروں پر قابضانہ تصرف رکھتا تھا اور دنیا بھر کی دولت اس ملک میں سمٹ آئی تھی۔ خلفاء قرطبہ نے علوم و فنون کی اس سفر اعلیٰ سے قدر دانی کی کہ خزانۂ شاہی ان کے لئے تنگ ہو گیا۔ ہر کمال را زوال کے مصداق اس سلطنت کو بھی اسی بوسیدگی نے آن دبایا جو ہر سلطنت کا مقدر ہوا کرتی ہے۔ دولت و حشمت کی بہتات سے کیا اہلِ دربار اور کیا عوام الناس اپنے اخلاقِ کریمہ کو زندہ نہ رکھ سکے اور عیش پرستی و فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے۔ یہاں تک کہ گیارھویں صدی کے ربع اوّل میں خلافتِ قرطبہ اپنی عمرِ طبعی کو پہنچ کر ختم ہو گئی۔

خلافتِ عظمیٰ کے کھنڈرات پر بےشمار چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو گئیں۔ اگرچہ یہاں کے حکمرانوں کے دربار علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کے شاندار گہوارے تھے لیکن وہ ابھی رنگ و عیش...

ایک دوسرے سے دست و گریباں ہو گئے۔ ان خانہ جنگیوں نے عیسائیوں کے مفاد کو بڑی تقویت پہنچائی اور
ان کو بازیافت اندلس کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ لیون و قشتالہ کے حکمران الفانسو نے اپنے عہد میں چالاکی سے
ان مسلمان ریاستوں میں ایسی پھوٹ ڈالی کہ وہ عیسائیوں کے مقابلے میں متحد نہ ہو سکے بلکہ وہ اپنے
مقبوضات کو بڑھانے کی غرض سے اپنے ہی عیسائیوں کی خوشامد کیلئے بڑی منت و سماجت سے الفانسو
سے امداد کے خواستگار ہوتے اور اس کے عوض وہ اپنے نہایت قیمتی سرحدی قلعے الفانسو کے سپرد
کر دیتے۔ یہ گندم نما جو فروش کبھی ایک کا حلیف بنتا اور کبھی دوسرے کا۔ اس طرح جمیع ریاستہائے
اندلس باستثنائے چند قشتالہ کی باجگزار ہو گئیں۔ ادھر ملوک الطوائف تو عیش پرستی کی داد دے
رہے تھے ادھر مصیبت زدہ مسلمانانِ اندلس کا عیسائیوں کے جور و ستم سے حال زار ہو رہا تھا اور ایسا
لگتا تھا کہ ملوک الطوائف اپنی بے اعتدالیوں سے جزیرہ نمائے اسلام کا نام و نشان مٹا کر دم لیں گے۔ لیکن
اس نازک موقع پر اسلام نے ان کو بچایا۔ انہی دنوں افریقہ میں المرابطین کی سلطنت قائم ہوئی۔ اس وقت
یوسف بن تاشفین ان کا حکمران تھا جس نے شہر مراکش قائم کر کے اسکو اپنا دارالخلافہ بنایا تھا۔ اندلس آ کر زلاقہ کے
مقام پر ایک فیصلہ کن معرکہ میں عیسائیوں کو فاش شکست دی جس کی وجہ سے اندلس میں مسلمانوں کا قیام تقریباً چار سو سال
کے بڑھ گیا۔ یوسف کے مراکش واپس ہوتے ہی ملوک الطوائف پھر عیش و طرب میں پڑ گئے اور اپنے تاج و تخت کو
برقرار رکھنے کیلئے یوسف کے مقابلے میں الٹا عیسائیوں کی مدد کرنے لگے۔ اس امر کو محسوس کر کے یوسف نے
سلاطین اندلس کو معزول کر کے وہاں اپنی سلطنت قائم کر لی۔ المرابطین نے اندلس پر تقریباً پچاس سال حکومت کی
لیکن یہ پورا زمانہ اندلس میں خانہ جنگیوں میں صرف ہوا۔ یہاں تک کہ افریقہ میں ایک اور سیاسی انقلاب رونما ہوا
اور سلطنت المرابطین الموحدین کے ہاتھوں زیر و زبر ہو گئی۔ یوسف بن تاشفین علماء و فضلا کا بڑا قدردان تھا
اور ابن زہر اس کا شاہی طبیب تھا۔ دولت سلاطین الموحدین ایک بڑی دولت تھی اسکے سلاطین نے بھی اندلس پر
تقریباً اسی سال حکومت کی۔ انکے زمانے میں اندلس ایک نہایت مہذب و متمدن سلطنت تھی جس کے زیر نگیں
مغربی یورپ کی پالیسی تھی۔ اس خاندان کے اولین سلاطین بڑی قابلیت کے فرمانروا تھے۔ یہ لوگ ابن باجہ
ابن طفیل اور ابن رشد جیسے فلاسفہ کے مربی تھے۔ ان کے زمانے میں اشبیلیہ کو اندلس کا دارالخلافہ بنایا گیا اور اس
کو خوبصورت عمارتوں سے مزین کیا گیا۔ اس شہر میں ایک حسین و جمیل مینار انکی یادگار اب تک باقی ہے۔

قدرت اللہ خاں اور خورشید بیگم

فہرست مضامین

پہلا باب ——— تمہید

گیارھواں باب ——— محمد، منذر، عبداللہ

بارھواں باب ——— عبدالرحمٰن ثالث الناصر لدین اللہ

تیرھواں باب ——— الحکم ثانی المستنصر باللہ

چودھواں باب ——— قرطبہ دسویں صدی میں

پندرھواں باب ——— ابن ابی عامر

تمہید

کرۂ ارض پر بہت کم ایسے ملک ہیں کہ جو سیاح کی نگاہ کے سامنے ایسا ویران اور ناخوش آئند منظر پیش کرتے ہیں جیسا کہ مغربی ایشیا کا وہ پُراسرار رومانی ملک جس کو جزیرہ نمائے عرب کہتے ہیں۔ یہ وسیع و عریض ملک شمال میں عرض البلد کے چوبیس درجہ میں حدود صحرائے شام سے لے کر جنوب میں بحرِ ہند تک اور مشرق میں خلیج فارس و بحرِ عمان سے لے کر مغرب میں بحیرۂ قلزم یا بحرِ احمر تک پھیلا ہوا تھا اور جو رقبہ میں دس لاکھ مربع میل سے زائد تھا یہ سارا صحرائے خشک اور بے آب و گیاہ ہے جس میں قاتل اور بادِ سموم چلتی ہیں۔ نوکیلے پہاڑوں کا ایک جال تمام ملک میں پھیلا ہوا ہے جن پر سبزے کا نام و نشان نہیں۔ کہیں کہیں تو پہاڑ سمندر کے قریب ہیں اور کہیں کہیں ساحل سے دور ہٹے ہوئے ہیں۔ ان کے اور ساحل کے درمیان بنجر اور غیر آباد نشیبی زمین ہے۔ جن میں جابجا سرسبز وادیاں اور شاداب نخلستان ہیں، جو برساتی نالوں کی گذرگاہوں میں خود بخود پیدا ہو گئے ہیں۔ اور ایسے ہی مقامات پر کچھ آبادیاں نظر آتی ہیں پہاڑیوں کا سب سے بڑا سلسلہ جبل السراۃ ہے جو جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام تک چلا گیا ہے۔ اس سلسلہ کوہ سے پرے اور مشرق کی جانب نجد کا صحرا پھیلا ہوا ہے یہ ایک وسیع سطح مرتفع ہے۔ جس میں بیابان ہیں گھاٹیاں ہیں اور کہیں کہیں اِکا دُکا شجر زار ہیں جو آنکھوں کو ترا وٹ بخشتے ہیں۔ مسلسل غیر آباد اور سنسان ریگستان کی کامل خاموشی انسان کے دل پر ایک قسم کا اضمحلال اور عناصر قدرت کا خوف طاری کر دیتے ہیں۔ اس سنسان ریگستان میں ساربانوں پر ایک طرف تو اجنہ و خبائث کا خوف اور دوسری طرف قزاقوں کا ڈر خون خشک کئے دیتا ہے۔ اپنی انہیں طبعی خصوصیات کی وجہ سے اس ملک کا نام عرب یا عربہ پڑ گیا جس کے معنی سامی زبانوں میں دشت اور صحرا کے ہیں۔

اس ملک میں مختلف زمانوں میں جو قومیں آکر آباد ہوئیں ان کا ابتدائی گہوارہ بین النہرین یعنی دجلہ و فرات کی وادی تھی جس کو میسوپوٹامیہ کہتے تھے اور جو میلادِ مسیح سے ہزاروں سال قبل یکے بعد دیگرے ساری۔

آشوری، بابلی اور کلدانی سلطنتوں اور ان کی شاندار تہذیب و تمدن کے عروج و زوال کا تماشہ دیکھتی رہی۔ جزیرہ نما کے قدیم ترین باشندے جن کو عرب بائدہ کہا جاتا ہے۔ کلدانی اقوام بابل سے تعلق رکھتے تھے۔ عرب بائدہ میں جو قومیں خاص طور سے تاریخ اسلام کے سلسلے میں قابل ذکر ہیں وہ بنی عاد، بنی ثمود، عمالقہ، بنی جدیس اور بنی طسم ہیں۔ ان کے علاوہ شام، افریقہ اور دوسرے علاقوں کی آرامی قومیں تھیں۔ یہ سب ستارہ پرست تھیں اور اسلام سے صدیوں پیشتر صفحۂ ہستی سے مٹ چکی تھیں۔ ان کی تاریخ کا اگر سراغ ملتا ہے تو شعراء کے اشعار میں، آسمانی کتابوں کے صفحات میں، عربوں کی روایات میں یا ان باقیات الصالحات میں جن کو وہ آنے والی نسلوں کے لئے یادگار چھوڑ گئے ہیں۔ اقوام عاد و ثمود اور عمالقہ بڑی ترقی یافتہ قومیں تھیں۔ انہوں نے یمن، حضر موت اور نجران میں اپنی سلطنتیں قائم کیں اور عراق و مصر پر بھی تسلط حاصل کیا۔ انہوں نے زراعت اور تجارت کو ترقی دی اور شاندار عمارتیں اور صنم کدے تعمیر کئے۔ وہ مشہور بند جس کے شکستہ آثار عدن کے قریب اب بھی پائے جاتے ہیں۔ ان ہی بادشاہوں کی طرف منسوب ہے۔ بنی عاد اپنے نبی کی نافرمانیوں کی وجہ سے خدا کے قہر کا شکار ہو گئے، جو خشک سالی کی شکل میں نمودار ہوا۔ قوم ثمود پہاڑوں کو اندر سے تراش کر ان میں عالی شان مکانات بنا کر رہتی تھی۔ ان غار نشینوں پر جو اپنے مسکنوں میں رہ کر اپنے آپ کو خدا کے غضب سے محفوظ خیال کرتے تھے جو ہولناک افتاد پڑی، اس کا ذکر قرآن مجید میں تو نصیحت کی تنبیہ کی غرض سے اکثر کیا گیا ہے۔

جزیرہ نما میں مہاجرین کی دوسری اہم شاخ جو کہ عرب العاربہ کے نام سے موسوم ہے۔ یہ لوگ سام بن نوح علیہ السلام کی نسل اور قحطان کی اولاد سے تھے۔ اور انہیں لوگوں کو اصلی عرب تصور کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ عرب بائدہ کو شکست دے کر یمن اور حضر موت کے بعض علاقوں پر قابض ہو گئے۔ اعراب قدیم مغلوب ہو کر رفتہ رفتہ معدوم ہو گئے۔ قحطان کا بیٹا یعرب یمن کا پہلا بادشاہ تھا جس کے نام پر پوری قوم اور جزیرہ نما کا نام رکھا گیا۔ یعرب کے بیٹے یشجب نے تخت نشین ہو کر ملک یمن کے دار الحکومت مآرب کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عبد شمس ملقب بہ سبا تخت نشین ہوا یہ ایک بہت بڑا فاتح تھا اس کی نسبت سے یمن کے فرمانرواؤں کو شاہان سبا بھی کہا جاتا ہے۔ سبا کے دو بیٹے حمیر جس کے معنی سرخ ہیں اور کہلان تھے۔ اول الذکر اپنے باپ کے بعد تخت پر بیٹھا۔ اسی کے نام پر خاندان سبا کا نام حمیری پڑا۔ دونوں بھائیوں کی اولادیں ظہور اسلام سے ایک صدی پہلے یمن پر باری باری حکمرانی کرتی رہیں۔ عظیم بادشاہ ذوالقرنین اور مشہور ملکہ بلقیس جن کو یروشلم کے

کے فرمانروا حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے نکاح میں لائے۔ دونوں اسی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ شاہانِ سبا نہایت مہذب اور متمدن تھے۔ انہوں نے ایک شاندار سلطنت قائم کی تھی۔ شاہانِ ایران اور بیزنطیہ سے ان کے دوستانہ مراسم تھے۔ انہوں نے عالیشان محلات تعمیر کئے۔ بڑے بڑے بند بندھوائے اور کنویں کھُدوائے۔ مختصر یہ کہ وہ علوم و فنون کے بڑے قدردان تھے۔ اور ہر شعبہ حیات کے علما کی سرپرستی کرتے تھے[1]۔ بعد ایک مدت دراز سلطنتِ سبا کا انحطاط شروع ہوا اور لوگ کثیر تعداد میں ہجرت کرکے حجاز۔ شام اور عراق کی طرف چلے گئے اور وہیں آباد ہو گئے۔ اس نقل مکانی کی کوئی معقول وجہ نہیں بتائی جاتی۔ زمانہ مابعد میں قحطانی عربوں کو "حمیری" کہا جانے لگا۔ اگرچہ عرب مورخ ان کو ان کے وطن کی نسبت سے "یمنی" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

جزیرہ نما کے تیسرے اور آخری آباد کار آلِ اسماعیل تھے جن کو عرب مستعربہ کہا جاتا ہے یہ لوگ جو سامی الاصل تھے یہاں پُرامن مہاجرین کی حیثیت سے آکر حجاز میں پھیل گئے اور قحطانی عربوں کے شادی بیاہ کرکے انہیں کے ساتھ رہنے لگے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے مکہ کے قریب سکونت اختیار کی اور اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ دنیا میں توحید کا یہ پہلا گھر تھا تمام قبائلِ عرب اس معبد کو بنظر احترام دیکھتے تھے کعبہ کی تعمیر نے مکہ کو عرب کے باقی تمام شہروں پر فوقیت بخشدی۔ آلِ اسماعیل حجاز میں پھلتی پھولتی اور بڑھتی رہی۔ اور کچھ زمانہ گذرنے کے بعد کفر و شرک میں مبتلا ہو گئی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اخلاف میں عدنان اور معد نامی اشخاص گذرے ہیں جن کی نسبت سے آلِ اسماعیل کو عدنانی اور معدی بھی کہا جاتا ہے۔ ظہورِ اسلام کے وقت ان ہی دو نسلوں یعنی قحطانی یا حمیری اور عدنانی یا معدی اعراب یہاں آباد تھے اور اسلام کی تاریخ ان ہی دونوں سے وابستہ ہے۔

اگرچہ مکہ میں یہاں پہلے لگا کرتے تھے عرب کے شعوب و قبائل میں کوئی وحدت نہ تھی ہر قبیلہ معنی نشوونما اور منصب میں دوسرے قبیلوں سے جُدا تھا اسلئے نتیجہ تھا کہ ان کے مختلف الاصل ہونے کا معروف نسل کے قبائل میں جو عداوت پائی جاتی تھی وہ نفرت کی حد تک بڑھی ہوئی تھی۔ آنحضرتؐ سے بہت پہلے حمیریوں کی زبان نے جو سامی زبان اور دیگر محاوروں کی آمیزش سے بنی تھی، رفتہ رفتہ خالص عربی زبان کے لئے جگہ خالی

---

[1] قلقشندی ۵ / ۳۴۳ ۔

کری حمیری مضر کی زبان تھی اور جس کو جزیرہ نما میں متعدد دینی و عقلی حیثیت حاصل تھی۔ جزیرہ نما کے تمام
عرب قبائل محاوروں کے معمولی فرق کے ساتھ ایک ہی زبان بولتے تھے۔ دونوں نسلوں کے لوگوں کے
رسم و رواج عادات و اطوار یکساں تھے۔ ان میں خیالات و مذاق کی بھی یکسانیت پائی جاتی تھی۔ پھر بھی دونوں
میں فرق پایا جاتا تھا۔ اس اختلاف کی وجہ دریافت کرنے کے لئے ہم کو ذرا گہرائی میں جانا ہوگا۔ اسلام سے
صدیوں پہلے حمیریوں نے یمن میں ایک شاندار سلطنت قائم کی تھی وہ متمدن زندگی بسر کرتے تھے اور تہذیب
و شائستگی کے مدارج پر پہنچ چکے تھے۔ اس کے برعکس مضری قبائل بہ استثناء قریش متفرق و منتشر تھے
وہ بھیڑ بکریاں چراتے تھے اور خانہ بدوش زندگی بسر کرتے تھے۔ دوسری صدی عیسوی
میں جب قبائل یمانیہ نے شمال کی جانب ہجرت کی تو حجاز اور چشموں پر قبضہ کے لئے ان میں اور
مضریوں میں بڑی معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ بنو مضر اپنے عدم اتحاد کی وجہ سے مغلوب و محکوم بنا لئے گئے اور وہ
پہلے حمیری بادشاہوں کو پانچویں صدی کے اختتام تک خراج ادا کرتے رہے۔ ایک طرف غلامی کے شکنجے سے
نکلنے کی کوشش اور دوسری طرف اپنے تسلط کو قائم رکھنے کی سعی نے دونوں میں سخت دشمنی اور
منافرت پیدا کر دی۔ دونوں جانب کے شعراء اپنے اپنے قبیلوں کی شجاعت کے کارنامے بیان کرکے کہ کس طرح
کندہ نے بنو تمیم کو یا قیس نے بنی اسد کو اپنے حملوں سے سراسیمہ و پامال کر ڈالا تھا دونوں قبائل میں
آتش جنگ کو ہمیشہ مشتعل رکھا۔

اگرچہ عربوں کو چاروں طرف سے بڑے بڑے حکمران خاندان مثلاً خسروان ایران و قیصران
روم سے گھیرے ہوئے تھے۔ لیکن وہ ان سب کی سیاسی و جنگی کارروائیوں سے سروکار رکھے
بغیر خاموشی و تنہائی کے گوشے میں مستور رہے اور ایک نامعلوم مدت سے بے فکر و آزاد زندگی کے
مزے لیتے رہے۔ انہیں اپنے قدرتی ذرائع مدافعت اور فطری شجاعت دلیرانہ سے کبھی مفتوح
ہونے کی ذلت نہیں اٹھانی پڑی نیز یہ کہ انہوں نے کسی حملہ آور کو بغیر گوشمالی کے واپس نہیں
کیا۔ چھٹی صدی عیسوی میں اہل حبش نے حملہ کرکے یمن کا کچھ حصہ دبا لیا تھا لیکن جلد ہی ایک مقامی
سردار سیف ذوالیزن نے ایرانیوں کی مدد سے ان کو نکال دیا[1] اور پھر خود ـ ـ ـ

۱؎ قلقشندی ۵/۲۹

ایرانی بھی قلیل عرصے تک اس علاقے پر قابض رہے۔ کسی غیر ملک کے ماتحت نہ رہنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب سے زیادہ کوئی ملک اپنی رسوم اور اپنے تشخص کو قائم نہ رکھ سکا۔ کسی غیر ملک کا اقتدار نہ ہونے کی وجہ سے ان کی زبان بالکل خالص رہی۔

جزیرہ نما عرب میں قبل از اسلام بھی دو طرح کے باشندے رہتے تھے اور آج بھی رہتے ہیں یعنی شہروں میں بسنے والے لوگ اور صحرا نشین یا بدو۔ لیکن دونوں میں خواہ کتنا ہی فرق کیوں نہ ہو، عرب جبلتہً بادیہ زاد ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہ شہری جو ایک زمانے میں بدو تھے، ان کی بدویت اکثر ظاہر ہوتی رہتی ہے۔ اور وہ اکثر نیم خانہ بدوشی کی حالت میں رہتے ہیں۔ ادھر ایسے بھی بدو ملتے ہیں جو مستقل سکونت اختیار کرنے کی حالت میں ہیں۔ اس طرح شہری آبادی میں تازہ صحرائی خون کی آمیزش کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ بدوؤں میں جو اچھائیاں یا برائیاں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً آزادی سے ان کی والہانہ محبت، روحانی بلند پروازی، اپنے قبیلے سے اُن کی محبت و عجیب و غریب حمیت، اُن کا جذبۂ انتقام، اُن کی آتش مزاجی، اُن کا سچا پن، انسانی زندگی کے بارے میں اُن کی لاپروائی وغیرہ یہ سب باتیں نتیجہ ہیں اُن کی طرزِ معاشرت اور اُن کے صحرائی مسکن کی کھلی ہوا اور بیکراں پہنائی کا جس میں وہ خانہ بدوشی زندگی گذارتے ہیں۔ وہ بڑے سادہ، جفاکش اور نہایت جری دلفراق جنگجو ہوتے ہیں۔ پُرخطر معاملات میں بے فکر ہو کر کُود پڑتے ہیں۔ صبر و استقامت اُن کے خاص اوصاف ہیں۔ سخاوت و فیاضی و مہمان نوازی تو نسلِ عرب کی اعلیٰ ترین خصوصیات میں شمار کی جاتی ہے۔ بدو کی زندگی کا نمونہ آج بھی وہی ہے جو ہزارہا برس پیشتر اُن کے باپ دادا کا تھا۔ اونٹ اور کھجور یہی تین چیزیں ہیں جن پر صحرا کی رونق ہستی کا انحصار ہے۔ اُن کے لباس ڈھیلے ڈھالے ہوتے ہیں۔ اور سر پر بڑے بڑے عمامے باندھتے ہیں جو اُن کو صحرا کی تمازت سے محفوظ رکھنے کے لئے نہایت موزوں ہوتے ہیں۔ وہ اونٹوں اور بکریوں کے بالوں کے بنے ہوئے خیموں میں رہتے ہیں۔ اور اپنے گلوں سمیت نئی چراگاہوں کی تلاش میں بادیہ گردی کرتے پھرتے ہیں۔ اونٹ، بھیڑ اور بکریوں کے علاوہ وہ کم تعداد میں گھوڑوں کی بھی پرورش کرتے ہیں اور اُن کو بڑی محنت سے سدھاتے ہیں کیونکہ اس جانور کی چستی اور چالاکی اور سبک رفتاری کی بدولت ایک بدو اپنے غنیم پر کامیابی کے ساتھ چھاپہ مار سکتا ہے۔ گھوڑے سے بدو کی محبت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اگر اس کی چھاگل میں ایک گھونٹ بھی پانی موجود ہے تو خواہ اس کا اپنا بچہ پیاس سے کتنا ہی رو رہا بلکتا ہے وہ اس پانی کو گھوڑے کے کنڈل میں انڈیل دے گا۔ تازی گھوڑا آج بھی اپنی خوبصورتی، دانائی، وفاداری اور سبک رفتاری کے لئے آفاقی شہرت رکھتا ہے۔

بدوی معاشرت کی بنیاد قبیلوں کی تنظیم پر ہے کہ ہر خیمہ ایک گھرانا یا خاندان ہوتا ہے۔ کئی خاندانوں سے مل کر برادری یا قوم بنتی ہے اور کئی برادریوں سے مل کر قبیلہ بنتا ہے۔ برادری کے مشترک نام کا اظہار بنی یا بنو سے کیا جاتا ہے۔ برادری کے تمام افراد ایک ہی کنبے کے لوگ شمار ہوتے ہیں۔ جن کا فرد بجنگ ایک ہوتا ہے۔ خیمہ اور اس کا موٹا چھوٹا سامان ذاتی ملکیت ہوتے ہیں لیکن پانی چراگاہ اور مزروعہ زمین قبیلے کی مشترکہ میراث سمجھی جاتی ہے۔ اگر کوئی فرد اپنی برادری کے کسی فرد کو قتل کر دے تو کوئی بھی قاتل کی حمایت نہیں کرے گا اور اگر قاتل بچ کر فرار ہو جائے تو مباح الدم کہلائے گا۔ اگر برادری سے باہر کوئی کسی کو مار ڈالے تو مقتول کے وارث اس برادری کے کسی فرد کو بھی مار کر اپنا انتقام لے لیں گے۔ صحرائی قانون کی رو سے خون کا بدلہ خون سے ہوتا ہے۔ کوئی دوسری سزا انتقام کے لئے کافی نہیں مانی جاتی۔ لیکن کبھی کبھی قبائل میں دیت یا خون بہا بھی قبول کر لیا جاتا ہے۔ کوئی بدو قبیلے سے خارج ہونا نہیں چاہتا۔ کیوں کہ اس طرح وہ لاقبیلہ ہو کر سلامتی کی تمام حدود سے باہر بے پناہ رہ جاتا ہے۔ اگر وہ ہلاک کر دیا جائے تو کوئی اس کا پرسان حال نہ ہوگا۔ آزاد کردہ غلام اکثر اپنا فائدہ اس میں دیکھتے کہ سابقہ آقا کے گھرانے سے تعلق قائم رہے لہٰذا اس ترکیب سے وہ اکثر ان کے موالی بن جاتے ہیں اور اگر کوئی اجنبی یہ رشتہ قائم کرے تو اسے دخیل کہتے ہیں۔ کبھی کبھی کوئی کم تعداد برادری کسی بڑی برادری یا قبیلے کی حمایت اس تدبیر سے حاصل کرتی اور پوری پوری اسی گروہ میں گھل مل جاتی۔

عرب برادری کی روح عصبیت ہے یعنی اپنے قبیلے سے مجنونانہ حد تک شیفتگی اور وفاداری۔ عصبیت کا نشہ اس کے دماغ میں کچھ اس طرح سمایا ہوتا ہے کہ کسی طرح نہیں اتر سکتا۔ وہ اپنے قبیلے کے لئے مرتا اور اسی کے لئے جیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ برادری یا قبیلہ خود ایک مکمل عالم ہوتا ہے۔ اسی لئے ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کو قتل و غارت گری کا ہدف بنانے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کرتا۔ جب اسلام کا عروج ہوا اور یہ عیب بھی ترقی کر کے بڑے کام آئی تو بالآخر یہی اوصاف اسلامی حکومتوں کے انتشار و پراگندگی اور انجام کار خاتمہ کا ایک فیصلہ کن سبب ثابت ہوئے۔

قبیلے کا رسمی سردار شیخ ہوتا ہے جس کا انتخاب خود برادری کے لوگ کرتے ہیں

اور اس کا حکم مانتے ہیں۔ شیخ عموماً قبیلہ کا بڑا سن آدمی ہوتا ہے جو معتدل رائے، جرأت اور فیاضی کے اوصاف سے متصف ہوتا ہے۔ شیخ مطلق العنان نہیں ہوا کرتا بلکہ عدالتی، جنگی یا دوسرے مشترکہ امور میں اس کو برادری کے اور خاندان کے بزرگوں کی پنچایت سے مشورہ کرنا لازمی ہے۔ شیخ اپنے عہدے پر اس وقت تک فائز رہ سکتا ہے جب تک کہ برادری میں اس کو مقبولیت حاصل ہو۔ اہل عرب عموماً اور بدو خصوصیت سے پیدائشی جمہوریت پسند ہوتے ہیں اور وہ اپنے شیخ سے مساویانہ بات چیت کرتے ہیں۔ ان کی قومی معاشرت ہی ہر امتیاز کو چھیل کر لوگوں میں یکسانی پیدا کرتی رہتی ہے۔ عربوں میں ملک یعنی بادشاہ کا خطاب صرف اجنبی فرمانرواؤں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ البتہ اس قاعدے سے وسطی عرب کے ملوک کندہ مستثنیٰ تھے جو یمن کے شاہی خاندان تبع کے باجگزار تھے۔

جمہوریت پسندی کے ساتھ اہل عرب اپنے آپ کو بنی آدم کا انسان الکامل یعنی تمام قوموں سے افضل سمجھتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک اونٹ چرانے والا بدو بھی اپنے پندار میں ایک متمدن آدمی کو بہت گھٹیا اور بدقسمت سمجھتا ہے۔ ان کے تکبر کو کسی قوم میں تعلقات مناکحت کرتے ہوئے صدمہ ہوتا تھا۔ ان کا بے انتہا فخر خاندانی اپنی آئندہ نسلوں کو منتقل کرنے کے لئے اپنے اجداد کی کئی کئی پشتوں کو یاد رکھتا تھا۔ مولود رسول مقبول کے زمانے میں یہ کیفیت تھی کہ بہت سے لوگوں کو بوجہ اپنی پرانی رسم اور نسلی روایات کے اپنے چھ سو برس پیشتر کے اجداد کے نام یاد تھے اپنے اجداد کے علاوہ وہ کئی کئی پشتوں تک اپنے اونٹوں اور گھوڑوں کے نسب نامے بھی یاد رکھتے تھے۔ عربوں کے علاوہ انساب کے علم کو کسی دوسری قوم نے ایک باقاعدہ علم کے درجے تک ترقی نہیں دی۔ اہل عرب کا یہ دعویٰ اور فخر بالکل بجا تھا کہ ان کی جیسی مکمل زبان کا اختراع کرنا بنی نوع انسانی کی طاقت سے باہر ہے۔ مختصر یہ کہ اہل عرب کو اپنی نسل کی طہارت فصاحت و شاعری، اپنی تلوار اپنے گھوڑے اور سب سے بڑھ کر اپنے بزرگ اسلاف یعنی نسب پر بے حد ناز ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ یہ مقولہ ان ہی کے متعلق کہا گیا ہے کہ "ان کے عمامے ان کے تاج ہیں۔ ان کے خیمے ان کے قلعے ان کی تلوار ان کے مورچے اور ان کے اشعار ان کے قوانین ہیں۔"

بدو ہر قسم کی تجارت، دستکاری اور کھیتی باڑی سب کو گھٹیا اور اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ بھیڑ بکریاں چرانا، شکار کھیلنا اور چھاپے مارنا ان کے خاص پیشے ہیں۔ ان کے اور شہری افراد کے درمیان کش مکش کی وجہ ان کے اغراض اور بقا کے ناگزیر محرکات ہیں۔ صحرا نشین اپنے نسبتاً آسودہ حال ہمسائیوں کے وہ سامان لینے پر مصر ہیں جو انہیں میسر نہیں اور یہ استحصال یا جبراً چھاپے مار کر کیا جاتا ہے یا رضامندی سے مبادلۂ اشیاء کے ذریعے۔ اگرچہ اول الذکر دوسروں کی نظر میں رہزنی و قزاقی سے تعبیر کیا جائے گا۔ لیکن صحرائی زندگی کی معاشیات و معاشرت میں اس کو قومی آئین کی حیثیت حاصل ہے اور اسی پر بدوؤں کی گلہ بان قوم کا معاشی نظام قائم ہے۔ شکار کی طرح قزاقی کو بھی مردانہ پیشوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ قزاقی جس کو غزو یا رزیہ کہتے ہیں۔ بادیہ نشینوں کا قومی کھیل ہے اس کے قاعدوں کے مطابق سخت ضرورت کے سوا خونریزی نہ ہونا چاہیئے۔ غرض زمانۂ جاہلیت میں لوٹ مار عربوں کا شعار بنا ہوا تھا تجارتی قافلے ہوں یا اجنبی سوداگر کوئی ان کی زد سے محفوظ نہ تھے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ کوئی قبیلہ چھاپے مار کر کچھ سامان حاصل کر لیتا لیکن زیادہ دیر نہ گزرتی کہ دوسرا قبیلہ اس پر چھاپہ مار کر وہ سامان اس سے چھین لیتا اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا۔

ایام العرب یعنی عہد جاہلیت میں جن لڑائیوں نے صحرائی آبادی کو جنگ آزما قبیلوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر رکھا تھا۔ اس کی اصل بنیاد مویشی کی چوری اور پانی و چراگاہ لینے کی سخت مسابقت تھی۔ ان قبائلی آویزشوں سے قزاقی اور غارت گری کے بہت اچھے حیلے بہم پہنچتے تھے۔ حریف قبائل کے بہادر تنہا لڑکر شجاعت کے کارنامے دکھاتے اور شاعروں کو جو اپنے قبیلے کا زبان ہوتے تھے۔ ایک دوسرے کے خلاف دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع مل جاتا تھا۔ ان ہی کی وجہ سے بدوؤں کی زندگی میں انتقام قومی، ذہنی و اعتقادی شعار میں شمار ہوتا تھا۔ سرکش و تندخو قبائل عرب نہایت معمولی باتوں پر تلواریں سونت لیا کرتے تھے اور یہ سلسلہ نسلاً بعد نسل جاری رہتا تھا۔ نسبی برتری، سرحدی جھگڑے یا ذاتی اہانت وغیرہ کی بنا پر چند آدمی گتھم گتھا ہو جاتے تھے۔ پھر یہ جھگڑا پورے قبیلے کا تنازعہ بن جاتا تھا۔ بدوؤں کی ایک نہایت قدیم و مشہور جنگ حرب البسوس تھی جو عیسائی قبائل بنی بکر اور بنی تغلب میں ہوئی تھی۔ یہ لوگ شمال مشرقی عرب کے رہنے والے اور آپس میں رشتے دار تھے۔ یہ لڑائی فقط ایک اونٹنی پر چھڑی جو بکر کی ایک

بڑھیا مسمات سوس کی ملکیت تھی اور کسی تغلبی سردار کے ہاتھ سے زخمی ہوگئی تھی فریقین ایک دوسرے پر چھاپہ مارتے اور لوٹ مار کرتے تھے اور شعرا دونوں طرف سے اشتعال دیتے اور جنگ کی آگ کو بھڑکاتے تھے۔ یہ جنگ چالیس سال تک جاری رہی۔ یہاں تک کہ دونوں فریق لڑتے لڑتے مضمحل ہوگئے۔ آخر ۵۲۵ء کے قریب اس خانہ جنگی کا صلح پر خاتمہ ہوا۔ یوم داحس والغبرا بھی کچھ کم مشہور معرکہ نہیں یہ لڑائی وسطی عرب کے عبس اور ان کے عزیز قبیلہ ذبیان میں ہوئی۔ وجہ مخالفت یہ کہ عبس کے سردار کے گھوڑے داحس اور شیخ ذبیان کی گھوڑی الغبرا کی دوڑ میں ذبیانیوں نے چیٹنگ کی۔ یہ جنگ چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں چھڑی اور کچھ وقفوں کے ساتھ ساتویں صدی عیسوی کے اوائل تک جاری رہی اور اس میں بھی کثیر جانی و مالی نقصان ہوا۔ اس جنگ میں عنترہ ابن شداد العبسی نے جو عرب کے عہد شجاعت کا بڑا مشہور مانا گیا ہے اپنی بہادری اور شاعری کے جوہر دکھائے۔ مختصر یہ کہ تیغ و تفنگ عربوں کا روزمرہ کا معمول بنا ہوا تھا مستقل نبرد آزمائی کی وجہ سے جنگجوئی ان کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی۔

شاعری، خطابت اور نجوم (محض عدالتی فیصلوں کے لیے) ما قبل اسلام عربوں کے محبوب مشغلے تھے۔ بمشکل سے کسی زبان کا اپنے بولنے والوں کے دل و دماغ پر اتنا اثر ہوتا تھا جتنا عربی کا۔ اس زبان کی لاثانی وسعت، اس کا عجیب و غریب لوچ، ان کی شیرینی و رسیلا پن اس کی حیات بخش قوت اس کے استعمالات کی بہتات اور بو قلمونی نے اس کو شاعری و خطابت کے لئے اتنا موزوں بنایا ہے کہ جو دنیا کی کسی اور زبان کو بہت کم حاصل ہے۔ وہ شاعر کے سامنے تخیلات کا ایک بڑا میدان پیش کرتی ہے۔ کوئی لفظ کوئی محاورہ ایسا نہیں جو نہایت خوبصورتی اور لطافت کے ساتھ قافیہ و ردیف میں موزوں نہ ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی اکثر نثروں میں نظموں کا مزہ آتا ہے اور عروض تو ایک طرف رہی، اوزانِ موسیقی پر بھی کامل العیار اترتی ہے صرف الفاظ کی ترتیل، ترنم اور قافیہ بندی اپنے سننے والوں پر اثر کرتا ہے، چاہے جزوی طور پر مطلب سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ ایک عربی کہاوت ہے کہ آدمی کا حسن اس کی فصاحت میں ہے۔ قدیم فلسفی محمد الدمیری نے اپنی زبان کی فصاحت و بلاغت کو دیکھ کر بہت صحیح کہا ہے کہ "خدا کی رحمتِ واسعہ تین چیزوں پر نازل ہوئی ہے۔ یونانیوں کے دماغ پر، چینیوں کے ہاتھ پر اور عربوں کی زبان پر" اور حکمت کا ظہور ان ہی تین چیزوں سے ہوا[1]

---

[1] الجاحظ ص ۱۲۔

قرآن مجید میں زبان کا ایک معجزہ ہے۔ جرمن فاضل ایمینول ڈیوشس لکھتا ہے کہ "عربی کی خطیبانہ شوکت آغاز کے نزول قرآن سے خوشی و غم، محبت و شجاعت اور ولولہ و خوشی کا اظہار کرنے کی قوت نزول قرآن کی وقت اپنی بلندی سے ہٹ کر پورے عروج پر تھی۔ ضروری تھا کہ قرآن نہ صرف اپنے زمانے کے بہترین خطیبوں اور شاعروں کی برابری کرے۔ بلکہ ان پر سبقت لے جائے۔ تاکہ اس کے کلام اور لحن کی فوقیت بجائے خود اس کے پیغام کی سچائی کی علامت و شہادت ہو۔"

قوم عرب میں جو خلقی قوت و استعداد شاعرانہ تھی وہ اسی قوم سے مخصوص تھی۔ صرف شعر گوئی کا میدان ایسا تھا جس میں جاہلی عرب بہت بڑھے چڑھے تھے۔ یہاں وہ اپنی بہترین جودت و قابلیت سے کام لے سکتے تھے۔ چھوٹا ہو یا بڑا ہر شخص میں یہ مادہ موجود تھا۔ قواعدِ علم عروض بلکہ اوزانِ شعر کے قوانین بھی اُن کو معلوم نہ تھے مگر ان کے دماغ اوزان شعر کو سمجھنے اور پرکھنے کے لئے ایسے موزوں تھے کہ کوئی غلطی نہ کر سکتا تھا اسی لئے کہا گیا ہے کہ عربوں کا منظوم کلام ادب جاہلیہ کے منظوم کلام سے بڑھا ہوا ہے۔ عشق و محبت کی واردات دنیاوی خوشیاں، تیغ آزمائی، ناقہ سواری، رشک و رقابت، انتقام و دشمنی، قبیلوں کی لڑائیاں، اگلوں کی تعریفیں وغیرہ بادیہ عرب کی نظموں میں یہ ساری باتیں بلندی تخیل اور جوش و جذبہ کے ساتھ بدرجۂ اتم پائی جاتی ہیں۔ چھٹی صدی عیسوی کے وسط کے شعرا سے بعد میں بھی کوئی فوقیت نہ لے جا سکا۔ قدیم مسلمان شعرا سے لے کر زمانۂ حال تک کے سخنوران جاہلی کلام کو بلحاظِ ذاتی دلکشی، حسنِ بیان اور شان و شکوہ لاجواب و بے مثالی سمجھتے ہیں۔ قدیم قصائد میں سب سے اول مرتبہ سبعہ معلقات کو ملا جو ابھی تک عربی بولنے والے ملکوں میں شاعری کے شاہکار ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ معلقات کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ عیش و عشرت کی تعلیم دیتے ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ایام العرب کے تمام شعرا کا یہی مقصد تھا۔ وہ صرف موجودہ زندگی کی لذتوں کے گیت گاتے تھے۔ اور اپنے زمانے کی اخلاقی خرابیوں کو شہ دیتے تھے۔ فکرِ فردا کسی کو نہ تھی۔ حسینوں کی صحبت۔ مے کشی کا لطف اور ایسی عورتوں کے مزے کہ جس میں شراب پی پی کر آدمی بدمست ہو جائے۔ نہایت آزادی کے ساتھ ہر نظم میں بیان کئے جاتے ہیں۔ سازشوں کے مناظر۔ کسی کے یہاں رات کو چھپ کر پہنچنے کے حیلے اور اس کی وجہ سے اپنی جان پر بن جانے کے خطرے۔ اپنے مخالف قبیلے میں عشاق کا پوشیدہ طور پر جانا اسی لطف کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے کہ جس طرح گھمسان کی لڑائیوں کے قصے اور کسی بہادر کے کارنامے۔ اپنی محبوبہ کا سراپا اور اس کی تفصیل اور اس کے ناز و نیاز

کی باتیں بڑی شعریت لطف و بےباکی سے بیان کرتے ہیں۔

سبعہ معلقات کے وجود میں آنے کی یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ مکّے سے تین چھوٹی چھوٹی منزلوں طائف اور نخلہ کے درمیان عکاظ میں ایک میلہ لگا کرتا تھا۔ مکّے کے قریب دو چھوٹے چھوٹے میلے اور لگتے تھے۔ ایک تو مجنہ کے مقام مرّ الظہران کے قریب اور دوسرا عرفات کے دامن میں ذوالمجاز کے مقام پر۔ لیکن عکاظ کا میلہ ایک بہت بڑی قومی تقریب سمجھا جاتا تھا۔ یہ میلہ حج کے مہینوں میں لگا کرتا تھا جبکہ تمام قبائلی دشمنیاں اور خانہ جنگیاں عارضی طور پر فراموش کردی جاتی تھیں۔ سال کے تین مہینے یعنی ذوقعدہ۔ ذی الحج اور محرم امن و صلح کے مہینے تھے۔ ان مقدس مہینوں میں جنگ کرنا یا غضب میں آکر انسانی خون بہانا ممنوع سمجھا جاتا تھا۔ جاہلی عرب کی تقویم بھی بعد کی اسلامی تقویم کی طرح ہلالی تھی۔ اس موقع پر چونکہ عناد و فساد معطل ہوجاتے تھے۔ زہاد اور تجار، شاعر اور قزاق بت خانہ کعبہ کے احاطہ میں مساویانہ ملتے تھے اور نہ صرف جزیرہ نمائے عرب کے تمام حصوں سے بلکہ دور دراز ملکوں سے عالمی تجارت کا ایک دریا بہتا ہوا چلا آتا تھا۔ یہاں حجاز اور نجد کے تاجر آتے تھے۔ صحرا کے مبارز شاعر آتے تھے اور خطیب آتے تھے جو اپنے آپ کو خون کا انتقام لینے والوں سے چھپانے کے لئے چہرے پر نقابیں ڈالے ہوتے تھے۔ اور اولیت کا دلفریب ادبی انعام جیتنے کے لئے ایک دوسرے سے دوستانہ مقابلہ کرتے تھے۔ عکاظ عربوں کا اولمپیا تھا۔ یہاں لوگ محض تجارت کی غرض سے نہ آتے تھے۔ بلکہ اپنی قوت و شجاعت اور اپنی شان و شوکت کے نقشے کھینچنے اور اپنے شاعرانہ اور ادیبانہ کمالات کے جوہر دکھلانے کے لئے بھی شعرا نئے قصیدے خود پڑھ کر سناتے اور سامعین کے عظیم مجمعوں سے خراجِ تحسین وصول کرتے۔ بہترین قصیدے کو سنہری حرفوں میں قلمبند کیا جاتا تھا اور آنے والی نسلوں کے لئے یادگار کے طور پر کعبہ میں لٹکا دیا جاتا تھا۔ اس مناسبت سے ان کو معلقات کہا جاتا ہے۔ سالانہ مشاعرے کے علاوہ یہاں دوسرے فنون کے بھی باکمال جمع ہوکر آپس میں مقابلہ کرتے اور ان تمام قوموں سے جو میلوں میں جمع ہوتی تھیں، داد و تحسین وصول کرتے تھے۔ لیکن وہ آوارہ گرد جو سال کے نو مہینے اپنے ہمسائیوں کے لوٹنے مارنے میں گزارتے تھے اس کو کیونکر گوارا کرسکتے تھے کہ تین ماہ کامل ایک پرامن گرد شمنوں کے مجمع میں آکر گزار دیں۔ چنانچہ بہ مکی

---

[1] المزہر ج ۲

مشہور قبائلی لڑائی عکاظ کے مقام پر چھڑی اور تقریباً چالیس برس اسلام کے آغاز تک جاری رہی۔ اس میں جان ڈال کا بہت نقصان ہوا۔ اس لڑائی میں قریش اور بنی کنانہ ایک طرف تھے اور قیس دوسری طرف اس لڑائی کو اس لیے حرب الفجار کہا جاتا ہے کہ اس نے اس مہینے کی حرمت شکنی کی جس میں تمام لڑائی جھگڑے ممنوع تھے۔

میلے میں دیسی اشیاء کی نمائش و فروخت اور مبادلے کے بھی اچھے مواقع مل جاتے تھے ہم آسانی سے تصور کرسکتے ہیں کہ ایسے میلے و سالیت کے مجمعوں میں اہل صحرا کیسے خوشی خوشی تنے دکانوں کی سیر کرتے، ناچتے گاتے پھرتے ہوں گے۔ ایک مصنف لکھتا ہے کہ "میلے کے ایام میں عکاظ خوشی اور چہل پہل کا ایک عجیب منظر پیش کرتا تھا۔ لیکن تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی تھا۔ ناچنے والی عورتیں جو اپنے نشاط آور گیتوں، قہقہوں اور چہچہوں سے صحرائے شعلہ مزاج فرزندوں کے جذبات کو برانگیختہ کرتی ہوئی خیمہ بہ خیمہ پھرتی تھیں۔ اوباشوں کے جھنڈ جو فن موسیقی کی ابجد سے بھی واقف ہوئے بغیر گانے بجانے کے اوٹ پٹانگ مظاہرے کرتے پھرتے تھے۔ سرِ بازار مے نوشیاں جو اکثر دنگوں اور خونریزیوں پر ختم ہوتی تھیں۔ جوا کھیلنے کے اڈے جہاں اہلِ دولت رات بھر جوا کھیلتے رہتے تھے شاعروں کی ذاتی چشمکوں کی پیدا ہوئی نفرتیں اور دشمنیاں جو کبھی کبھی ہنگامی چپقلشوں اور کبھی کبھی مستقل اور تباہ کن لڑائیوں کی صورت اختیار کرلیتیں۔ ان سب باتوں نے تصویر کے دوسرے رخ کو تاریک بنادیا تھا اور انھوں نے آمنہ کے یتیم بچے کے دل پر ایک گہرا نقش ثبت کیا۔"

عربی شاعر بلا استثنا اپنے قبیلے کا اہم آدمی ہوتا تھا۔ وہ اپنی جوہر شاعری و بدیہہ گوئی کے ساتھ اکثر سیاستدان و مبارز بھی ہوتا تھا۔ زمانۂ جنگ میں اس کی زبان وہی کام کرتی تھی جو اس کی قوم کی دلاوری زمانۂ امن میں۔ وہ اپنے پرجوش کلام سے بڑا فساد مچا سکتا تھا۔ اس کی نظمیں سیاسی مظاہروں میں سارے قبیلے کو اس طرح مشتعل کرسکتی تھیں جس طرح آج کل سیاسی مظاہروں میں عوامی مقرر کی آتش بیانی۔ وہ اپنے زمانے کا صحافی اور اخبارات کا نمائندہ تھا۔ شاعر کا ایک برمحل شعر حریف قبائل کی تلواریں بے نیام ہونے سے روک سکتا تھا۔ شاعر اپنے حریف قبائل کی تاریخی ناکامیوں اور نفسی کمزوریوں کو نظر میں رکھتا تھا اور ان کے پترے کھولنا اور خاک اڑانا اس کے فرائض میں داخل تھا۔ غرض دولت، رتبہ و درجہ، حسن ذاتی، عزت و ہر دلعزیزی، جنگی کارنامے سب ہی تو اس کو خراج ادا کرتے تھے۔ عورتیں اس کی پرستش کرتی تھیں، دشمن اس سے ڈرتے تھے، فیاضانہ داد و دہش

سے، بے خوشی رکھنے کی کوشش کی جاتی تھی۔ کیونکہ لوگوں کو اس کا تیز تلوار کا اثر معلوم ہوتا تھا جتنا کہ اس
کی زہر میں بجھی ہوئی ہجو کا۔ اس کے اشعار لوگوں کو حفظ ہو جاتے تھے اور زبانوں پر چڑھ جاتے تھے۔ لہذا
نشر و اشاعت کا نہایت قابل قدر ذریعہ تھے وہ رائے عامہ کو بناتا بھی تھا اور پھیلاتا بھی تھا۔ عرب شعراء کے
ساتھ کچھ مطرب بھی ہوتے تھے جو ان کی نظموں کو سازوں پر گاتے تھے جس طرح زمانہ مابعد میں ان کی اولاد
معنوی مطربان مشرقی کیا کرتے تھے۔ شاعر اپنی قوم کا صرف مرشد، رہنما اور ترجمان ہی نہ تھا بلکہ مورخ اور
جتنی بھی قوم میں حکمت یا تجربہ یا علم تھا اس کا حامل ہوتا تھا۔ اس سے اسلام کے پہلے کے عہد معاشرت کے ہر پہلو پر
روشنی پڑتی ہے۔ اسی سے یہ ضرب المثل بنی کہ "شاعری اہل عرب کا سرکاری دفتر ہے"۔ عربوں میں افسانہ گوئی
کا عام رواج تھا۔ راتوں کو لوگ تمام اشغال سے فارغ ہو کر کسی مقام پر جمع ہوتے تھے ایک شخص جو کہ اس
فن میں کمال رکھتا تھا۔ [illegible] شروع کرتا تھا اور لوگ بڑے ذوق و شوق سے رات بھر سنتے تھے
غرض عرب کے ہر مجمع اور میلے میں شاعروں اور قصہ خوانوں کی بڑی قدر و منزلت ہوتی تھی۔

عرب کا زمانہ شجاعت جس میں عہد جاہلیہ شامل ہے ۵۲۵ء سے ۶۲۲ء تک پھیلتا ہے
فصاحت یعنی اپنے کلام کو نظم و نثر دونوں میں حسن و قوت سے ادا کرنا، تیر اندازی اور شہسواری بھی
عہد جاہلیہ میں مرد کامل کی تین لازمی صفات سمجھی جاتی تھیں۔ بدوی مروت۔ فیاضی، مہمان نوازی —
شجاعت اور جوانمردی کی مثال میں عنترہ ابن شداد العبسی کا نام کئی نسلوں تک زبان زد رہا۔ وہ
شہسوار، شاعر، جنگجو، عاشق مزاج غرض جملہ صفات سے جو اہل صحرا میں محبوب تھیں موصوف تھا
عنترہ جو خود عرب کی مشہور ترین داستان کا ہیرو تھا۔ اس کی بہادری کے واقعات اور اپنی معشوقہ
عبلہ کے راز و نیاز کے قصے عربی بولنے والی دنیا کی ادبیات بن گئے ہیں۔ وہ اپنی محبوبہ عبلہ کے
مکان کی بربادی کے مرثیے گاتا ہے۔ اس کے خیالات ان کھنڈروں کے اردگرد منڈلاتے رہتے
لیکن عبلہ ان سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو چکی ہے۔ عبلہ کا نام عنترہ کے قصیدہ معلقہ نے لافانی
کر دیا ہے۔

جو عرب شہروں اور گاؤں میں رہتے تھے اور جنہوں نے شامیوں، ایرانیوں اور رومیوں
کے رکیک اخلاقی خیالات اپنا لئے تھے ان کے یہاں عورتوں کی حالت نہایت خستہ و خراب تھی البتہ
بعض بدوی قبیلوں میں عورتوں کو بڑی آزادی حاصل تھی اور وہ اپنے قبیلوں میں بڑا اثر و رسوخ

رکھتی تھیں ویبر ینک کے قول کے مطابق، "وہ یونانیوں کی عورتوں کی طرح بدنصیب ہستیاں نہ تھیں" وہ اپنے مردوں کے ہمراہ جنگ کے میدانوں میں جاتی تھیں اور ان کی ہمت بڑھاتی تھیں۔ جوانمرد اپنی بہنوں، ماؤں اور معشوقاؤں کے گیت گاتے ہوئے داد شجاعت دیتے تھے۔ ان کی سرفروشی کا سب سے بڑا الہام ان عورتوں کی محبت ہوتی تھی۔ مردوں کے لئے سب سے بڑی خوبیاں بہادری اور وفا ہوتی تھیں، عورتوں کا سب سے قیمتی زیور عصمت ہوتا تھا۔ اگر کسی قبیلے کی ایک عورت کی توہین کی جاتی تو سارے جزیرہ نمائے عرب کے ایک کونے سے لے کر دوسرے کونے تک غصے کی آگ بھڑک اٹھتی تھی۔ حرب الفجار جو چالیس سال تک جاری رہی اور جسے پیغمبر اسلام نے بند کرایا یوں شروع ہوئی کہ عکاظ کے میلے میں لیتمہ نامی ایک جوان لڑکی کی اہانت کی گئی تھی۔

عرب کے قدیم قبائل میں سے قبیلہ قریش ہے جس کا سلسلہ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ اپنے اعلیٰ نسب، شجاعت، ہمت و استقلال، سخاوت اور مہمان نوازی کے لئے دور و نزدیک نہایت ممتاز و مشہور تھا۔ اس قبیلے کے لئے مقدر ہو چکا تھا کہ وہ بڑی بڑی سلطنتوں کی بنیادیں رکھے گا۔ دنیا میں تہذیب کو پھیلائے گا اور قرونِ وسطیٰ میں عرب شوکت و عظمت کا بانی ہوگا۔ یہی قبیلہ مکہ کے بیت اللہ کا متولی تھا۔ اور اپنے بانسان و شکوہ آباؤ اجداد پر ان کو ناز اور اپنے عظیم الشان منصب تولیت پر جو بادشاہی سے کچھ کم نہ تھا ان کو فخر تھا۔ قبائلِ عرب جو اپنی عزت آزادی میں کسی بادشاہ کی صولت نہ مانتے تھے قریش کے احکامات کو ـــــ بجا لاتے تھے۔ کعبہ کی تولیت قبائل میں بڑی رقابت کا موجب تھی کیوں کہ اس کے ساتھ بہت سے ایسے اعزازات اور خصوصی حقوق وابستہ تھے جن کی عربوں کی نگاہوں میں بڑی قدر و منزلت تھی۔ سالانہ حج جو اہلِ عرب کے لئے تمام سال کا خلاصہ ہوتا تھا۔ ایسا موقع ہوتا تھا جو قبیلۂ قریش کی دولت و عظمت و اقتدار کے لئے باعث استحکام و دوام ہوتا تھا۔ قریش مکہ اور اس کے نواح میں آباد تھے اور تجارت پیشہ تھے۔ مذہبی تقدس اور اجارہ داری کے ساتھ ساتھ وہ بڑی دنیاوی وجاہت کے بھی مالک تھے۔ انہوں نے مکہ میں ایک چھوٹی سی ریاست قائم کر رکھی تھی، جس کے سیاسی و مدنی امور اسی قبیلے کی مختلف شاخیں انجام دیتی تھیں۔ کسی کے سپرد دار الندوہ یا مجلسِ شوریٰ تھا۔ کسی کے پاس سقایہ و رفادہ کا منصب تھا اس کے عہدہ دار حجاج کے زمانۂ قیام میں ان کو سامانِ خورد و نوش بہم پہنچاتا تھا کوئی اس عَلَم کا [illegible] تھا جو

کعبہ کے میلے کے موقع پر اس وقت نکالا جاتا تھا کہ جب جنگ کی وجہ سے مکہ معرض خطر میں ہوتا تھا۔ ہمسایہ قبائل تو سفارتیں بھیجتے تھے اور معاہدہ کرتے تھے۔ ان قافلوں کی آمد و رفت و کوچ و مقام کے ضوابط مقرر کرتے تھے جو گرد و پیش کی اقوام سے منظم و نفع رساں تجارت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ بنو اور اس عظمت و اقتدار پر غرّہ ہو کر جو عام طور ان کو حاصل تھی وہ دلیرانہ بہت سی قدیم مراسم عبادت کو موقوف کر دیتے تھے۔ اور ان کی جگہ وہ طریقے رکھ دیتے تھے جن سے ان کو مالی فوائد پہنچیں یا ان کی سیاسی بلند نظری کو پورا کریں۔ مختصر یہ کہ اپنے ملک پر قریش کا اثر و اقتدار بالکلیہ مطلق العنان تھا۔ بنی امیہ اور بنی ہاشم اس قبیلے کی دو اہم شاخیں تھیں۔ ملل الذکر محافظ علم تھے اور ثانی الاسم رفادہ و سقایہ کے منصب دار جو حرم کے تمام مناصب میں سب سے زیادہ معزز و محترم سمجھا جاتا تھا۔ اپنے چچا ہاشم کے قبضہ و تصرف سے اس منصب کو نکال لینے کے لئے امیہ کے دل میں سخت رقابت پیدا ہوئی جس نے جھگڑے کی صورت اختیار کر لی۔ دونوں کے درمیان خزاعی نامی کاہن جو عسفان کا رہنے والا تھا ثالث مقرر ہوا جس نے ہاشم کے حق میں فیصلہ دیا۔ قرارداد کے بموجب ہاشم نے امیہ سے پچاس اونٹنیاں لے کر قربانی کی اور دعوت عام دی اور امیہ کو دس سال کے لئے جلا وطن ہو کر ملک شام جانا پڑا۔ یہ پہلی عداوت تھی جو ہاشم اور امیہ کے مابین واقع ہوئی۔ اور ان دونوں کی اولاد میں عہد اسلام تک بطور وراثت اس کو قائم رکھتی رہی۔ غرض پیغمبر اسلام کی ولادت کے وقت آپ کا خاندان کعبہ کا متولی تھا اور آپ کے دادا عبدالمطلب اس کی ملکیت کے رئیس تھے۔

عرب خاص کر اہل مکہ شراب خوری، قمار بازی اور رقص و سرود کے دلدادہ شیدا تھے اور ممالک کی طرح یہاں بھی ناچنے گانے کا پیشہ ادنیٰ طبقے کی عورتیں کرتی تھیں جن کو قیان (واحد قینہ) کہتے تھے اور جن کی عصمت فروشی ضرب المثل تھی۔ اس کے باوجود ان کو معاشرے میں بلند مقام حاصل تھا۔ ان کے ساتھ عشق و محبت کرنے میں رؤسا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے۔ لوگوں کی پستی اور اخلاقی حالت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ یہ عورتیں اپنے گھروں پر ضیافتیں دیا کرتی تھیں جن میں شہر کے امرا و رؤسا شرکت کرتے تھے۔ مکہ عربوں کی مذہبی عقیدت ہی کا مرجع نہ تھا بلکہ ان کی تجارت کا بھی سب سے بڑا مرکز تھا۔ زمانۂ قدیم کی تجارتی شاہراہ پر واقع ہونے کی وجہ سے ہمسایہ ممالک کی دولت و ثقافت یہاں کھنچی چلی آتی تھی۔ تینوں براعظموں میں عربوں کو جو

جرجی زیدان ۱۵

جغرافیائی حیثیت حاصل تھی جس کی بدولت وہ اقوامِ عالم کے مال تجارت کے نقل و حمل میں دوسری ایشیائی قوموں پر ہمیشہ ممتاز رہے ہیں۔ ان کے تجارتی قافلے مکّہ سے روانہ ہو کر ریت کے خاموش ٹیلوں پر سے گزرتے ہوئے یمن اور ہندوستان کی مشہور مقامی پیداوار اور مصنوعات لے جا کر ایرانی اور بازنطینی بلاد میں پہنچاتے اور شام سے ایرانی شہروں کے ریشمی کپڑے لاتے تھے ـــــ لیکن مال تجارت کے ساتھ وہ اپنے جلو میں ان تعیشات اور خرابیوں کو بھی لے کر آئے، جنہوں نے ہمسایہ سلطنتوں کو زنگ کی طرح کھایا تھا۔ یہ لوگ اپنے ساتھ شام اور عراق سے ایرانی اور یونانی کنیزیں بھی لاتے تھے۔ یہ کنیزیں اپنے رقص و سرود سے امراء و رؤسا کا نہ صرف دل بہلاتیں بلکہ ان کی نفسانی خواہشات کی تسکین کا ذریعہ بھی بنتی تھیں۔

ہندوؤں کی طرح عربوں میں بھی ازدواج کی کوئی حد نہ تھی یعنی ایک مرد بیک وقت ایک سے زیادہ عورتوں کا شوہر ہوتا تھا۔ یمن کے نیم یہودی اور نیم ستارہ پرست قبیلوں کے یہاں تو ایک عورت کے ایک ہی وقت میں کئی کئی شوہر ہوتے تھے[1]۔ عورت اپنے خاوند یا باپ کی جائیداد کا ایک حصہ شمار کی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک متوفی مرد کی بیوائیں دوسری املاک کی طرح اس کے بیٹوں کو ورثے میں ملتی تھیں۔ حقیقی ماں کو چھوڑ کر سوتیلی ماں بیٹوں کے لئے جائز تھی۔ حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ شادی کا بھی دستور تھا البتہ آتش پرستوں کا بیٹیوں سے بھی نکاح معیوب نہ سمجھا جاتا تھا۔ اعراب جاہلیت کو عورتوں سے اس درجہ نفرت تھی کہ وہ اکثر اپنی بیٹیوں کو زندہ گاڑ دیا کرتے تھے۔ یہ خوفناک دستور قریش اور کندہ کے قبیلوں میں سب سے بڑھ کر رائج تھا
یہودیوں کی عربدہ جوئی کی فطرت ان کی ہر جگہ ان کی تمام مصیبتوں کا سبب بنی۔ چنانچہ جب آشوریوں یونانیوں اور رومیوں نے ان کو یکے بعد دیگرے اپنے ممالک سے نکال باہر کیا تو انہیں عرب میں امان مل گئی۔ یہاں اپنے مذہب کی تبلیغ کے ساتھ ساتھ انہوں نے عربوں میں متعدد اخلاقی خرابیاں بھی پیدا کر دی تھیں۔ انہیں کی بدولت وہ سود خوری کی لعنت میں گرفتار رہے جس کے لئے وہ اپنے بیوی بچوں کو بھی رہن رکھ دیا کرتے تھے۔ شہری عرب قمار بازی کے اتنے شوقین تھے

---

[1] لینور ماں ص ۳۱۸

کر اپنی آزادی بھی داؤ پر لگا دیا کرتے تھے۔ سفاکی و بے رحمی، قتل و غارت گری اور قزاقی و رہزنی ان کے موروثی اخلاق بن گئے تھے وہ زندہ اونٹوں کے کوہان کاٹ کر کھا جایا کرتے تھے یہاں تک کہ جانور خون بہہ جانے کی وجہ سے تڑپ تڑپ کر مر جاتے تھے۔ دشمنوں کو نہایت وحشیانہ طریقے سے ہلاک کیا جاتا تھا اور جذبۂ انتقام کو تسکین دینے کے لئے ان کا کلیجہ چبا لیا جاتا تھا۔ ان کے ناک کان کاٹ کر ان کا ہار بنا کر پہنا جاتا تھا اور ان کے کاسۂ سر میں شراب پی جاتی تھی۔

بعض قبیلوں میں یہ قاعدہ تھا کہ جب کوئی شخص مرجاتا تو اس کی قبر پر ایک اونٹنی ذبح کی جاتی یا بے آب و دانہ باندھ دی جاتی تاکہ بھوک اور پیاس کے مارے مرجائے۔ یہ اس عقیدہ کی بنا پر کیا جاتا کہ اونٹنی مرے ہوئے شخص کی آئندہ زندگی میں اس کی سواری کا کام دے گی۔ بعض لوگوں کا یہ عقیدہ تھا کہ روح جسم سے جدا ہو کر ایک پرندے کی شکل اختیار کر لیتی ہے جسے وہ ہامہ یا صدی کہتے تھے اگر مرا ہوا شخص کسی کے ہاتھوں قتل کیا گیا ہوتا تو جب تک قتل کا قصاص نہ لیا جاتا پرندہ مقتول کی قبر کے اوپر اسقونی اسقونی کہتا ہوا منڈلاتا رہتا تھا۔ جنوں اور غولوں پر ایمان اور بتوں کے ذریعے غیب کی اطلاعات حاصل کرنے پر عقیدہ عام تھا۔ بتوں سے تیروں کے ذریعے بشارت لی جاتی تھی۔ جنہیں ازلام اور قداح کہتے تھے۔ مشرکینِ مکہ نے اس غرض کے لئے کعبہ کے اندر ہبل دیوتا کے بت کو مخصوص کر رکھا تھا۔ اس کے استھان میں سات تیر رکھے ہوئے تھے۔ جن پر مختلف الفاظ اور فقرے کندہ تھے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہو یا کھوئی ہوئی چیز کا پتہ پوچھنا ہو یا خون کے مقدمے کا فیصلہ مطلوب ہو غرض کوئی کام بھی ہو اس کے لئے ہبل کے پانسہ دار یعنی صاحب القداح کے پاس پہنچ جاتے۔ اس کا نذرانہ پیش کرتے اور ہبل سے دعا مانگتے کہ ہمارے اس معاملے کا فیصلہ کر دے پھر پانسہ دار تیروں کے ذریعے سے فال نکالتا اور جو تیر بھی فال میں نکل آتا اس پر لکھے ہوئے الفاظ کو ہبل کا فیصلہ سمجھا جاتا۔

شیوعِ اسلام سے قبل عربوں کا مذہب محض ایک ذلیل قسم کی بت پرستی تھی کہ انسانی قربانیاں چڑھا کر اس کو اور بھی ناپاک کر دیا جاتا تھا۔ کعبہ جو قدیم الایام سے قوم عرب کا مقدس ترین معبد رہا ہے اس میں ۳۶۰ بت تھے۔ گویا ہر روز کا ایک بت۔ ان کے وسط میں سب سے بڑا بت ہبل تھا جو سرخ عقیق کا بنا ہوا تھا اور قریش لڑائیوں میں اسی کی جے پکارتے تھے۔ سونے اور چاندی کی دو غزالین کے علاوہ حضرت ابراہیم

علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بت بھی رکھے ہوئے تھے ہر سال قبائلِ عرب اپنے بتوں کی زیارت کے لیے آتے اور سنگِ اسود کو بوسہ دیتے تھے جو روایات کے مطابق جنت کا ایک پتھر تھا اور سات بار سر تا پا برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ تبلیغِ اسلام کے وقت یہاں یہودیوں اور عیسائیوں کی بھی بستیاں پائی جاتی تھیں۔ آلِ حمیر میں بنو کنانہ اور بنو کندہ نے یہودیت اختیار کر لی تھی اور وہ یمن اور عرب کے دوسرے علاقوں میں آباد تھے۔ آلِ اسماعیل میں سے دو قبیلے قریظہ اور نضیر خیبر اور یثرب میں یہودی مذہب کے پیرو تھے اور زمانۂ قدیم سے یہاں آباد تھے۔ یہاں ان کی متعدد درس گاہیں قائم تھیں جن کو بیت المدارس کہتے تھے اور ان میں توریت کی تعلیم دی جاتی تھی۔ نسطوریوں اور یعقوبی عیسائیوں نے بھی بستیاں بسا رکھی تھیں چنانچہ بنو تغلب میں النہرین میں، بنی عبد القیس بحرین میں، بنی حارث نجران میں، بنی عباد عراق میں، آلِ غسان شام میں، بنی تزام دومۃ الجندل میں اور بنی کلب وغیرہ عیسائیت قبول کر چکے تھے۔ بعض قبائل جو فلسطین اور مصر کے ریگزاروں میں بادیہ گردی کرتے پھرتے تھے۔ وہ بھی عیسائی مذہب کے پیرو بن چکے تھے عربوں پر تسلط حاصل کرنے کی خاطر دونوں حریف مذاہب کے مابین سخت کشمکش جزیرہ نما کے سب سے زرخیز صوبوں میں خونریز لڑائیوں کا سبب بنی رہتی تھی۔[1]

مکہ جس بت پرستی کا مرکز تھا اس کی جڑیں جزیرہ نما کے گوشے گوشے میں پھیلی ہوئی تھیں۔ ایک طرف اگر بت پرستی انتہا ذلت تھی تو دوسری طرف ستارہ پرستی کا عروج۔ اس میں یکسانیت نہ تھی۔ بلکہ تقریباً تمام قبائل کے معبود الگ الگ تھے۔ اور طریقۂ عبادت جدا جدا۔ کسی میں تو ہستیٔ ذاتِ الٰہی کا خیال تک نہ تھا تو کوئی تناسخ کی تعداد بھی قائل نہ تھی۔ بہت سے لوگ بدھ مذہب کے فلسفہ سے بھی واقف تھے۔ قریش کے چند گروہ تین چاند دیویوں۔ لات منات اور عزیٰ کو پوجتے تھے اور انہیں بنات اللہ تصور کرتے تھے۔ بنی ہوازن جو مکہ کے جنوب میں دشت نوردی کرتے پھرتے تھے۔ لات دیوی کی پوجا کرتے تھے جس کا بت طائف میں نصب تھا منات کا بت یثرب میں نصب تھا اور اوس اور خزرج وغیرہ اس کی پرستش کرتے تھے۔ کنانہ ستارہ اور ان کے علاوہ عزیٰ دیوی کی پرستش کرتے تھے جو مکہ کے قریب نخلہ کے ایک درخت میں مجسم تصور کی جاتی تھی۔ آلِ مضر ایک نہایت ہی ذلیل قسم کی بت پرستی میں مبتلا تھے۔ جانور، درخت، اونٹ، گھوڑا، غزال، چشمے، کھجور کے درخت اور چٹانیں سب ان کے معبود تھے۔ آتش پرستی و ستارہ پرستی بالخصوص آلِ حمیر میں رائج تھی۔ قبیلۂ حمیر جو یمن میں رہتا تھا۔ آفتاب

---

[1] ابن الاثیر ۱/۳۰۸ ؛ گبن ۶/۱۵-۱۱۴

پرست تھا قبیلہ تمیم ستارہ دبران کی عبادت کرتا تھا، قیس شعریٰ کی، بنی اسد عطارد کی، قبیلہ طے سہیل کی۔ اور لخم وجذام مشتری کی پرستش کرتے تھے[۱]۔ سب سے زیادہ زحل کی عبادت کی جاتی تھی۔ عربوں میں زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی کہ جو اپنے بتوں کو انسان اور ذاتِ الٰہی کے درمیان ایک وسیلہ سمجھتے تھے اس لیے لوگ ان کے نام پر مندر بنا کر ان سے طلبِ شفاعت کرتے تھے اجرامِ فلکی کی بھی یہی حیثیت تھی ان سے بذریعہ ذاتِ الٰہی سے تشفع و توسل کیا جاتا تھا۔ حیاتِ انسانی کی چھوٹی اور بڑی باتوں کو ان کے بالواسطہ اختیارات پر محمول کیا جاتا تھا۔ مصیبت ان ہی کے ڈالے پڑتی تھی۔ مدد ان ہی کے پھیرے پھرتے تھے۔ عجیب وغریب مناظرِ قدرت ان ہی کے ظاہر کئے ہوتے تھے۔ وہ اس واہمہ میں مبتلا تھے کہ اس دنیا میں ایسی مخلوقات بھی ہیں جو ہماری نظروں سے پوشیدہ ہیں اور اجرامِ فلکی کے اثرات سے آدمی کو خوش بختی اور بدقسمتی ملتی ہے۔ ہر قبیلہ کے جدا بت خانے ہوتے تھے اور ان پر قیمتی چڑھاوے چڑھائے جاتے تھے۔ ان بتوں کی پرستش میں زیادہ تر لنگ پوجا کی رسومات پر عمل کیا جاتا تھا جو قدیم سامیوں، فینیقیوں اور بابلیوں کی پوجا سے بڑی مشابہت رکھتی تھیں۔ مختلف بت خانوں کے پرستاروں کے درمیان اکثر خونریز چپقلش ہوتی رہتی تھیں۔ کعبہ میں جو خاص خاص بت نصب تھے ان کے علاوہ ہر خاندان کا ایک علیحدہ بت تھا جس کی عبادت کی رسوم سخت پابندی سے ادا کی جاتی تھیں۔ لیکن قومی صنم کدہ یعنی کعبہ تمام عرب کی نظروں میں سب سے زیادہ باعظمت سمجھا جاتا تھا۔ یہودی اور ستارہ پرست بھی اس پر نذریں چڑھاتے تھے[۲]۔ ایسے لوگوں کی تعداد بہت ہی قلیل تھی جو ایک خدائے بزرگ و برتر کے تصور سے آشنا تھے لیکن یہ لوگ ایک ایسے فلسفیانہ تشکک میں مبتلا تھے جس میں ان کے ہمسایوں یعنی ستارہ پرستوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے قصے کہانیوں کے رنگ بھرے ہوئے تھے۔ یہ لوگ اپنے زمانے کی فحاشیوں اور مادہ پرستی سے متنفر تھے اور کسی نجات دہندہ کے منتظر تھے جس کی جلد آمد کا انہیں یقین تھا۔

یہ تھی عربوں کی اخلاقی پستی و مذہبی خستہ حالی نہ تو یہودیت اور نہ عیسائیت ان میں انسانی خوبیاں پیدا کرنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ ولیم میور لکھتا ہے "اگرچہ عیسائیت کی تبلیغ پانچ صدیوں سے ہو رہی تھی۔ تاہم عیسائیوں کے صرف اِکا دُکا گروہ کہیں کہیں دکھائی دیتے تھے یعنی بنی حارث نجران میں، بنی حنیفہ یمامہ میں، بنی

۱۔ طبقات الامم صفحہ ۳۰[؟] ۲۔ تمدنِ اسلام ۹۵

کے چند خاندان تھا ہی اور بس۔ یہودیت نے بھی جو عیسائیت سے کہیں زیادہ طاقتور تھی۔ زور نما اس کے تحت وقتاً فوقتاً لوگوں کو اپنے دائرے میں داخل کرنے کی غیر مستقل سی کوششیں کی تھیں لیکن اب اس کی تبلیغی سرگرمیاں ختم ہو چکی تھیں۔ مختصر یہ کہ اگر اس وقت کے مذہبی منظر کا جائزہ لیا جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ عیسائیت کی ضعیف کوششوں نے عرب زندگی کے سمندر کی سطح پر صرف خفیف سے ہلکورے پیدا کئے تھے یہودیت کے نسبتاً زیادہ قوی اثرات ایک زیادہ گہرے اور زیادہ ہیجانی دھارے کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں لیکن مقامی بت پرستی اور اسمٰعیلی توہم پرستی کا سیلاب جو ہر سمت سے اٹھ کر لگاتار امنڈتا ہوا کعبہ کی طرف رواں دواں رہتا تھا اس امر کی وافر شہادت بہم پہنچاتا ہے کہ مکہ کے مذہب اور طریق عبادات نے نفس عرب کو مضبوطی سے اور حتمی طور پر اپنی غلامی کے شکنجہ میں جکڑ رکھا تھا"

بہرحال صدیوں کی جہالت و گمراہی کی تاریکی کے دور ہونے کا وقت اب آ گیا تھا۔ دفعتہً اہلِ عرب نے ایک نیا صفحہ بدلا۔ اپنی عزلت نشینی کو چھوڑ کر وہ دنیا کے اسٹیج پر نکل آئے۔ اور ملک گیری اور جہانداری کے وہ جوہر دکھلائے کہ ان خصائص میں وہ تمام اقوام ماسبق سے گوئے سبقت لے گئے اس کی حالت میں اس عجیب و غریب انقلاب کے بانی رسولِ عربی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے جن کی حرا لیسانی نے بجلی کے کڑکے کی مانند سارے سرزمینِ عرب کو ہلا ڈالا اور آنِ واحد میں عرب ملک کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔ ساتویں صدی عیسوی کے آغاز میں آپ نے مبعوث ہوتے ہی دینِ اسلام کی تبلیغ شروع کر دی اور بت پرستوں کو وحدانیت کا درس دیا۔ اہلِ مکہ نے دین کی شدید مخالفت شروع کر دی اور آپ کو نیز ان لوگوں کو جنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا اذیتیں پہنچانے اور اشاعتِ اسلام میں طرح طرح کی مزاحمتیں پیدا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی لیکن کفار کی کوئی مزاحمت، دھمکی یا لالچ آپ کو پیغامِ حق کی تبلیغ سے باز نہ رکھ سکی۔ اسی زمانے میں یثرب کے بعض قبائل نے بھی جو مکہ آئے ہوئے تھے اسلام قبول کر لیا اور واپسی کے وقت آپ کو اپنے شہر آنے کی دعوت دی اور ہر طرح سے آپ کی حفاظت کا عہد و پیمان باندھا چنانچہ جب کفارِ مکہ نے آپ کے قتل کا منصوبہ بنایا تو آپ اپنے رفیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ یثرب ہجرت کر گئے۔ آپ کی تشریف آوری کے بعد اس شہر کا نام مدینۃ النبی رکھا گیا۔ اب اسلام محض چند مذہبی عقائد و رسومات کے مجموعے تک محدود نہ رہ گیا بلکہ اس نے سیاسی حیثیت بھی اختیار کر لی اور یہاں ایک اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا جس کے سربراہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔ مدینہ میں اسلام کو پھلنے پھولنے کا سازگار ماحول مل گیا۔ کفارِ قریش نے اسلام کو مٹانے کے لئے کئی بار متواتر حملے آور ہوئے لیکن ہر بار ان کو

ذلت و خواری کے ساتھ پسپا ہونا پڑا۔ اس وقت تک قبائل کی ایک بڑی تعداد مشرف باسلام ہو چکی تھی چنانچہ ۸ھ میں آں حضرت صلعم مسلمانوں کی دس ہزار جمعیت کے ساتھ اچانک اہل مکہ کے سر پر جا پہنچے جس سے ان پر خوف و ہراس طاری ہو گیا اور ان کی ساری قوت مدافعت سلب ہو کر رہ گئی۔ رحمۃ للعالمین نے کہلا بھیجا کہ جو شخص اپنے گھر میں بیٹھ کر دروازہ بند کر لیگا یا ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو گا اس کو امان ہو گی۔ ابو سفیان کو اس اعزاز کے بخشنے کی وجہ یہ تھی کہ آں حضرت صلعم کی مکی زندگی میں جب شہر کے اوباش آپ کا مذاق اڑاتے یا بازاری لڑکے تنگ کرتے تو آپ ابو سفیان کے مکان میں چلے جایا کرتے تھے اور ابو سفیان میں اتنی جرأت اور شائستگی تھی کہ وہ اپنے مہمان کی مدافعت کیا کرتا تھا۔ معافی کے اس اعلان کے بعد آپ بڑی جمعیت کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے اور کعبہ کو صدیوں کی کافرانہ مراسم سے پاک کیا۔ فتح مکہ کے دو سال کے اندر تمام قبائل عرب حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور پورا ملک آپ کے زیر نگیں آ گیا۔ وہ عرب جو کل تک مخالف قبیلوں اور فرقوں کا ایک مجموعہ تھے جو ہمیشہ تہور، مہمان نوازی و نیز شجاعت کے وحشیانہ صفات میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ جانے کی کوشش کرتے تھے، دولت کے پیچھے پڑے رہتے تھے۔ سرور کونین نے ان کو محض دس سال کی قلیل مدت میں ایک ملت اسلام میں تبدیل کر دیا۔ ۱۰ھ میں آپ نے فریضہ حج ادا کیا جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ اب دین مکمل ہو چکا تھا اس موقع پر آپ نے ایک لاکھ بیس ہزار حجاج کو مخاطب کر کے جو یادگار خطبہ دیا وہ نہ صرف آپ کی تعلیمات کا نچوڑ ہے بلکہ دنیا میں حقوق انسانی کا پہلا منشور بھی ہے اس میں زمانہ کفر کی تمام رسومات باطل قرار دے دی گئیں۔ رنگ و نسل کے امتیازات اور آقا و غلام کی تفریق مٹا دی گئی۔ آپ ۱۱ھ میں بعمر تریسٹھ سال معبود حقیقی سے جا ملے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ کی حیثیت سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ اس وقت شیعی ذہنیت پیدا ہو گئی جو اس منصب کا حقدار حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو سمجھتی تھی۔ لیکن اس وقت اس کی حیثیت ایک فطری عقیدے کی سی تھی۔ خلیفہ نے مشکل ہی سے زمام حکومت سنبھالی تھی کہ ملک میں ایک زبردست فتنہ کھڑا ہو گیا جس سے اس نوزائیدہ دین کی آئندہ زندگی بڑے صریح خطرہ میں پڑ گئی۔ عربوں نے اپنی دلیری اور شجاعت کی وجہ سے کبھی کسی کی باجگزاری کی ذلت نہیں اٹھائی تھی۔ اگرچہ انہوں نے اسلام قبول کیا تھا لیکن وہ ابھی اس کی اصل روح سے ناواقف تھے۔ چنانچہ انہوں نے ادائیگی زکوٰۃ پر

باغیوں پر یہ جملہ کہ اس خیال کے پیدا ہوتے ہی چند قبائل کو چھوڑ کر باقی ملک میں ارتداد کی عظیم لہر دوڑ گئی۔ اس ملک میں بہت سے مدعیان نبوت بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ باغیوں نے ان دعویداران نبوت کا خیر مقدم کیا اور یہ سب مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لئے شمشیر بکف ہو گئے لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی مستقل مزاجی و پامردی سے اس فتنے کا سد باب کر دیا۔ باغیوں کا استیصال کر دیا گیا۔ اور اجتماعاً کا ذبین میں سے بعض قتل کر دیئے گئے اور بعضوں نے جلاوطنی اختیار کی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس امر کا اندازہ کر کے کہ عربوں کی آتش مزاجی اور خانہ جنگی کہیں ملک کو کسی اور آفت میں مبتلا نہ کر دے۔ ان کا رخ اشاعتِ اسلام کی جانب موڑ دیا۔

جس حکمتِ عملی کی داغ بیل جناب صدیقِ اکبرؓ ڈال گئے تھے اس کو خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی قابلیت سپاہیانہ اور مدبرانہ نظام نے پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا۔ ان کے عہد میں اسلامی لشکر نے اردگرد کے ملکوں میں پھیل کر حیرت زدہ اقوام کو اس سرعت و مستعدی سے مطیع کرنا شروع کر دیا کہ اس کا سیلاب کسی کے روکے نہ رکتا تھا۔ ایران کی ساسانی سلطنت اور ملک شام کی بزنطینی سلطنت اپنے لامحدود جنگی وسائل اور نہایت تجربے کار افواج کے بے سروسامان مگر شوقِ شہادت سے سرشار مجاہدینِ اسلام کی تلواروں کی تاب نہ لا سکیں اور چند ہی بڑی بڑی لڑائیوں کے بعد دونوں سلطنتیں اپنے سرنگوں ہوئیں کہ پھر اٹھ نہ سکیں اور اسلام کا ان پر قبضہ ہو گیا۔ اگرچہ ملک مصر کچھ دیر تک جم کر لڑا لیکن اور اقوام کی طرح وہاں بھی اسلام کا قدم بوس ہو گیا اور اسکندریہ و مصر کے برجوں پر اسلامی پرچم لہرانے لگا۔[۱]

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی دور اندیشی سے جو قواعد مقرر کئے ان کو اسلام کی آئندہ عظمت و شان کا بنیادی پتھر سمجھنا چاہیئے۔ ان قواعد کی رو سے وہ تمام غنیمت جو فتوحات سے حاصل ہوتی تھیں بیت المال میں داخل کی گئیں اور قوم کے ہر فرد و بشر کو اعلیٰ قدر مراتب حکومت کی جانب سے وظائف دیئے جاتے تھے۔ فہرست وظائف خواروں میں عورتیں، بچے، غلام، سپاہی اور افسرانِ فوج سب ہی شامل تھے۔ مفتوحہ اراضیات پر پہلے مالکوں کاشت کاروں کا بدستور قبضہ رہنے دیا گیا۔ کوئی عرب یہاں تک

۱۔ بلاذری $\frac{1}{۳۷۴ \text{ تا } ۸۰}$

کہ نائب خلیفہ یعنی صوبوں کے گورنر اور دوسرے حکام شہر بڑے اختیارات رکھنے کے باوجود مفتوحہ ممالک میں ایک گز زمین بھی اپنے لئے نہ خرید سکتے تھے عربوں کی دائمی سکونت ملک عرب ہی میں قرار پائی بیرونِ ملک جہاں بھی وہ ہوتے ان کی سکونت محض عارضی ہوتی اور وہ بلا کسی پیشگی اطلاع کے کفار کے مقابلہ کے لئے میدانِ جنگ میں ہر وقت طلب کئے جا سکتے تھے عربوں میں مرکزیت اور قومی وحدت پیدا کرنے کی غرض سے ان کو تاکید کی گئی کہ وہ اپنے تعلقات مناکحت صرف اہلِ عرب تک ہی محدود رکھیں حضرت عمر فاروقؓ کا ہمہ گیر اور سخت قانون نہ صرف قانون دیوانی و فوجداری ہی پر حاوی تھا۔ بلکہ خزانہ۔ صف بندی فوج۔ تنازعات۔ مردم شماری، انتظام ماند و بود۔ اور مذہب سب کو منسلک کئے ہوئے تھا۔ آپ ہی کے حکم سے سالِ ہجری قرار پایا گیا۔ اسی عہد میں خلیفہ کے لئے امیر المومنین کا لقب تجویز ہوا اور سب سے پہلے آپ ہی نے اس لقب کو اختیار فرمایا۔ آپ کی جبلی انصاف پسندی نے انسداد شراب کے لئے جو حدود مقرر کیں ان سے امیر بچ سکتا تھا نہ غریب۔ یہودیوں اور عیسائیوں کو اپنے رواج و مراسم ادا کرنے میں کامل آزادی حاصل تھی۔ آپ کے دورِ خلافت کو ابھی محض دس سال گذرے تھے کہ فیروز نامی ایک پارسی نے خنجر سے آپ کو ایسا زخمی کیا کہ آپ اس سے جانبر نہ ہو سکے۔ آپ کی شہادت گویا انتقال، سازش اور خانہ جنگی کے لئے ایک بہانہ ہو گیا جو مدتوں سے رشک و حسد یا کسی آرزو کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں پوشیدہ تھی۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد ہی وہ کھٹ پٹ شروع ہو گئی۔ جس کو آپ کے جانشین فرو نہ کر سکے۔ امیر المومنین کی شہادت سے اسلام کو جو صدمہ پہنچا اس کا اندازہ سید امیر علی کے ان الفاظ سے کیا جا سکتا ہے کہ "اگر حضرت عمرؓ کی زندگی کی مدت کچھ اور طویل ہوتی تو ان کی غیر معمولی سیاسی صلاحیت اور بلند پایہ شخصیت عربوں میں وحدتِ قومی کا زبردست احساس پیدا کر دیتی اور وہ ان خانہ جنگیوں میں ایک وسیع خلیج بن کر حائل ہو جاتے۔ جنھوں نے اسلام کی بنیادیں ہلا دی تھیں"۔[1]

خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ بنی امیہ سے تھے۔ ان کے انتخاب سے شیعی ذہنیت نقطۂ کمال تک پہنچ گئی اور بنی ہاشم اور بنی امیہ کے دلوں میں گرہ پڑ گئی۔ اور ان میں ان لڑائیوں کا آغاز ہو گیا جن کا سلسلہ ایک

---

[1] مقدمہ ۲۵۸

صدی پورا کر ختم ہوا۔ امیر المومنین عثمانؓ نے بھی حضرت عمرؓ کی سیاسی پالیسی اختیار کی۔ آپ کے عہد میں بھی
سیلابِ فتوحات جو برسوں متواتر جاری رہا اور ممالکِ مفتوحہ کی مالِ غنیمت کی جو بہتات مدینے کے کوچہ
و بازار میں دیکھنے میں آتی رہی اس کو آسانی سے بھلایا نہیں جا سکتا۔ دائرۂ خلافت اتنا وسیع کر دیا گیا کہ وسطِ
ایشیا بخارا سے لے کر شمالی افریقہ میں صحرائے لیبیا تک دشت و جبل مؤذن کی صدائے اللہ اکبر سے گونجنے
لگے۔ آپ کے آخری دورِ حکومت میں ضعیفی کی وجہ سے آپ کا اقتدار کم ہو گیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت
کا شیرازہ بکھر گیا۔ اور ان میں گروہ بندیاں شروع ہو گئیں۔ آپ کے خلاف بصرہ کوفہ اور مصر میں
ریشہ دوانیاں شروع ہو گئیں جنہوں نے بہت جلد کھلم کھلا بغاوت کی شکل اختیار کر لی۔ آپ کی نرم مزاجی نے معاملات
کے بگاڑنے میں مدد کی۔ آخر کار ملک میں ایسا زبردست فتنہ اٹھا جس نے انہیں شہید کر کے
دم لیا۔

حضرت عثمانؓ کے بعد اربابِ حل و عقد کے مشورے سے امیر المومنین علیؓ مسند آرائے خلافت ہوئے
آپ نے دار الخلافہ مدینے سے کوفہ منتقل کر دیا جس کی غالباً وجہ یہ تھی کہ وہاں آپ کے ہوا خواہوں کی اکثریت
تھی۔ نظامِ خلافت درست نہ ہونے پایا تھا کہ اس غیر متوقع واقعۂ شہادتِ خلیفۂ مظلوم نے لپیٹ کر جنگِ جمل
کے سانچے میں ڈھال لیا۔ طلحہؓ، زبیرؓ اور ام المومنین عائشہؓ ایک فریق ہوئے اور امیر المومنین علیؓ دوسرے
فریق ہوئے۔ لگانے بجھانے والوں اور قاتلینِ عثمانؓ نے دونوں فریق کو لڑا کے اپنے کو قصاصِ خونِ خلیفہ
مقتول سے بچا لیا۔ اس جنگ میں فریقِ اول کو شکست ہوئی۔ امیر المومنین علیؓ نے ام المومنین
عائشہؓ کو عزت و احترام میدان سے واپس کیا اور خود کوفہ میں پہنچ کر نظم و نسق میں مصروف ہوئے اور
امیر المومنین عثمانؓ کے گورنروں کو معزولی کے احکامات صادر کر دیئے۔ خلیفۂ شہید کے خون کے قصاص کا
مطالبہ کرنے والوں کے دل بھرے ہوئے تو پہلے ہی سے تھے۔ امیر المومنین علیؓ کے عزل و نصب نے آگ پر تیل
کا کام کیا اور جنگِ صفین کی بنیاد پڑ گئی جس میں ایک فریق امیر معاویہؓ تھے جو امیر المومنین عثمانؓ کے رشتہ دار
تھے۔ اور عہدِ فاروقی سے شام کے گورنر چلے آتے تھے اور دوسرے فریق خود امیر المومنین علیؓ۔ دونوں
فریقوں کی قوت اس جنگ کی نذر ہو گئی۔ آخر الامر تنازعہ کا فیصلہ پنچوں پر چھوڑ دیا گیا۔ امیر المومنین کی
جانب سے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کی طرف سے حضرت عمرو بن العاصؓ حکم مقرر ہوئے۔
اور فی الوقت یہ طے پایا کہ عرب اور عراق کی زمامِ حکومت امیر المومنین علیؓ کے قبضۂ اقتدار میں رہے اور شام

پر امیر معاویہؓ حکمراں رہیں لیکن امیرالمومنین کی فوج کے ایک حصہ نے دین کے معاملہ میں کتاب اللہ کے علاوہ کسی اور کی تحکیم کو گناہ تصور کر کے اس کو ماننے سے انکار کر دیا چنانچہ انہوں نے اپنے کو ان کی جماعت سے خارج کر لیا اور اس طرح وہ خارجی فرقے کے بانی ہوئے۔ ان واقعات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آخری دورِ خلافتِ راشدہ میں مسلمانوں کی متحدہ قوت دو قوتوں میں بٹ جانے سے اسلام کو کس قدر نقصان پہنچا ہوگا اور وہ قوت جو اسلام کو خلافت کے دورِ سابقہ میں حاصل تھی، کہاں تک زائل ہوئی ہوگی۔ اس واقعے کے بعد امیر المومنین کو خوارج کی بغاوت فرو کرنے کی غرض سے جنگ نہروان میں مصروف ہونا پڑا جو جنگِ صفین کا ایک منطقی نتیجہ تھی۔ اُدھر شام کے ایک مقام دومتہ الجندل میں پنچوں نے اپنے فیصلے کا اعلان کر دیا۔ جس کی رو سے امیرالمومنین کو حکومت سے معزول کر دیا گیا۔ اور امیر معاویہؓ کو برقرار رکھا گیا۔ اس سے دونوں فریق میں دوبارہ جنگ قائم ہو گئی۔ جس میں امیرالمومنین کے گورنروں کو شکست ہوئی اور حجاز، یمن، فلسطین اور مصر پر امیر معاویہ کی حکومت قائم ہو گئی۔ ان بغاوتوں اور لڑائیوں سے خلافت کی رہی سہی قوت بھی جاتی رہی اور امیرالمومنین کو دائرۂ فتوحات وسیع کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ لڑائیوں کا سلسلہ ابھی جاری تھا کہ آپ کو عبدالرحمٰن ابن ملجم نامی ایک خارجی نے اس وقت شہید کر دیا جبکہ آپ جامع کوفہ میں مشغولِ نماز تھے۔ آپ کی شہادت کے ساتھ ہی اب خلافتِ راشدہ کا دور بھی ختم ہو گیا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں مختلف فرقوں کے نظریاتِ خلافت پر کچھ روشنی ڈال دیں جو آئندہ سیاست پر اثر انداز ہونے والے تھے۔ شیعہ حلقہ خلافت کو اہل بیت تک محدود رکھتے تھے اور وہ بھی صرف حضرت علی اور ان کی فاطمی اولاد میں۔ اس لئے ان کے یہاں خلیفہ کے انتخاب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان کا عقیدہ ہے کہ آں حضرت صلعم خلافت کے لئے علیؓ کی نامزدگی فرما چکے تھے اور اس کا ثبوت وہ ان چند احادیث سے دیتے ہیں جن کی وہ خود ہی روایت کرتے ہیں اور اپنے مذہب کے موافق ان کی ترجمانی کر لیتے ہیں۔ اس لئے وہ شیخین اور خلفاء بنی امیہ و بنی عباس کو غاصب تصور کرتے ہیں ان کے نزدیک خاندان

علیؓ کے افراد کو قرآن و حدیث کے سمجھنے اور اس کی صحیح تفسیر کرنے میں خداوند تعالیٰ کی طرف سے ایک خاص بصیرت حاصل ہوتی ہے جو ایک امام یا امیر کے لئے ناگزیر ہے۔ اسی لئے وہ خلیفہ کو امام کے لقب سے خطاب کرتے اور اس کو اپنا پیشوا سمجھتے ہیں۔ سنّی یا معتدل گروہ خلیفہ کے لئے قریشی النسب ہونا ضروری خیال کرتا ہے۔ ابن خلدون بھی اسی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے یہ دلیل دیتا ہے کہ چونکہ قبائل عرب میں قریش عصبیت کے لحاظ سے ممتاز ترین تھے وہ مرکزیت قائم رکھنے اور ظالم سے مظلوم کا حق دلانے کی صلاحیت و طاقت رکھتے تھے۔ یہ بات کسی دوسرے قبیلہ کو حاصل نہ تھی[1]۔

شیعان علی کے عقائد اگر ایک سخت حکومت پر منتج ہوتے تھے تو خوارج کے عقائد ایک جمہوری حکومت پیدا کرنا چاہتے تھے۔ اگرچہ دونوں گروہ ایک ہی مقام سے چلے آتے تھے لیکن تحکیم کے بعد دونوں کے نظریے بالکل ایک دوسرے سے جدا اور مختلف ہوگئے۔ انھوں نے نہ صرف حضرت علیؓ بلکہ طلحہؓ، زبیرؓ عائشہؓ جیسی کہ وہ معتدل گروہ کا بانی سمجھتے تھے۔ فاسق، مرتکب گناہ اور دنیا طلب ہونے کا الزام دھرا۔ انھوں نے بنی امیہ کو بھی ان ہی لوگوں کی طرح منکرین مشہور کردیا۔ چنانچہ تحکیم کے وقت انھوں نے نعرہ لگایا کہ ایسے لوگوں سے اپنے کو علیحدہ کرلیں جو دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنانا چاہتے ہوں۔ ان کے خیال میں کبائر تک جہنم میں رکھے جائیں گے[2]۔ ابتدا میں ان کا نظریہ تھا کہ ہر آزاد عربی النسل منصب خلافت پر فائز ہوسکتا ہے لیکن جب عجمی مسلمان کثرت سے ان کی جماعت میں داخل ہونے لگے تو انہوں نے اپنے نظریہ میں ترمیم کرکے اس کی بنیاد عالمگیر اخوت و جمہوریت کے اصول پر رکھی۔ اور صاف کہہ دیا کہ ہر بلند سیرت مسلمان خلیفہ ہونے کا استحقاق رکھتا ہے الماوردی بھی منصب خلافت کے لئے نسلی امتیازات کو بے معنی سمجھتا ہے[3]۔ گو سیاسی اعتبار سے خوارج جمہوریت پسند تھے لیکن اپنے بعض عقائد کی وجہ سے یہ لوگ بھی شیعوں کی طرح سے انتہا پسند تھے وہ حق حکومت بجانب اللہ کے قائل تھے ان کا عقیدہ تھا کہ ایمان بغیر عمل نیک کے ایک بے جان جسم ہے وہ ہر گناہ کو گناہ کبیرہ اور گناہگار کو منکر و دوزخی سمجھتے تھے۔ خلیفہ کی معزولی کو حتی الامکان وہ جائز نہیں سمجھتے۔ لیکن اگر خلیفہ جور و استبداد کا مرتکب ہو تو وہ نہ صرف اس کی معزولی بلکہ مصلحت وقت کے لحاظ سے اس کے قتل کو بھی جائز سمجھتے ہیں[4]۔ ان کا مسلک ہے کہ خلیفہ کی ضرورت محض بدکاروں کی اصلاح کے لئے ہوا کرتی ہے جو کہ سچے مومنوں کے اعمال

---

[1] مقدمہ ص ۲۴۴ [2] ابن حزم ج ۵ [3] احکام السلطانیہ ص ۱۲ [4] مسعودی ج ۳۔

ہمیشہ نیک ہوا کرتے ہیں اس لئے ان کو خلیفہ کی ضرورت ہی نہیں۔ حکومت کی مشینری کو چلانے کے لئے ایک مجلس شوریٰ کافی ہے۔ خوارج کی اخلاقی زندگی میں سخت پابندیاں تھیں وہ بڑے راست باز اور جانباز ہوتے تھے۔ ان کی فصاحت بلاغت سے لوگ متاثر ہوتے تھے۔ نہایت ہولناک آزمائشوں میں رہتے۔ قول سے [illegible] اور ضربِ شمشیر کو پوری ہمت سے اپنی گردن پر لیتے۔ کچھ زمانہ بعد یہ متعدد فرقوں میں بٹ گئے۔ جو لوگ اہواز میں آباد ہوئے وہ نافع بن ارزق سے منسوب ہوکر ازارقہ کہلاتے ہیں۔ ازارقہ نے عرب کے تمام گروہوں سے جو ان کے ہم عقیدہ نہ تھے، علیحدگی اختیار کرلی۔ ان کے ہاتھ کے ذبیحہ اور ان کے ساتھ شادی بیاہ کو حرام سمجھا۔ علاوہ اس کے انہوں نے دوسرے گروہ کے مسلمانوں کو کافر یا گنہگار اور ان کے قتل کو جائز سمجھا۔ خواہ مرد ہو یا عورت یا بچہ[1]۔ جب بنی امیہ مسند سلطنت کے سیاہ و سفید کے مالک ہوئے تو انہیں قدرتی طور پر ایسے گروہ سے خطرہ پیدا ہوا جو عام خلائق سے ہر قسم کی تمیز و تفریق مٹا کر سب کو ایک سطح پر لانا چاہتا ہو۔ چنانچہ خلفاء بنی امیہ کچھ تو اپنے خاندانی اغراض و مقاصد اور کچھ ان لوگوں کے حد سے گزرے ہوئے خیالات کی وجہ سے اس فرقے کو مٹانے کے درپے ہوگئے۔ لیکن انہوں نے بھی ان کا نعرۂ الحکم للہ کے لئے اپنی مٹھی بھر جماعت سے وہ جانبازی دکھلائی کہ حکومت دمشق میں لرزہ پیدا ہوگیا۔ اور جب وہ مغلوب ہوگئے تو بھاگ کر اہواز، بحرین اور شمالی افریقہ کے دور دراز مقامات پر نکل گئے اور وہاں اپنے عقائد کی نشر و اشاعت کرنے لگے۔

حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد لوگوں نے آپ کے بیٹے حسنؓ کے ہاتھ پر خلافت و امامت کی بیعت کی۔ یہ بھی ایک صورت اجماع اور شوریٰ کی تھی۔ حسنؓ نے سریرِ خلافت پر متمکن ہوتے ہی اس امر کا احساس کرکے کہ ممالک اسلامیہ میں دو حکومتوں کے قائم رہنے سے اسلام کو بجائے فائدے کے نقصان پہنچے گا، نہایت دانائی اور انجام بینی سے حکومت امیر معاویہ کے سپرد کردی اور آپ مدینہ منورہ میں جاکے عزلت گزیں ہوگئے۔ اسی وجہ سے شیعانِ علیؓ نے ہمیشہ کے لئے ان کے خاندان کو منصب امامت سے محروم کردیا۔ امیر معاویہؓ اس عام الجماعت کے بعد کل ممالک اسلامیہ پر بلا کسی شریک اور سہیم کے حکمرانی کرنے لگے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ لوگوں نے نبوت اور فیوض و برکات صحبتِ رسالت مآب کو

۱؎ شہرستانی ص ۲۱۰ ابن حزم ص ۲۰۲

جلا دیا تھا۔ قومی حمیت، عصبیت اور جانبداری کے مرض میں مبتلا ہو گئے تھے۔ امیر معاویہؓ نے تخت نشین ہو کر دمشق کو پایۂ تخت قرار دے دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ شام میں قبیلہ یمانیہ آباد تھے جن میں وہ بہت مقبول تھے۔ اور ان کو یمانی لوگوں کی شجاعت و وفاداری پر کامل بھروسہ تھا۔ بنی امیہ کی تخت نشینی سے نہایت اہم بنیادی تبدیلی یہ واقع ہوئی کہ خلافت کا [مابعد?] نظام بڑی حد تک قیصر و کسریٰ کے نظامِ حکومت کے سانچے میں ڈھل گیا[1] اور مذہب کے مقابلے میں مصالحِ ملکی کو ملحوظ رکھا جانے لگا۔

امیر معاویہؓ بیس سال کامیابی سے حکومت کرنے کے بعد انتقال کر گئے۔ اور اپنی وفات سے قبل اپنے بیٹے یزید کو اپنے تخت کا وارث بنا گئے۔ اسلام میں یہ پہلی نظیر تھی جس سے جمہوری و انتخابی حکومت رخصت ہوتی ہے۔ اور شخصی حکومت اس کی جگہ لے لیتی ہے ورنہ اس سے قبل منصبِ خلافت انتخاب اور اجماعِ اہلِ شوریٰ کے ذریعے دیا جاتا تھا۔ اگرچہ امیر معاویہؓ خود بھی انتخاباً و اجماعاً خلیفہ نہیں بنائے گئے تھے مگر انہوں نے بہ تقاضائے فطرت و جبلت جبکہ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا ہو چلا تھا بوجہ عصبیت اپنی قوم اور نیز کل عرب اور کل مسلمانوں کو اپنی طرف مائل کر لیا۔ جیسا ہر بادشاہ اپنی قوم کو بوجہ عصبیت اپنی جانب مائل کر لیتا ہے جن بزرگوں نے امیر معاویہؓ کے غیر جمہوری طریقے کی مخالفت کی کہ یزید سے بیعت نہ کی ان میں نمایاں ذکر حضرت حسینؓ بن علیؓ اور حضرت عبداللہ ابن زبیرؓ ہیں۔ جنہوں نے تاریخی شہرت حاصل کی۔

اب تک جس قدر لڑائیاں ہوئیں وہ شخصی اور محدود تھیں اور ان کا اثر اسی وقت تک رہا جب تک کہ وہ قائم رہیں۔ لیکن یزید کے زمانے میں جو واقعہ پیش آیا اس نے اسلام کی آئندہ تاریخ پر دائمی نقوش چھوڑے۔ اہلِ کوفہ نے جو اپنے کو شیعانِ علیؓ سے تعبیر کرتے تھے خطوط لکھ کر حضرت حسینؓ بن علیؓ کو بلا بھیجا تاکہ ان کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ اہلِ کوفہ عہد و پیمان تو باندھتے تھے لیکن اس پر قائم رہنے کے جذبے سے یکسر عاری تھے۔ چنانچہ جب حضرت حسینؓ اپنے مختصر قافلے کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو کر کوفہ کے قریب پہنچے تو کوفہ والوں نے جو پسرانِ مسلم کے ہاتھوں پر حضرت حسینؓ کی بیعت کر چکے تھے۔ [یعنی مظلوم امام?] سے بے وفائی کی اور ان کو لشکرِ شام کے حوالے کر کے خود تماشائے جنگ دیکھتے رہ گئے۔ اس کے بعد کربلا کا المناک واقعہ پیش آیا۔ ابن خلدون کے الفاظ میں[2] شام والے شاہی ملازم تھے اور ان کا

---

[1] آرنلڈ ۲۴ — ۲۵

مذہب میرے نزدیک نہ شیعہ تھا نہ سنی بلکہ وہ حکومت کا مذہب رکھتے تھے۔ حکومت کا مذہب کیا تھا
مصالح ملکی، انتظام سلطنت اور حکمرانی۔ شہادت کربلا نے شیعوں کے نظری عقیدۂ خلافت میں عملی روح پھونک
دی اور صحیح معنوں میں ان کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔ اس واقعے کے بعد حرّہ اور حرم کی بے حرمتی کے لرزہ خیز
واقعات پیش آئے۔ بعد ازاں یزید نے وفات پائی۔ اور اس کا بیٹا تخت نشین ہوا لیکن وہ تقریباً چالیس
یوم بعد حکومت سے کنارہ کش ہوگیا۔ اہل حجاز، یمن، عراق اور خراسان نے عبداللہ ابن زبیرؓ کی خلافت و امارت کی
بیعت کرلی۔ اس کے علاوہ ان کو شام میں بھی مضریوں کے قبیلہ قیس کے طاقتور سردار ضحاک کی بھی حمایت
حاصل ہوگئی۔ ملک شام والے تقرر امیر میں پس و پیش کر رہے تھے۔ اس وقت یکایک بنو امیہ سے مروان
بن الحکم جو ایک مدت سے ایسے مواقع کا منتظر تھا۔ حکومت و سلطنت کا خواہش مند تھا، اُفقِ سیاست پر
نمودار ہوا۔ وہ بحکمتِ عملی اہل شام کو اپنی طرف مائل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ وہ یمانیوں سے اپنا لشکر
مرتب کر کے ضحاک کے مقابلے کے لئے دمشق سے نکلا۔ ماہِ ذوالحجہ ۶۴ھ میں دمشق کے قریب مرجِ راہط
کے مقام پر دونوں فریق صف آرا ہوئے۔ سخت خونریزی کے بعد ضحاک نے شکست کھائی اور مع اپنی جمعیت
کثیر کے مارا گیا۔ ضحاک کی شکست نے پورا شام مروان کے ہاتھوں میں دے دیا اور اس کے بعد ہی مصر میں
بھی اس کی حکومت قائم ہوگئی۔ بنو امیہ کی تاریخ میں مرجِ راہط کی جنگ بڑی اہمیت کی حامل ہے اگر ایک طرف
اس نے بنو امیہ کی حکومت کو دوبارہ قائم کر دیا تو دوسری طرف ان کی سلطنت کی بنیادوں کو بھی ہلا ڈالا۔
کچھ زمانہ گزرنے پر وہ سیاسی اغراض و مقاصد بھلا دیئے گئے جن کے تحت دونوں فریق مرجِ راہط میں صف
آرا ہوئے تھے لیکن یمانیوں اور مضریوں کے دل سے جذبات نہ نکل سکے وہ اپنے مقتولین کے خون کا انتقام
تھا۔ چنانچہ اب اور اس وقت ان میں جو دشمنی قائم ہوئی وہ بار بار خانہ جنگیوں کی شکل میں نمودار ہوتی
اور سلطنت کی جڑوں کو کھوکھلا کرتی رہی۔ اس میں شبہ نہیں کہ ان لڑائیوں کی آگ بھڑکانے والے خود
خلفاء تھے جنہوں نے اپنی ناعاقبت اندیش قبائلی پالیسیوں کی وجہ سے خود اپنے ہاتھوں اپنی سلطنت
میں سرنگیں بچھا دیں۔

مروان نے چند ماہ حکومت کرنے کے بعد وفات پائی اور اس کا بیٹا عبدالملک تخت نشین ہوا۔ اس
وقت عالمِ اسلام میں پھر دو حکومتیں قائم ہوگئیں۔ مصر اور شام عبدالملک کے زیرِ نگیں تھا۔ عرب اور عراق پر
ابن زبیرؓ قابض تھے جو نو سال تک خلافتِ دمشق کا مقابلہ کرتے رہے۔ عبدالملک کے طوفانی دور میں کبھی عوید[illegible]

خلافت و امامت موروثیت بن جانا ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ کبھی خوارج زور و شور کی بغاوتیں برپا کرتے
اور کبھی شیعان و متبعین اہل بیت خون کا بدلہ لینے کو اٹھ کھڑے ہوتے۔ لیکن عبدالملک نے تمام
مخالفتوں کا قلع قمع کر دیا یہاں تک کہ ابن زبیرؓ کی زندگی کا بھی ناکامی کے ساتھ خاتمہ ہو گیا۔ عبداللہ بن زبیرؓ
کی بیعتِ امامت کو اگر بغور دیکھا جائے تو باجماع و شوریٰ ہو سکتی ہے کہ مروان بن الحکم کی[1] عبدالملک کے بیٹے
اور جانشین ولید اوّل کے عہدِ حکومت میں فتوحات کا سیلاب نکتۂ کمال پر پہنچ گیا اور بانیٔ اسلام کے ماننے
والے آدھی دنیا کی سلطنت کے مالک بن گئے جو رومتہ الکبریٰ کے انتہائی عروج کے زمانہ کی سلطنت سے زیادہ
وسیع تھی۔ یہ اسلامی سلطنت خلیج بسکے (فرانس) دریائے سندھ اور صعد چین تک غرباً شرقاً پھیلی
ہوئی تھی، اور شمالاً جنوباً بحیرہ ارال سے بالائے نیل کی آبشاروں تک اسی کا عمل تھا۔ عرب نژاد
پیغمبرؐ کا نام خدائے بزرگ و برتر کے نام کے ساتھ ہزارہا میناروں سے کہ جنوب مغربی یورپ
شمالی افریقہ، مغربی اور وسطی ایشیا میں قریہ در قریہ پھیلے ہوئے تھے روزانہ پانچ مرتبہ پکارا جا رہا
تھا۔ ایمینول ڈیوش رقمطراز ہے کہ "عربوں نے اسکندر اعظم کی فتوحات سے بھی زیادہ
فتوحات کیں اور روم کی سلطنت سے بھی بڑی سلطنت قائم کی اور وہ بھی اس مدت کے دسویں
حصے میں جو روم نے اپنی فتوحات مکمل کرنے میں صرف کی۔ قرآن ہی کے فیض سے انہیں یہ شرف
حاصل ہوا کہ وہ تمام سامی اقوام میں پہلے لوگ تھے جو یورپ میں حکمران بن کر داخل ہوئے
جہاں فینیقی تاجر بن کر آئے تھے اور یہودی پناہ گیر یا قیدی بن کر۔"

ولید کے جانشین سلیمان کے دورِ حکومت میں مسلمانوں نے پہلی بار قسطنطنیہ کا محاصرہ
کیا لیکن سخت باد و باراں اور برف باری کی وجہ سے یہ مہم سر سبز نہ ہو سکی اور مسلمانوں کو بھاری
نقصان اٹھا کر بے نیل و مرام واپس ہونا پڑا۔ سلیمان کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تختِ خلافت
پر متمکن ہوئے۔ عدل و انصاف اور زہد و تقویٰ میں ان کو عمر فاروقؓ کا ہم پلہ خیال کیا جاتا
ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جبر و استبداد اور خونریزی کا دور دورہ تھا۔ امراء بنی امیہ عیش و عشرت
اور لہو و لعب میں سرمست تھے۔ آپ کا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے نظامِ حکومت کو ایک بار پھر خلافتِ راشدہ

---

[1] ابن خلدون ۱۰/۱۴۳

لے سانچے میں ڈھال دیا لیکن ان کے بعد یہ کیفیت نہ قائم رہ سکی ۔ آپ کی حکومت میں خوارج بھی مطمئن تھے بسیوطی کی رائے میں " خلیفہ صرف تین ہیں ۔ ابو بکرؓ، عمرؓ اور عمر بن عبد العزیزؒ"[1]

۱۳۲ھ / ۷۴۹ء سے دعویداران حکومت کا ایک جدید گروہ پیدا ہو جاتا ہے جس میں عباسی اور علوی حکومت و سلطنت کے بیاہ جھنڈے لئے ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں اور بنی امیہ کو جنہوں نے بزور غلبہ یا بہ حکمت عملی حکومت حاصل کی تھی، کرسی حکومت سے اتارنا چاہتے ہیں ۔ یہ تحریک عباسی کے نام سے موسوم ہے اس میں اہل عجم کثرت سے شریک ہوئے کیوں کہ وہ پوری عرب سوسائٹی کے خلاف غیظ و غضب کی ایک آگ اپنے سینوں میں دبائے ہوئے تھے ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بنو امیہ کی حکومت ایک خالص عربی حکومت تھی حکومت کی پوری مشینری پر عرب چھائے ہوئے تھے ۔ اور عجمیوں کو اس میں کوئی بار نہ تھا۔ اس کے علاوہ عجمی عربوں کے نسبی غرور کی وجہ سے بھی ان سے متنفر تھے ۔ اس تحریک کا روح رواں غیر معمولی سیاسی فہم و فراست کا مالک ابو مسلم خراسانی تھا۔ عباسی دعاۃ تاجروں کے بھیس میں پورے خراسان میں پھیل گئے اور بکمال احتیاط بنی امیہ کے گرد سازشوں کا ایک جال بچھانے میں مصروف ہو گئے ۔

یزید ثانی عیش و طرب کا دلدادہ تھا۔ حکومت کی باگ ڈور خوشامدی امراء کے ہاتھوں میں آ گئی جو اپنے ذاتی و قبائلی اغراض کے تحت حکومت کرنے لگے ۔ ملک میں عالمگیر بدنظمی پھیل گئی اور قبائلی فتنے سر اٹھانے لگے ۔ یزید کا جانشین ہشام نہایت دانشمند، بردبار اور بیدار مغز حکمران تھا اور سیاست و تدبر میں حضرت امیر معاویہؓ و عبد الملک کا ہم پلہ سمجھا جاتا تھا لیکن وہ بھی سلطنت کے بگڑے ہوئے حالات کو سنوارنے میں ناکام رہا اور ملک کو زیادہ خراب حالت میں چھوڑ کر راہی ملک عدم ہوا ۔ ایسے سازگار ماحول میں عباسی تحریک کو خوب پھلنے پھولنے کا موقع ملا ۔ ابو مسلم نے اپنی مدبرانہ چالوں سے خراسان میں قبائل یمانیہ و مضریہ کے درمیان فسادات کی ایسی تخم ریزی کی کہ دونوں ایک دوسرے کی گلو تراشی میں ایسے منہمک

---

[1] تاریخ الخلفاء ۲۵۰

ہو گئے کہ پھر ایک جھنڈے کے نیچے نہ جمع ہو سکے۔ اس مدت خلافت کے انحطاط کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ ہشام کے بعد دو سال کی قلیل مدت میں یکے بعد دیگرے تین خلفا ولید ثانی، یزید ثالث اور ابراہیم تخت پر بیٹھے مگر سب کے سب اپنی نالائقی اور عیش پرستی کی وجہ سے زیادہ نمایاں نظر آتے ہیں۔ ابراہیم کے عہد میں تو خلافت کی جڑیں بالکل کھوکھلی ہو گئیں۔ خلافت اور خلیفہ دونوں کا وقار جاتا رہا۔ بعض لوگ تو خلیفہ کو سلام تک نہ کرتے تھے۔[1]

آخر کار ابراہیم کو اس کے ایک رشتہ دار مروان بن محمد نے قتل کر ڈالا اور خود مسند آرائے خلافت ہوا۔ لیکن اس کے جسم پر پیراہن خلافت کفن بن کر چسپاں ہوا۔ مروان ثانی ایک بہادر اور لائق حکمران تھا لیکن ان اوصاف کے باوجود وہ اپنے خاندان کے زوال کو نہ روک سکا۔ اس کے پنج سالہ دور میں قبائلی عصبیت اپنے شباب پر پہنچ گئی۔ الجزیرہ یمن اور حضر موت میں خوارج سر اٹھائے ہوئے تھے غرض سلطنت کے طول و عرض میں ہر طرف خانہ جنگیوں کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ اس وقت عباسی تحریک نے کافی قوت پکڑ لی تھی۔ جامعہ کوفہ میں ابو العباس السفاح عباسی کے ہاتھ پر لوگوں نے بیعت کی اور علوی جو قافلہ سالار تھے منہ دیکھتے رہ گئے۔ اس کے بعد السفاح کے لشکر اور بنی امیہ کے درمیان دریائے زاب کے کنارے ایک نہایت خونریز معرکہ ہوا جس میں مروان نے شکست کھائی اور مارا گیا اور اسی کے ساتھ دولت امیہ کا آفتاب بھی غروب ہو گیا۔ (۱۳۲ھ / ۷۵۰ء)

بنی عباس نے اپنی فتح کا جشن بنی امیہ سے وحشیانہ انتقام لے کر منایا۔ امویوں کی پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی جس کا جدھر منہ اٹھا بھاگ کھڑا ہوا۔ تقریباً ستر شہزادے گرفتار کر لیے گئے اور ان پر آہنی گرزوں کی اتنی بارش کی گئی کہ وہ نیم جان ہو گئے۔ السفاح نے ان سسکتی ہوئی لاشوں پر دسترخوان بچھا کر کھانا کھایا۔[2] یہ تو زندوں پر بیتی، بعد ازاں مردوں کی باری آئی۔ خلفا کی قبریں اکھاڑی گئیں اور ان کی خاک برباد کی گئی۔ ہشام کی لاش سالم نکلی اس کو سولی پر لٹکا کر جلا دیا گیا۔[3] لیکن حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اور حیرت تو یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ کی قبر بھی اس بے حرمتی سے محفوظ رہی۔[4] بنی عباس نے دجلہ کے کنارے ایک نیا شہر بغداد تعمیر کر کے اس کو اپنا دار الخلافہ بنایا۔ خلافت دمشق کے ساتھ ہی نہ صرف فتوحات کا دور ختم ہو گیا بلکہ اس کا سیاسی وقار بھی پارہ پارہ ہو کر رہ گیا اور بنی عباس کی تخت نشینی سے ایک تہذیبی و تمدنی دور کا آغاز ہوتا ہے۔

---

[1] ابن طقطقی ۱۲۲ [2] اخبار مجموعہ ۸ [3] ابن اثیر ۵/۲۴۴ [4] دیم سید ۲۰۰

شمالی افریقہ کی تسخیر

۲۶ھ تا ۸۸ھ
۶۴۷ء — ۷۰۰ء

اس باب میں جو کچھ کہا جائے گا اس سے بظاہر یہ معلوم ہوگا کہ ہم موضوعِ کتاب سے کسی قدر دور جا پڑے ہیں۔ لیکن اس تمہید کی اشد ضرورت اس لئے ہوئی کہ مسلم اسپین کی کسی تاریخ کا مطالعہ شمالی افریقہ کی تاریخ کو سمجھے بغیر مکمل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس بات کو محفوظ رکھنا چاہیے کہ اہلِ عرب "افریقیہ" کی اصطلاح جو انہوں نے رومیوں سے مستعار لی تھی بعض وقت صرف شمالی افریقہ کے لئے استعمال کرتے تھے۔ اس ملک کے راستے جو جلتی ریت پر سے گزرتے تھے۔ مناظرِ صحرائے اعظم کے نمونے تھے اس کا بیشتر حصہ قابلِ زراعت تھا۔ یہاں کے کاشتکار بہت تھوڑی محنت میں بہت بڑی فصل اور نہایت خوش ذائقہ میوے پیدا کر لیا کرتے تھے۔ ملک میں ہری بھری چراگاہیں تھیں جن میں ہزارہا مویشی اپنا پیٹ پالتے تھے۔ کھجور اور زیتون کے باغات یہاں کثرت سے تھے۔ اور روغنِ زیتون تجارت کی بہت بڑی چیز تھا۔ عرب مصنفین ان مقامات کو جو آج کل تیونس و طرابلس کہلاتے ہیں۔ افریقیہ کے نام سے تعبیر کرتے تھے اور اس سرزمین کی انتہا پر جو ملک واقع ہے اس کو المغرب کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ المغرب مزید دو حصوں میں منقسم تھا۔ یعنی مغرب الادنیٰ اور مغرب الاقصیٰ۔ مغرب الادنیٰ میں وہ تمام علاقے شامل تھے جو ادران اور ضلع بوجیہ کے مابین واقع تھے۔ مغرب الاقصیٰ (موجودہ مراکش اور ماریٹینیا) انتہائی مغربی علاقہ تھا اور سواحلِ بحرِ اوقیانوس سے لے کر جنوب میں صحرا کی جانب طلمسان تک پھیلا ہوا تھا۔ المغرب کا زیادہ تر حصہ کوہستانی اور صحرائی

تھا اور کوہِ اطلس کے سلسلے اس کے علاوہ جنوب میں پھیلے ہوئے تھے۔ شمال میں پہاڑوں کے یہ سلسلے ریف
کہلاتے ہیں۔ یہ پہاڑ جنوب مشرق کی طرف چٹانوں کی شکل میں سمندر کے کنارے تک چلے گئے ہیں۔ اگرچہ ملک کا وسطی اور
جنوبی حصہ بیابانی ہے لیکن شمالی ساحل نہایت زرخیز اور سرسبز اور تجارت مشرق کو اپنے ہاتھوں میں لیے ہوئے
تھا۔

برِ اعظم کے اس حصے میں جہاں کہیں بھی تمدن کا نشان نظر آتا تھا وہ بیرونِ ملک سے آیا ہوا تھا۔
میلادِ مسیح سے کئی صدیاں پیشتر اہلِ فونیشیا نے ملک شام سے آکر یہاں اپنی سلطنت قائم کی۔ انہوں نے یہاں
ساحل پر متعدد خوب صورت شہر بنوائے اور تجارتی کوٹھیاں تعمیر کیں اور اعلیٰ تمدن کے بانی ہوئے۔ آج کل
جہاں ملک تیونس واقع ہے وہاں انہوں نے ساحل پر قرطاجنہ کا نہایت خوب صورت و مستحکم شہر تعمیر کر کے
اس کو اپنی افریقی سلطنت کا دارالخلافہ قرار دیا۔ انہوں نے اسپین کے جنوبی ساحل پر بھی قبضہ کر کے مدتوں اس
پر حکمرانی کی۔ انہوں نے افریقہ میں ستارہ پرستی اور آتش پرستی کو رواج دیا۔ دولتِ قرطاجنہ کے زوال پر اہلِ روما
نے اس ملک اور جزائرِ بحرِ روم میں اپنی سلطنت قائم کی۔ انہوں نے بھی یہاں بہت سے تجارتی شہر اور کوٹھیاں
تعمیر کیں اور مقامی آبادی میں عیسوی مذہب کو پھیلایا۔ اس خطۂ ارض نے شترِ بے مہار وینڈال کا بھی
تماشہ دیکھا۔ یہ قوم جو ٹیوٹن نسل سے تھی پانچویں صدی عیسوی میں جرمنی کے کسی مقام سے اٹھی۔ اور ہسپانیہ
کے جنوبی علاقے پر قابض ہو کر افریقیہ میں در آئی اور اس کو ایسی طرح تاخت و تاراج کیا یہاں تک کہ
وینڈالزم کی اصطلاح تباہی اور بربادی کے مترادف بن گئی۔ ساتویں صدی عیسوی کے وسط میں جب
اس طرف عربوں کے منظم حملے شروع ہوئے تو یہاں یونانی حکمرانی کر رہے تھے۔ دربارِ قسطنطنیہ کا ایک نائب السلطنت
ان آبادیوں پر اپنے بادشاہ کی طرف سے حکومت کرتا تھا لیکن اس کے اختیارات ایک چھوٹے سے قطعہ تک محدود
تھے۔ اس سے آگے ایک خونخوار جفاکش وحشیوں کا گروہ گھومتا رہتا تھا جو خانہ بدوش تھے۔ اور مستقل سکونت
نہ رکھتے تھے مگر ان کی زیادہ تعداد کوہِ اطلس کی ترائی اور نشیب میں پائی جاتی تھی اور بہت تھوڑی سی کاشت
کر کے اور اپنے کسی قدر مہذب ہمسایوں کے ساتھ تھوڑی سی تجارت کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ یہاں مختلف
نسلوں کے لوگ آباد تھے۔ ساحل کے کنارے زیادہ آبادی یونانی صورت لوگوں کی تھی اندرونی علاقے میں
لمبے تڑنگے جسیم تر وہ لوگ نظر آتے تھے جو وینڈال اور ماری ٹینیا کی نسل سے تھے۔ یہودی بھی یہاں

کافی تعداد میں پائے جاتے تھے جو متمول تاجر تھے۔ لیکن سب سے زیادہ آبادی بربر کی تھی۔ صنہاجہ قبیلہ
کے مولانی بلنگ سامی النسل تھے۔ یہی کہ ایک حمیری بادشاہ نے اپنی حدودِ سلطنت کو افریقیہ تک وسیع کر
دیا تھا۔ اور اپنی افریقی فتوحات کی وجہ سے اس کو افریقانس کے لقب سے ملقب کیا جاتا ہے۔ اس نے یہاں
قحطانی عربوں کی متعدد بستیاں بسائیں چنانچہ بربر انہیں عربوں کی اولاد سمجھتے تھے۔ ان کو اہلِ عرب
سے بہت ہی نمایاں اور قابلِ ذکر مناسبت تھی۔ فیاض۔ صابر۔ محنت کش۔ انتہا درجے
کے مہمان نواز۔ بے رحمی سے انتقام لینے والے تھے اور جنگجوئی ان کی خصوصیات سے تھی۔ نتیجہ
یہ تھا کہ وہ کبھی کسی سے مرعوب ہو کر نہیں رہے۔ ان کا ملکی انتظام جمہوری تھا۔ ہر قریہ آزاد تھا
اور اس پر وہاں کا سردار حکومت کرتا تھا جس کا انتخاب باشندگانِ قریہ کرتے تھے۔ ابتداً ملک کے دیہات
میں آکر مذہب عام کے پابند معلوم ہوتے تھے مگر فی الحقیقت دل سے بت پرست ہی رہتے تھے
ان کو سحر اور جادو پر بڑا اعتقاد تھا اور بے وجہ سلب و نہب ان کی جبلت میں داخل تھی۔ میدانِ
جنگ میں نہایت جری تھے لیکن حالتِ امن میں نہایت غدار۔ اپنے ہی حلیفوں کو دغا دے دیا کرتے
تھے۔ سیاسی انقلابات سے بھی یہ نہ ہو سکا کہ ان کے قومی خصائص و خصائل کو مٹا دیتے۔ جب اہلِ
یونان و اہلِ روم نے شمالی علاقوں کی تسخیر کے بعد مزید فتوحات کی غرض سے جنوب کی طرف قدم بڑھائے
تو بربریوں نے اپنے ملک کے بچانے کی ذرائع مدافعت اور اپنی غیر معمولی شجاعت و
استقلال سے ان کے دانت کھٹے کر دیے یہاں تک کہ ان کے نہایت جری و آزمودہ کار سپہ
سالاروں کو بھی صاف کہہ دینا پڑا کہ اس قوم کا زیر کرنا ناممکن ہے۔ غرض کہ وحشت خو
و تندمزاج اور سرکش و جنگ آور قبائل افریقیہ کی تسخیر اور ان کا قابو میں رکھنا فی الحقیقت
ان ہی لوگوں کا کام تھا جن کی رگوں میں عربی خون تھا۔

عبداللہ ابن ابی سرح

سب سے پہلے حضرت عثمانؓ کے زمانۂ خلافت میں مسلمانوں
کی توجہ افریقیہ کے شمالی ساحل کی طرف مبذول ہوئی۔

امیر المومنین نے عبداللہ ابن ابی سرح کو مصر کا والی مقرر کیا۔ وہ بڑا جنگ آزمودہ، مستقل
مزاج اور بڑا شہسوار تھا اس نے سنہ ۲۷ھ (۶۴۷ء) میں بیس ہزار سواروں کی جمعیت کے ساتھ جس میں
بہت سے صحابہ اور سرداران عرب شامل تھے افریقیہ کی طرف پیش قدمی کی چند چھوٹی چھوٹی

لیکن خونریز لڑائیوں کے بعد جن میں رومیوں اور بربریوں کی بڑی تعداد کھیت رہی، مسلمانوں نے بڑھ کر طرابلس کا محاصرہ کر لیا۔ اس صوبہ کا حاکم گریگوری شہر کا محاصرہ توڑنے کے لئے ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ طرابلس کی طرف بڑھا۔ مسلمانوں نے محاصرہ اٹھا کر اس کا مقابلہ کیا اور ایک سخت خونریز لڑائی کے بعد رومی لشکر کو شکستِ فاش ہوئی۔ اور خود گریگوری مارا گیا اور مسلمانوں نے شہر سبیطلہ اور طرابلس پر قبضہ کر لیا۔ عربی رسالوں نے افریقیہ کے میدانوں میں پھیل کر اس سختی سے قتل و قید کرنا شروع کیا کہ انہوں نے مجبور ہو کر عبداللہؓ سے درخواست کی کہ وہ ۵۰ ہزار دینار سرخ لے کر مع اپنی فوج کے اپنے ملک کو واپس لوٹ جائیں۔ عبداللہؓ نے اس درخواست کو قبول کر لیا اور مزید پیش قدمی روک دی۔[1]

ابنِ خدیج اور ابنِ مخلد

جب حضرت امیر معاویہؓ خلیفہ بنے تو انہوں نے مصر کی حکومت پر معاویہ ابن خدیج کو مامور کیا۔ اور اس کو افریقیہ کی تسخیر کا حکم دیا۔ چنانچہ اس نے ۴۳ھ / ۶۶۴ء میں اس طرف فوج کشی کی اور چند ساحلی شہروں پر قبضہ کر لیا۔ بعد ازاں اس نے جلولا پہنچ کر ہنگامہ کارزار گرم کر دیا۔ رومیوں کے اس لشکر سے مقابلہ ہوا جس کو بادشاہ قسطنطنیہ نے افریقیہ کی حمایت کی غرض سے روانہ کیا تھا۔ مقامِ قصرِ احمر میں دونوں حریف کا مقابلہ ہوا۔ نہایت سخت اور خونریز لڑائی کے بعد مسلمانوں نے عیسائیوں کو شکست دی اور ان کا لشکر ابتری کے ساتھ ان کے ملک کی جانب لوٹا دیا۔ جلولا پر اسلامی جھنڈا نصب کر دیا گیا۔ بہت سا مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اسلامی لشکر نے اطراف و جوانب کو بھی کھول کر تاخت و تاراج کیا۔ اس مہم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ ابنِ زبیرؓ بھی شریک تھے۔ سوُسہ الادنی کے ہاتھوں سوسہ مفتوح ہوا۔ ۴۵ھ / ۶۶۶ء میں حضرت امیر معاویہؓ نے مصر و افریقیہ کی حکومت پر مسلمہ بن مخلد کا تقرر کیا۔ نئے والی نے افریقیہ کی زمامِ حکومت ابوالمہاجر کو دے کر المغرب پر فوج کشی کا حکم دیا۔ چنانچہ ابوالمہاجر نے اس طرف قدم بڑھائے اور فتح کرتا ہوا تلمسان تک پہنچ گیا۔ اس کے ہاتھوں متعدد لڑائیوں کے بعد جن میں اسے کامیابی حاصل ہوئی تھی، اوربہ کا بادشاہ دلمقبیلہ برنث کا نہایت طاقتور سردار کسیلہ شرف باسلام ہوا۔ افریقیہ کے بربر نہایت متمرد اور سرکش تھے ذرا دباؤ ہٹتے ہی وہ اطاعت سے

---

[1] بلاذری ۱ / ۲۲۶–۲۲۵ ، [2] ابن خلدون ۱۱ / ۱۱۰

بحرف ہر جلتے اور علم بغاوت بلند کر دیتے تھے۔

جس سپہ سالار کے قدم کامیابی چومتی رہی اور جس نے المغرب کے شجاع اور شریر بربری قوم پر اپنا دبدبہ پا اثر ڈالا وہ عقبہ بن نافع الفہری تھا جسے حضرت امیر معاویہؓ نے افریقیہ کا سپہ سالار مقرر کر کے اس علاقہ کی تسخیر کا حکم دیا۔ عقبہ نے دشمن کے ملک میں پہنچ کر ایسی سختی اور شجاعت سے جنگ شروع کی کہ سپہ سالار اسلام حضرت خالد بن ولیدؓ کی یاد تازہ ہو گئی۔ بربریوں کے نہایت بہادر اور جنگ آزمودہ لشکروں نے ہر جگہ شکست پر شکست کھائی۔ اور ان کے ہزارہا آدمی تلوار کے گھاٹ اتار دیئے گئے اور لاتعداد زندہ غلام مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ بربریوں نے یہ دیکھ کر کہ ایسی بہادر اور جنگجو قوم جس کے ہر قدم پر فتح و ظفر نثار ہو رہی ہو مزید مقابلے سے باز آگئے اور مسلمان ہو گئے۔ عقبہ نے اس لق و دق علاقہ کو جس میں مردم خوار وحشی رہتے تھے۔ اس سرے سے اس سرے تک روند ڈالا۔ یہاں تک وہ بحر اوقیانوس تک پہنچ گیا۔ وہ گھوڑے کو سمندر کے پانی میں ڈال کر تلوار کھینچ کر کھڑا ہو گیا اور بلند آواز میں کہا۔ "اللہ اکبر۔ خدایا اگر یہ سمندر مجھے نہ روک لیتا تو مغرب کی طرف اس ملک میں بڑھتا چلا جاتا۔ جہاں نہ معلوم کون بادشاہ حکومت کرتا ہے تیرے نام پاک کی کبریائی کو وہاں ظاہر کرتا۔ اور ان لوگوں کو تیری طرف راستہ دکھاتا جو تیرے سوا دوسرے کو پوجتے ہیں۔"[1] سوڈان کے بعض علاقوں کے علاوہ قبائل لواتہ۔ زناتہ۔ غمارہ اور صنہاجہ کے علاقہ جات اور اب اور سوس کے صوبے اور طنجہ یکے بعد دیگرے مفتوح ہو گئے اور عربوں نے یہاں کے سرداروں سے اقرار اطاعت و فرمانبرداری لے کر مراجعت کی۔ عقبہ نہایت عاقبت اندیش اور دور بین شخص تھا۔ اس نے سمجھ لیا کہ مغرب الاقصیٰ اور اطلس کے تندخو اور متلون قبائل اگر کسی کے روکے رک سکتے ہیں۔ تو وہ فوجی دباؤ ہے چنانچہ اس نے ان کی سرحدوں پر قلعے بنا دیئے۔ اس کے علاوہ اس نے تیونس کے جنوب میں ایک نیا شہر قیروان آباد کیا۔ جس کا مقصد سمندر کی طرف سے یونانیوں کے حملوں سے حفاظت کرنا تھا۔ جنگل جس میں اب تک سانپ بچھو اور جنگلی جانور پائے جاتے تھے۔ صاف کر کے ہموار کر دیا گیا اور

---

[1] ابن اثیر ۴ / ۵۴-۵۳

اس جگہ یہ شاندار شہر تعمیر کیا گیا اس شہر نے عرب قبائل کی بھاری تعداد کو آباد کیا[1] اور اس کو دار السلطنت بنایا۔ یہ شہر زمانۂ مابعد میں تاریخ افریقیہ میں بہت اہم ثابت ہونے والا تھا۔ اس کی فصیلیں اینٹوں کی تھی۔ جگہ جگہ برج بنے ہوئے تھے۔ اس کا دور چھ میل تھا۔ ایک مسجد جس کا طول دو سو بیس ہاتھ اور عرض ڈیڑھ سو ہاتھ تھا۔ بنائی۔ اس کی سترہ محرابیں تھیں۔ مینار نہایت خوبصورت اور شاندار تھے دیواروں پر بہت گلکاری کی ہوئی تھی۔ شہر کے بازار تین میل لمبے تھے۔ اس کے مدرسوں میں اطراف و اکناف کے علماء جمع ہو گئے تھے۔ اختلافی مسائل میں وہاں کے مفتیوں کے فتووں پر تمام علماء سر تسلیم خم کرتے تھے۔ چونکہ قیروان افریقیہ کے نائب خلیفہ کا دار الامارت تھا اس لئے اس شہر کو مدتوں بڑی اہمیت حاصل رہی۔

بربرہ ایک مغلوب الغضب اور غدار قوم تھی ان سے بھلا کسی معاہدے کی پابندی کب ہو سکتی تھی۔ ان کے خصائص اور خصائل آخر کہاں تک رک سکتے۔ انہوں نے ادھر ادھر فتنہ و فساد برپا کرنا شروع کر دیا۔ مسلمانوں کی فوجیں چونکہ پھیلی ہوئی تھیں، اس لئے بربریوں کی شرارتوں کا انسداد نہ ہو سکا جہاں جہاں پراگندہ آبادیاں تھیں وہیں حملہ کرتے تھے بھیڑ بکریاں لے جاتے تھے اور گھروں میں آگ لگا جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ کیفیت ہوئی کہ قیروان کی جدید آبادی کے امن میں خلل پڑنے لگا۔ اپنی کامیابی کے غرہ پر تمام شیوخ بربر نے اتفاق کر کے مسلمانوں کا اپنے ملک سے نام مٹا دینا چاہا۔ اس سازش کا روح رواں مذکورہ سردار کسیلہ تھا۔ عقبہ نے اس کو دوران جنگ سخت نقصان پہنچایا تھا اور اس کے ساتھ بدسلوکی کی تھی۔ چنانچہ جب وہ اپنی شاندار فتوحات کے بعد قیروان واپس آ رہا تھا۔ کسیلہ نے مقام تہودا میں عساکر اسلامیہ سے چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ وحشیوں کی ایک بہت بڑی فوج نے ان پر حملہ کیا اس وقت ان کے جلو میں تین سو کبار صحابہ و تابعین تھے کیوں کہ انہوں نے اپنی فوج کے ایک بڑے حصے کو قیروان کی کمک پر روانہ کیا تھا۔ تعداد کی اس نہایت قلت کے باوجود عقبہ مقابلے پر ڈٹ گیا۔ سب نے اپنی تلواروں کے میان توڑ ڈالے اور ایک ایک کر کے شمشیر بکف شہید ہو گئے۔ ان شہداء کے مقبرے

---

[1] بلاذری ۱/ ۹۲-۳۹

مقام زاب میں اب تک زیارت گاہ عام ہے[1]۔

شمالی افریقہ کے وحشی قبائل کے ساتھ اپنی جنگوں میں کسی نسل یا قوم نے ایسی بے جگری اور غیر متزلزل عزم نہیں دکھلایا جیسا کہ عقبہ سے ظاہر ہوا تھا۔ عربوں نے مقابلتاً ایک بہت ہی کم تعداد فوج کے ساتھ ایک ایسے وسیع ملک کی تسخیر کی کوشش کی جو خوفناک اور سرکش قبائل سے آباد تھا جو جنگ و جدال کے عادی تھے۔ جیسے بربرہ متلون مزاج تھے، وہی ڈھنگ رومیوں اور یونانیوں نے بھی اختیار کئے وہ بھی کسیلہ کے علم کے نیچے آگئے۔ کسیلہ نے بڑھ کر قیروان پر قبضہ کر لیا۔ عقبہ کا نائب زہیر بن قیس موقعہ کی نزاکت کا اندازہ کر کے مصر کی جانب ہٹ گیا اور برقہ میں پہنچ کر قیام کیا۔ قیروان میں تھوڑے سے بہت جو مسلمان رہ گئے تھے ان کو کسیلہ نے امان دے دی۔ یہ شخص خود آزاد بن بیٹھا اور پانچ سال تک افریقیہ پر حکومت کرتا رہا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ دعویداران خلافت کے درمیان خانہ جنگی اور سیاسی انتزاع کے جھگڑے رہے۔ جس سے رومیوں کو اپنے مغربی مقبوضات کے متعلق آرام مل گیا۔ افریقیہ میں اس وقت عربوں کا تسلط بظاہر ختم ہوتا سا نظر آنے لگا۔

زہیر اور حسان

عبدالملک نے مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد ۶۹ھ ۶۹۱ء میں زہیر کی کمک پر فوجیں روانہ کیں۔ زہیر برقہ سے نکل کر افریقیہ پر حملہ آور ہوا اور اطراف قیروان میں بربرہ کو ایک فیصلہ کن لڑائی میں سخت شکست دی۔ کسیلہ قتل ہوا۔ علاوہ اس کے بہت سے سرداران بربر اور ان کے نامی گرامی جنگجو کھیت رہے۔ رومیوں اور بربریوں کی بڑی تعداد قتل و گرفتار ہوئی[2]۔ اس کامیابی سے افریقیہ میں عربوں کی اکھڑی ہوئی ساکھ از سر نو قائم ہو گئی۔ زہیر کو افریقیہ کی مہم میں مشغول پا کر قسطنطنیہ کے بحری بیڑے نے برقہ پر حملہ کر دیا۔ زہیر شہر کو بچانے کی غرض سے مقابلے کے لئے نکل آئے اور کمال مردانگی سے ان کا مقابلہ کیا۔ عیسائیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اس واقعے میں ان

---

[1] ابن خلدون ۱۱/۱۱۲ - [2] ابن خلدون ۱۱/۱۱۱

کو بمعہ اپنی جمعیت کے شہادت نصیب ہوئی[1]۔ زبیرؒ کی شہادت کے بعد عربوں کے افریقی مقبوضات پھر ہاتھ سے نکل گئے۔

حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ کی شہادت کے بعد جب عبدالملک نے مستقل طور پر حکومت حاصل کر لی تو اس نے حسان بن نعمان غسانی کو مصر اور افریقیہ میں اپنا نائب السلطنت مقرر کر کے یہ حکم دیا کہ جو کام المغرب میں ان کے پیشرو نہ کر سکے تھے اس کو پورا کریں۔ کسی نائب السلطنت کے پاس اتنی فوج نہ تھی نہ اتنے ذرائع جنگ جتنے حسان کے پاس۔ چونکہ وہ مصر کا حاکم بھی تھا اس لئے اس کے پاس اس زرخیز ملک کی تمام دولت بھی تھی وہ چالیس ہزار جنگ آزمودہ فوج اور تمام سامانِ جنگ لے کر اسکندریہ سے روانہ ہوا۔ اس کے پاس قلعہ شکن توپیں اور فصیلوں پر چڑھنے کی سیڑھیاں بھی تھیں۔ حسان نے پہلے ان قلعوں کی طرف توجہ کی جو ساحل بحر پر تھے۔ اور اب بھی یونانیوں کے قبضے میں چلے آتے تھے۔ چنانچہ ان مقامات کو روندتے ہوئے جن کو ایک مرتبہ تباہ ہو چکنے کے بعد مسلمانوں کے سپہ سالاروں نے پھر از سر نو آباد کیا تھا۔ وہ فوراً قرطاجنہ کے سر پر جا پہنچا۔ جب مسلمانوں کے سپہ سالار کی تیاریاں مکمل ہو گئیں تو وہ اپنی شاندار اور جوشیلی فوج لے کر آگے بڑھا۔ اور کامیابی کا بالکل یقین کر کے فوراً ہی حملہ کرنے پر تیار ہو گیا۔ اور سیڑھیاں لگا دیں باوجود اس کے کہ منجنیق سے آگ برستی رہی بزنطینی فوج نے غیر معمولی طور پر اپنی شجاعت کے جوہر دکھلائے مگر شہر مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔ مملکتِ افریقیہ کو ختم ہوتے دیکھ کر قسطنطنیہ سے ایک بہت بڑا بحری بیڑا اہل قرطاجنہ کی کمک پر روانہ کیا گیا۔ مسلمان ابھی آرام بھی نہ کرنے پائے تھے کہ تازہ دم دشمن کی آمد ان کو معلوم ہوئی۔ اس کو سنتے ہی وہ وہاں سے ہٹ گئے لیکن ماہ بماہ جب حسان کے پاس امداد پہنچ گئی تو اس نے پھر قرطاجنہ کو آ گھیرا۔ یونانی اپنی حماقت سے عربوں کے ساتھ کھلے میدان میں لڑے اور فیصلہ کن شکست کھائی۔ شہر کو خوب لوٹا گیا اور پھر اس میں آگ لگا دی گئی اور اس کی عظیم حکومت ہمیشہ کے لئے شاہانِ روم مشرقی کے ہاتھ سے نکل گئی۔ جس قدر رومی اور فرانسیسی قرطاجنہ میں تھے سسلی اور اسپین کی جانب بھاگ گئے[2]۔ بعد ازاں پھر عیسائیوں نے صطفورہ۔ بنزرت میں متفق ہو کر عساکر

---

[1] ابن اثیر ج ۴ ص ۴۵۔ زریلی
[2] ابن اثیر ج ۴ ص ۱۸۰

اسلامیہ کا مقابلہ کیا تھا۔ بہت سے معرکوں میں جن میں ان لوگوں کو ہزیمت دی امیر حسان نے بالآخر اوراس میں جا کے پڑاؤ ڈالا؎

اگرچہ دارالسلطنت قسطنطنیہ کو تباہ و ویران کر دینے سے یونانیوں کی باقی آبادیوں پر بہت بڑا اثر پڑا اور عربوں کا رعب اور بھی قائم ہو گیا مگر بربروں نے ذرا بھی جنبش نہیں کی ان کا قبضہ ان تمام علاقوں پر قائم رہی جو ساحل سمندر سے کسی قدر دور واقع تھے۔ چنانچہ حسان نے کوہ ... کی طرف پیش قدمی کی جہاں ایک کاہنہ حکمرانی کر رہی تھی جس کو تمام ملوک بربر میں سب سے زیادہ شوکت و قوت حاصل تھی۔ اس عورت نے اپنے عجیب و غریب طلسم سے اپنے ہم وطنوں پر بہت بڑا اثر ڈال رکھا تھا ان میں ایک قسم کا جوش و ولولہ پیدا کر دی۔ ان کی باہمی دشمنی کو کم کر دیا اور انہوں نے تمام بدو بربر گروہ لوگوں کو ایک دوسرے کا حلیف بنا کر انہیں بڑی طاقتور قوم بنا دیا تھا۔ اس نے اپنی تعلیمات سے بربریوں میں ایک نئی روح پھونک دی تھی ان کو بہت بڑی لوٹ مار کا لالچ دیا تھا۔ اس عورت نے بربریوں سے حسان کی فوج پر حملہ کر دیا اور ان کو سخت نقصان اٹھا کر برقہ میں جا کر اپنا سر چھپانا پڑا۔ یہاں پانچ سال کامل [illegible] رہے جیسے ہی عربوں نے سرحد چھوڑی۔ اس کاہنہ کے حکم سے ساحل کے تمام سرسبز و شاداب علاقہ میں آگ لگا دی گئی جو اپنے عروج کے زمانے میں تمام ممالک عرب کے لئے ذریعہ آمدنی رہا تھا۔ یہ تباہی محض اس لئے کی گئی کہ بربروں کا ملک عربوں کے آئندہ حملوں سے بالکل محفوظ ہو جائے۔ کھیت بنجر اور قصبات بے چراغ ہو گئے قصروں کو جلا ڈالا اور باغات کو کاٹ دیا۔ نخلستانوں کو جنگل بیابان کر دیا۔ اس احمقانہ زیادتی سے تمام زمیندار اور ملک کے متمول لوگ ناراض ہو گئے۔ اور رفتہ رفتہ انہوں نے اپنے ایلچی اس وعدے سے نائب السلطنت افریقیہ کے پاس بھیجے کہ اگر وہ اس معاملہ میں دخل دیں گے تو یہ تمام لوگ ان کی مدد دیں گے۔ اور آئندہ ان کے حلیف رہیں گے۔ آخر حسان کو دمشق سے پیش قدمی کرنے کا حکم ملا۔ چنانچہ اس مرتبہ وہ اتنی فوج لے کر افریقیہ کی طرف بڑھا کہ اس سے پہلے کبھی اتنی فوج وہاں نہ آئی تھی۔ اطراف کوہ میں مرابوں سے کاہنہ کا مقابلہ ہوا اور گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ بربریوں نے سخت ترین شکست کھائی اور کاہنہ اپنی جمعیت کثیر کے ساتھ قتل ہوئی جس کنوئیں کے قریب وہ ماری گئی وہ اس کی نسبت سے بیر الکاہنہ کہلاتا ہے۔؎ اس ہزیمت کے بعد تمام متمرد علاقہ نے اپنے آپ کو فاتحین کے رحم و کرم کے حوالے کر دیا۔ کوہ

؎ ابن خلدون ۶/۱۱۳ و ؎ بلاذری ابن عذاری ۱/۹۳-۳۱

اور اس کے گرد و نواح کو تخت و تاراج کرنے کے بعد حسان نے قیروان کی جانب مراجعت کی۔ بربریوں کو جان و مال کی امان دی گئی۔ البرابر اور رومیوں اور فرانسیسیوں پر جو ان کے ساتھ تھے خراج مقرر کیا گیا اور یہ شرط لگائی گئی کہ بارہ ہزار نو مسلم بربری جوان ہمیشہ جہاد میں عساکر اسلامیہ کے ہمرکاب رہا کریں گے۔[1]

ان واقعات کے بعد افریقیہ کے فاتح ثانی حسان کی قسمت نے یکایک پلٹا کھایا۔ خلیفہ عبدالملک نے اپنے بھائی عبدالعزیز کو مصر کا نائب السلطنت مقرر کیا اور افریقیہ بھی ان ہی کے تحت حکومت کیا گیا۔ حسان کے خلاف ظلم و ستم کی بہت سی درخواستیں گذریں۔ ان کی جوابدہی کے لئے وہ دمشق طلب کر لیا گیا مگر جیسے ہی اس نے بربریوں کا مال مفروضہ اور وہاں کی نہایت حسین عورتیں پیش کیں اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ اپنے جوابات اور اپنی کامیابیوں کے حالات بیان کئے۔ تو خلیفہ نے خوش ہو کر اس کو بحال کر دیا بلکہ اس کو کچھ زائد اختیارات دے کے افریقیہ کا گورنر مقرر کر دیا۔ جب وہ واپسی کے وقت مصر سے گذر رہا تھا تو عبدالعزیز نے بحیثیت نائب السلطنت ملک مصر و افریقیہ اس کو حکم دیا کہ اپنے تقرر کا حکم شاہی ان کے حوالے کر دے۔ اس نے انکار کیا تو عبدالعزیز نے بجبر وہ حکم چھین کر پھاڑ ڈالا اور علی الرغم خلیفۂ وقت حسان کو اپنے حکم سے معزول کر کے اس کی جگہ اپنے مولیٰ موسیٰ ابن نصیر کو سپہ سالار افواج ملک مغرب اور افریقیہ کا گورنر مقرر کر دیا اور خلیفہ کو اس کی اطلاع کر دی۔

موسیٰ

اصطخر کے عین مغرب میں سو میل کے فاصلے پر ایک مقام عین التمر ہے۔ ساتویں صدی میں یہ مقام خوب آباد تھا۔ شام اور ایران کی تجارت سے اس کو بہت فائدہ پہنچتا تھا یہاں نسطوری عیسائیوں کا ایک کلیسا اور راہبوں کی خانقاہ تھی۔ مسلمانوں نے یہاں کی دولت مندی کا شہرہ سنا تو حضرت خالد بن ولیدؓ اپنی فوج سمیت یہاں پہنچے۔ اور حملہ کر دیا۔ اس خانقاہ میں شریف خاندانوں کے طالب علم بھی تھے چنانچہ ان ہی میں اسیرانِ جنگ میں موسیٰ کا باپ نصیر بھی تھا۔ عربوں کی رسم کے موافق گرفتار شدہ شخص گرفتار کنندہ کے خاندان کا فرد بن جاتا ہے اس بنا پر نصیر خلیفہ عبدالملک سے تعلق رکھتا تھا۔ عبدالملک ان پر اور ان کے بیٹے پر موسیٰ پر بھی بہت مہربان تھا۔ موسیٰ نے شام کے بہترین مدارس میں تعلیم پائی تھی۔ ان کی ذہانت اور معاملہ فہمی کی وجہ سے وہ اہم ترین سیاسی عہدوں پر

---

[1] ابن خلدون ۱۱/۱۱۳

مقرر کئے گئے۔ عبد الملک کے دورانِ خلافت میں وہ گورنر مصر کے وزیر مقرر کئے گئے۔ ان کے بعد وہ گورنر مصر کے نہایت معتمد مشیر ہو گئے۔ وہ نہایت دیندار و متقی اور حزم دوست تھے۔ بلند نظری ان کے چہرے سے ٹپکتی تھی۔ لباس سادہ پہنتے تھے۔ باوجود اس کے کہ شباب گزر چکا تھا وہ صحت و تندرستی کے مجسم نمونہ تھے۔ اور سخت جفاکش زندگی گزارنے کے عادی تھے۔ وہ نہایت جری سپاہی اور قابل سپہ سالار اور اعلیٰ درجے کے مدبر تھے۔ مجالسِ شوریٰ میں ان کی ذہانت اور تیز فہمی کے جوہر کھلتے تھے۔ جو کچھ تخمینہ اور اندازہ وہ لگاتے تھے اکثر صحیح ثابت ہوتا تھا۔ طبائع انسانی کی خصوصیات کو وہ خوب سمجھتے تھے۔ مہماتِ فوجی کے موقعوں پر وہ نہایت تجربے کار اور محتاط سپہ سالار ثابت ہوتے تھے۔ وہ پیش قدمی نہایت سرعت کے ساتھ کرتے تھے۔ اور وہ فتح جس کا نتیجہ یقینی کامیابی ہوتا تھا۔ یہ تھیں صفات اس شخص کی جس کو عبد العزیز کی قیافہ شناس نظروں نے افریقہ کی حکومت پر مقرر کیا۔ حجاج کے سپہ سالاروں نے مشرق میں جیسی فتوحات حاصل کیں مغربی ممالک میں موسیٰ بن نصیر اور ان کے فوجی سرداروں کی جنگی کامیابیاں ان سے کچھ کم تعجب انگیز اور تابناک نہ تھیں۔

غرض موسیٰ مصر سے روانہ ہو کر کوچ و قیام کرتے قیروان پہنچے۔ ان کے ہمراہ تابعین اور علمائے دین کی بھی ایک بڑی جماعت گئی۔ بربریوں کی اس وقت کیفیت یہ تھی کہ ان لوگوں نے عہد و اقرار کو بھلا کر بلادِ اسلامیہ پر دانت لگائے بیٹھے تھے۔ اپنا عہدہ سنبھالنے کے بعد موسیٰ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنی فوج کو جمع کر کے ان کی بقیہ تنخواہ کا سہ گنا روپیہ ہر ایک کو عطا کیا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک تقریر کی۔ جس میں ایک خطیب کی فصاحت و بلاغت ایک دانشور کی بے نفسی۔ ایک واعظ کی ترغیب و ترہیب سب کچھ تھے۔ دورانِ تقریر انہوں نے کہا کہ میں بھی تمہاری طرح ایک ادنیٰ سپاہی ہوں میں اگر کوئی اچھا کام کروں تو اس کی تعریف کرو اور میرا دل بڑھاؤ اگر مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہو یا میں کوئی برا کام کر دوں تو مجھے ملامت اور سرزنش کرو کیوں کہ ہم میں سے کوئی شخص بھی انسانی کمزوری اور غلطی سے بری نہیں ہے۔ سپاہی اپنے سردار کی انکساری اور جذبۂ مساوات سے اتنے خوش ہوئے کہ وہ اس پر اپنی جان چھڑکنے لگے۔ موسیٰ نے بلا کسی توقف کے حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں اور ملک افریقہ میں اپنی فوج کو پھیلا دیا۔ اس دوران ایک واقعہ پیش آیا۔ فوج ریگستانوں میں دور تک نکل گئی تھی اس علاقے میں مدتوں سے بارش نہ ہوئی تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب لوگ پیاس سے مر جائیں گے چنانچہ موسیٰ نے دعا کی اور فوراً بارش ہونا شروع ہو گئی۔ بربری

کر انہیں پسپا کیا۔ جب یہ پر فوج شہر سجلماسہ پہنچی تو بربریوں نے طریف کا مقابلہ کیا لیکن موسیٰ کی فوج کے مقابلے میں کوہ اطلس کے جنگی قبائل کی شجاعت و بسالت ایک کام نہ آئی۔ انہوں نے بڑی طرح شکست کھائی اور بڑی تعداد قتل ہوئی اور کئی ہزار افراد گرفتار کر لئے گئے۔ باغیوں نے بھاگ کر دشوار گزار پہاڑوں میں پناہ لی لیکن موسیٰ نے ان کا تعاقب کر کے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔

ان مہمات میں موسیٰ کے چار بیٹے بھی ساتھ تھے۔ دو بیٹوں کو جنوب اور مغرب کی جانب روانہ کر دیا جہاں چند بربری قبائل ابھی تک آزاد تھے جن قبائل نے ان کا مقابلہ کیا ان کا صفایا کر دیا گیا۔ چند ماہ بعد وہ اپنے باپ کے پاس قیروان چلے آئے۔ موسیٰ نے اب بحری مہم کی سخت ضرورت محسوس کی کیونکہ رومی بحیرۂ روم کے جزائر سے نکل کر افریقیہ پر حملہ آور ہوتے رہتے تھے۔ انہوں نے قرطاجنہ کو مزید مستحکم بنایا اور سو جہاز بنا کر دریا میں ڈال دیئے گئے۔ ان کے لئے فوج الگ کر دی گئی۔ اور ان کا بیٹا عبداللہ امیر البحر مقرر ہوا۔ اس کے بعد اسلامی بیڑے نے بحیرۂ روم میں پیش قدمی کی اور صقلیہ سے آگے لینوسہ کو فتح کیا اور بیس ہزار دینار لے کر واپس آ گئے۔ چار برس بعد عبداللہ نے جزائر بلیارک اور جزیرہ سردانیہ کو فتح کر کے خلافتِ دمشق میں شامل کر دیا۔[1] بربریوں کے بے چین قبائل نے یہ دیکھ کر کہ مسلمانوں کی فوج بحری مہم پر چلی جانے سے اندرونِ ملک کم رہ گئی ہے بغاوت کر دی۔ مگر موسیٰ نے نہایت مستعدی کے ساتھ شدید کارروائی کر کے بغاوت کو کچل دیا۔ اور طنجہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ موسیٰ نے اپنے بربری النسل مولیٰ طارق بن زیاد کو جو ان کی فوج کا ایک افسر بھی تھا طنجہ کا گورنر مقرر کیا۔[2] یونانیوں کے پاس ملک مغرب میں یہی ایک قلعہ رہ گیا تھا۔ اس کی تسخیر سے افریقیہ میں بزنطینی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔ یہاں سے موسیٰ نے اپنے بیٹے مروان کو ایک فوج دے کر سوس الاقصیٰ کی جانب روانہ کیا جہاں سے بربریوں کی بغاوت کی خبر آ رہی تھی۔ بربریوں کو بڑی سخت سزا دی گئی جس کی مثال افریقیہ کی لڑائیوں میں کم ملتی ہے۔ بربریوں کو موسیٰ کی شوکت و جلالت اور جنگ و جدال سے اپنی ناکامی کا یقین ہو گیا۔ سبھوں نے اطاعت کی گردنیں جھکا دیں۔ رؤسائے بربر نے خراج کی ادائیگی قبول کی اور اپنے لڑکوں کو بطور یرغمال اسلامی لشکر کے حوالے کر دیا۔ ان مہمات میں جو بے اندازہ مال غنیمت از قسم بھیڑ بکری، گھوڑے اور لونڈی غلام مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ اس میں

---

[1] ابن اثیر ۴/۲۲ ، ذہبی ۵/۴ [2] بلاذری ۲۹۴ ۔

صرف قیدیوں کے خمس کی تعداد ستر ہزار تھی[1]۔ بربر اس سے قبل بار بار مرتد ہو جاتے تھے اور علم بغاوت بلند کر دیا کرتے تھے، موسیٰ نے بڑی حکمتِ عملی سے کام لیا۔ انہوں نے ان سے مخاطب ہو کر کہا کہ عربوں اور بربریوں میں جنگ و جدال ایک غیر فطری عمل ہے وہ سب اولاد عرب ہیں اور ان کے لئے مقدر ہو چکا ہے کہ وہ اپنے مشرقی بھائیوں کے ساتھ مل کر اسلام کی شاندار فتوحات میں برابر کے حصہ دار بنیں۔ افریقیہ کی آبادی عیسائیوں، یہودیوں اور بت پرستوں پر مشتمل تھی، جن میں بھاری تعداد بت پرستوں کی تھی۔ موسیٰ نے ان کو اسلام کی دعوت دی جس کو انہوں نے لبیک کہا۔ بربریوں کا وسیع پیمانے پر قبول اسلام موسیٰ کی حکمتِ عملی کا کمال تھا۔ موسیٰ نے ان کو اسلام سے مشرف کر کے ان میں دینی تعلیم دینے کے لئے علماء مقرر کئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بربر جو کسی طرح قابو میں آنے والے نہ تھے اسلام کے لئے بڑے کارآمد سپاہی بن گئے اور افریقیہ میں جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ اگر کہیں اکا دکا بت پرست قبائل باقی رہ گئے تھے تو وہ کوہ اطلس کی ترائیوں میں تھے۔

موسیٰ نے ملک مغرب کو فتح کر کے اپنے زیر نگیں علاقے کو اتنا وسیع کر دیا تھا کہ اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کو مصر کی ماتحتی سے الگ کر کے جداگانہ ولایت قرار دیا گیا جس کا دارالحکومت قیروان تھا اور والی براہ راست خلیفہ دمشق کے حکم سے مقرر ہونے لگے۔ اور موسیٰ یہاں کے پہلے امیر یا والی نامزد کئے گئے[2]۔ موسیٰ جس لق و دق علاقے پر حکومت کر رہے تھے وہ مصر کے مغربی حدود سے لے کر طنجہ تک پھیلا ہوا تھا بلحاظ وسعت یہ اس علاقے کے مساوی تھا جس پر حجاج حکومت کر رہا تھا لیکن باعتبارِ انتظامی صلاحیت اور قابلیت سپہ سالاری اس کی اہمیت اس سے کہیں زیادہ بڑھی ہوئی تھی ملک مغرب میں اب صرف سبتہ باقی رہ گیا تھا جو اس آبنائے کی کنجی تھا جو افریقیہ کو یورپ سے جدا کرتی ہے اس پر بادشاہ قسطنطنیہ کی جانب سے اسپین کے شاہان گاتھ کا مقرر کردہ گورنر کاؤنٹ جولین حکومت کر رہا تھا۔ طنجہ کے گورنر طارق بن زیاد نے اس قلعے کو فتح کرنے کی دوبارہ کوشش کی لیکن کاؤنٹ جولین نے دونوں حملوں کو ناکام بنا دیا۔

موسیٰ نے اپنے زیر تسلط علاقے پر اس خوش اسلوبی سے حکومت کی کہ ملک میں خوشحالی کا دور

---

[1] ابن خلدون ۱/۱۱۴؛ [2] مقری ۸۲

وہ پہنچ گیا۔ دیگر مذاہب کے مقابلے میں اسلام کی تمدنی اور ... کا ارتقا کیا گیا۔ یونانیوں کے قبضے سے نکل جانے کے بعد جزائر بیالرک یعنی میورقہ۔ مانورقہ۔ یابسہ اور جزیرہ سردانیہ کی بھی کایا پلٹ گئی۔ مسلمانوں نے افریقہ کے علاوہ یہاں بھی بڑی بڑی خوبصورت عمارتیں تعمیر کیں۔ مختلف دستکاریوں اور صنعتوں کو رواج دیا اور اس طرح ان جزائر کو بادی خوشحالی و ترقی کی راہ پر ڈال دیا۔ اگرچہ افریقہ میں فینقی، رومی، وینڈل اور بیزنطینی اقتدار غالب رہا تھا لیکن ان میں سے کسی کا بھی تمدن یہاں کے لوگوں پر کوئی گہرا نقش نہیں بنا سکا تھا۔ البتہ یہ معجزہ صرف دین اسلام کا تھا کہ یہاں کے نیم وحشی قبائل دیکھتے دیکھتے اسلامی رنگ میں رنگے گئے۔ ان کی زبان اور عقائد پر عربیت چھاتی چلی گئی۔ اور پھر جدید فتوحات کی دوڑ میں اسلام کو اپنی قوموں کی ڈاک چوکیاں ملتی چلی گئیں۔ مسیحی پادریوں نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ "اسلام حبشیوں کے حق میں رحمت الٰہی ہے۔ ان کی خصوصیات کو بدل دیتا ہے ان میں خودداری پیدا کرتا ہے۔ اپنی عزت کرنی سکھاتا ہے کوئی اور دین ایسا نہیں ہے"۔ بربریوں پر بھی اسلام نے ایسا ہی اثر کیا اور وہ پکے مسلمان ہو گئے۔ عربوں کی طرح ان میں بھی ایام جاہلیت میں جو عیوب تھے مسلمان ہو کر ان میں اتنی ہی خوبیاں پیدا ہو گئیں۔ غرض فاتحین کے خون میں تازگی بھرنے کیلئے جدید اور وسیع میدان اور نوخیز اسلام کو دنیا کی سیادت کی بلند منزل پر چڑھنے کیلئے ایک عمدہ زینہ میسر آگیا۔ شمالی افریقہ کے سواحل بحر اوقیانوس تک موسیٰ کے زیر اقتدار آگئے تو جنوب یورپ کے ہمسایہ ملکوں کو فتح کرنے کا راستہ کھل گیا۔ اس مقصد کی غرض سے طنجہ کی تسخیر مسلمانوں کیلئے نہایت مفید اور کارآمد ثابت ہوئی کیونکہ یہ بندرگاہ سبتہ سے کچھ فاصلے پر آبنائے پر واقع ہونے کی وجہ سے اسپین کے ساحل سے بہت نزدیک تھا اور یہاں مسلمانوں کو اپنی آئندہ فوجی مہمات کے لئے بحری سہولتیں میسر ہو گئیں۔

اسپین اسلامی حملے سے قبل

آج کل جزیرہ نما میں اسپین اور پرتگال کی دو علیحدہ علیحدہ سلطنتیں ہیں۔ لیکن پہلے یہ امتیاز نہ تھا اور کل جزیرہ نما ایک ہی ملک سمجھا جاتا تھا۔ زمانہ قدیم میں اس کو آئیبری لگوری۔ سلیٹ۔ قرطاجنہ (فینیقی) رومانی۔ سوبیوی۔ ایلن اور وینڈال قوموں نے وقتاً فوقتاً آباد کیا۔ سب سے پہلے آئیبری قوم نے جس کی اصل یونان سے تھی اس ملک کا نام آئیبریا رکھا۔ اور رومانیوں نے اس کو ہسپانیہ کا نام دیا۔ اہل قرطاجنہ کو چھوڑ کر باقی کل اقوام یورپی تھیں۔ اس ملک میں سب سے آخر میں بسنے والی وحشی قوم گاتھ کی تھی۔ جو مشرقی یورپ کے کسی مقام سے اٹھی۔ یونان۔ اٹلی و فرانس سے گذرتی اور اہل روما کی تہذیب و شائستگی کو تہ خاک کرتی اس کی ایک شاخ وزیگاتھ نامی ۴۱۲ء میں اسپین میں وارد ہوئی اور آہستہ آہستہ اسپین سے لے کر فرانس میں دریائے لوائر تک قابض ہو گئی۔ غرض مسلمانوں کے داخلے کے وقت یہاں مذکورہ بالا قومیں یا ان کی مخلوط النسل اولاد آباد تھی جو اسپینی قوم کی حیثیت رکھتی تھی اور جس کا مذہب عیسوی تھا۔

شاہانِ وزیگاتھ نے جب تک سادگی و جفاکشی کو اپنا شعار بنائے رکھا، ان کی سلطنت مستحکم رہی اور ملک نے زراعت و تجارت میں ترقی کی۔ لیکن جب انہوں نے اہل قرطاجنہ و روما کے تمام عیاشیوں کو بلا تامل قبول کر لیا، تو ان کی اخلاقی حالت کے ساتھ ملک کی اقتصادی

حالت بھی پستی کی انتہا تک پہنچ گئی۔ بادشاہ و امراء کے ذاتی اعلیٰ جاگیریں لئے غلام اور بندہ بے چارہ مجبور
تھے کیونکہ بادشاہ کا اخلاق معتقد نہ تھے۔ اس کے علاوہ شمالی افریقہ اسلام کے زیر سایہ مذہبی آزادی
اور اقتصادی خوشحالی میں نمایاں تھا۔ اس کے برخلاف یہ ملک جزیرہ نما اسپین شاہان گاتھ کی طوق
غلامی میں زندگی کے کانٹوں پر بچھا کر رہا تھا۔ اس ملک کی ایسی سقیم حالت کسی زمانے میں نہ ہوئی
تھی جیسی کہ ظالم و جابر گاتھ بادشاہوں کے عہد میں تھی۔ رومانیوں کے عہد کی طرح پادری، امراء اور آزاد
شہری ہر قسم کے ٹیکسوں سے بری تھے اور اس کا سارا بوجھ متوسط الحال طبقہ پر پڑتا تھا۔ بھاری
ٹیکسوں نے ان لوگوں کی حالت تباہی کے درجے تک پہنچا دی تھی۔ صنعتی و تجارتی اور زراعتی زندگی سرد
پڑ چکی تھی۔ زمینیں بنجر اور بستیاں اجاڑ پڑی تھیں۔ مختصر یہ کہ اس وقت ملک پر وہی تباہی و بربادی
کارفرما تھی جو مسلمانوں کے وہاں سے نکل جانے کے بعد اس پر نازل ہوئی۔

پورا ملک بڑی بڑی جاگیروں میں منقسم تھا۔ جن پر امراء اور اہل کلیسا قابض تھے۔ مسیحی دنیا
میں کسی اور جگہ پادریوں کو وہ عزت و تعظیم، وہ عیش و نشاط اور وہ حقوق حاصل نہ تھے جو کہ اسپین
میں تھے۔ جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں ان کی سیاسی و دینی صولت اپنے شباب پر تھی۔ یہی جماعت
قانون گاتھ کے مطابق بادشاہ کا انتخاب کرتی۔ قانون بناتی۔ محاصل لگاتی۔ بڑے بڑے معاہدے کرتی
جنگی مہموں میں دخیل ہوتی۔ فرامینِ شاہی کو رتبۂ تقدس عطا کرتی۔ اور جب تک بادشاہ ان کے احکام
کی تعمیل کرتا تو بادشاہ رہتا۔ ورنہ معزول کر دیا جاتا۔ لہٰذا ہر ایک مالدار و ذی اختیار کی امیدیں
تختِ شاہی سے وابستہ رہتیں۔ اس کا نتیجہ خانہ جنگی ہوتا۔ اسپین کی ہزار سال سے زیادہ کی تاریخ
اس کی شاہد ہے کہ یہ جماعت اپنے اختیارات کا بہت برا استعمال کرتی تھی۔ اگر خاندان شاہی، امراء
اور اہل کلیسا کی خانگی زندگی کو دیکھا جائے تو سب کے سب عیوب اور گناہوں کے ڈھیر تھے۔ پادریوں
کے شاندار و پر تکلف محلات اپنی شرابوں، نونہال حسن اور سیاسی سازشوں کے لئے ضرب
المثل بنے ہوئے تھے۔ اس فسق و فجور میں ان کو مزہ ہی نہ آتا تھا جس میں کسی مظلوم کے آنسو نہ نکل
آئے ہوں۔

ملک میں ایک بہت بڑا طبقہ غلاموں اور مزارعین کا تھا۔ جو زندگی کی تمام نعمتوں سے محروم
انتہائی پستی کی زندگی گزار رہا تھا۔ ملک کی زراعت ان کے ہاتھوں میں تھی۔ نیز اندرون غلام و مزارعین

— ور پادریوں کی جاگیروں پر مصروف بکاشت رہتے تھے۔ خدمت جبری تھی اور محصول بھی زیادہ تھا اپنے قدیم آقاؤں کے جابروں سے ان کی حیثیت بدتر ہو جاتی تھی تمام دن کی مشقت کے سبب جب پیداوار کا بڑا حصہ ہڑپ کر لیے جاتے اپنی تنگ زندگی کو شہر پہنچ کر پیچھے تو موسموں کی گرمی اور سیلوں کی ذلت سے ان کی نیندیں بھی حرام ہو جاتی ان غریبوں کو اتنا بھی تو اختیار نہ تھا کہ کسی چیز کو اپنی کہہ سکیں۔ اپنے آقاؤں کی مرضی کے بغیر وہ شادی بیاہ نہ کر سکتے تھے اگر دو ہمسایہ جاگیروں کے غلام و مزارعین آپس میں شادی کر لیتے تو ان کی اولاد ان کے آقاؤں میں مساویانہ تقسیم ہو جاتی۔ بغرض ان کی قسمت زمین کے ساتھ وابستہ تھی جس سے اگر چھٹکارا پایا جا سکتا تھا تو مر کر۔ آزادی کی امیدیں جن کا وہ نسلوں سے انتظار کرتے چلے آئے تھے اب بالکل ختم ہو چکی تھی۔

مذکورہ بالا طبقہ کے علاوہ ملک میں یہودی جماعت بڑی کی بھی تھی جو اگرچہ تعداد میں ان سے کمتر تھی لیکن شاہانِ وقت، امراء اور اہلِ کلیسا کے ظلم و جور کا ہدف بنے رہنے میں ان کی برابر کی شریک تھی۔ مسیحیوں کو عبرانی برادری سے جو قدیم دشمنی چلی آتی تھی وہ تمام محتاجِ بیان نہیں۔ اسپین میں ان کے ساتھ سخت مذہبی تشدد کیا جاتا تھا —————— طرح طرح کے الزامات تراش کر ان کو کلیسائی شکنجہ میں اس طرح کھینچا جاتا تھا۔ جو ان کا دم ہی لے کر چھوڑتا تھا۔ تاریخ اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ جہاں بھی کسی قوم نے اپنی رعایا کے حقوق مذہبی میں دست اندازی کی ہے وہیں بلا کسی استثنا کے اس کی حکومت تنزل پذیر ہو گئی۔ مسلسل ایذائیں برداشت کرتے کرتے جب یہودیوں کا کلیجہ پک اٹھا تو انہوں نے پیسے افریقی بھائیوں کے ساتھ سازش کر کے سلطنت گاتھ کا تختہ الٹنا چاہا۔ لیکن بعض تنظیمی خامیوں کی وجہ سے بغاوت ناکام رہی (۶۹۸ء) قتل عام، سرکاری ملازمت سے محرومی۔ آبرو ریزی اور ضبطی جائداد وہ خوفناک نتائج تھے۔ جو ان کو اس بغاوت کی پاداش میں بھگتنے پڑے جو بچ رہے لونڈی غلام بنا لئے گئے۔ اور نوے ہزار یہودیوں کو صرف ایک دن میں زبردستی عیسائی بنا لیا گیا۔ پادریوں کی سرکار سے ایک حکم کے ذریعے ان کو پابند کر دیا گیا کہ وہ آئندہ عیسائی لونڈی و غلام سے بیاہ کریں اور ان کی اولاد کو دینِ مسیحی کی تعلیم دی جائے[1]۔

جس زمانے میں کہ موسیٰ افریقہ پر حکومت کر رہا تھا۔ اسپین کے تخت پر ایک غاصب

---

[1] اخبار الاندلس $\frac{1}{198 - 212}$ ۔

ممکن تھا۔ راڈرک نامی ایک فوجی افسر خاندانِ گاتھ کے آخری بادشاہ وِیٹزا کو قتل کر کے سلطنت پر قابض ہو گیا تھا۔ وِیٹزا کے بیٹوں نے بھاگ کر اپنے ماموں جولین گورنر سبتہ کے پاس پناہ لی۔ جن امرا نے غاصب کی مخالفت کی، ان پر غضب کشی ہوئی اور ان کے قلعے مسمار کر دیئے گئے۔ ملک میں اگرچہ بظاہر امن قائم ہو گیا تھا مگر اس کی تہ میں بے چینی و بے اطمینانی کروٹیں لے رہی تھی۔ اس زمانے میں جو لوگ گاتھوں اور لاٹ پادریوں کے ہاتھوں جاں بہ لب ہو رہے تھے۔ اسلامی افریقہ کو جائے امن و سلامتی تصور کرتے تھے چنانچہ بہت سے اسپینی ان کے ظلم و ستم سے بچنے کے لئے بھاگ کر وہاں چلے گئے۔ الغرض مسلمان جس وقت سواحل اسپین کے قریب پہنچے ہیں پورا ملک تمدنی تفریقوں اور امراء کی نااتفاقیوں کا شکار ہو رہا تھا۔ مفلس و قلاش شہری، تباہ و خستہ حال غلام و مزارعین اور مظلوم و مقہور یہودی طلیطلہ کے تخت کے گرد ایسا آتش گیر مادہ تھے جس کو محض چنگاری دکھلانے کی دیر تھی۔ سب کے سب اک ذرا سی تحریک پر بلوہ کرنے کو تیار تھے آخر ان کے انتہائی یاس انگیز لمحات میں نجات و مخلصی آن کر پہنچی لیکن ایک بالکل غیر متوقع سمت سے۔
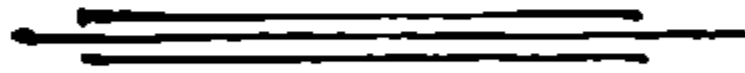
٥١

فتح اسپین

حملے کے اسباب

جزیرہ نما اسپین عام سیاسی اضطراب، اقتصادی زبوں حالی اور معاشرتی خستہ حالی کا شکار ہو رہا تھا کہ دفعتاً ایک واقعہ اس پر مسلمانوں کے حملے اور اس کی مکمل تسخیر کا سبب بن گیا۔ اس زمانے کے دستور کے مطابق اکابر سلطنت اپنی اولاد کو درباری آداب سیکھنے کے لیے خاندانِ شاہی میں چھوڑ دیا کرتے تھے اس رسم کی پابندی میں کاؤنٹ جولین حاکم سبتہ کو بھی اپنی بیٹی فلورنڈا کو پایۂ تخت طلیطلہ بھیجنا پڑا۔ راڈرک اس کے حسن و جمال پر ایسا فریفتہ ہوا کہ اپنی ہوس کا نشانہ بنا ڈالا۔ دکھی فلورنڈا نے خفیہ اپنے باپ کو اس واقعے کی اطلاع کی۔ جولین کو اس سے سخت برہمی ہوئی اور غاصب کی سلطنت کو برباد کرنے کا تہیہ کرلیا۔ وہ فوراً طلیطلہ آیا۔ دربارِ شاہی میں حاضر ہو کر کسی علامت سے اپنے غم و غصے کا اظہار نہ ہونے دیا۔ بادشاہ نے جولین کو الطافِ خسروانہ سے نوازا۔ جولین نے حیلہ کر کے فلورنڈا کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے شاہی اجازت حاصل کرلی۔ جولین کو رخصت کرتے وقت بادشاہ نے اس سے کچھ باز بھیجنے کی فرمائش کی۔ جولین نے جواب دیا کہ "قسم ہے مسیح کی کہ اگر میں زندہ رہا تو ایسے باز بھیجوں گا کہ آپ نے کبھی نہ دیکھے ہوں گے۔" ان بے نظیر بازوں سے اس کا مقصد اہلِ عرب تھے چوں کہ بادشاہ کو جولین پر اب تک کوئی شبہ نہ تھا۔ اس لیے وہ اس کا مطلب سمجھ سکا۔

جولین نے سبتہ پہنچتے ہی طنجہ کے گورنر طارق سے خط و کتابت شروع کردی اور بعد ازاں قیروان پہنچ کر موسیٰ کو سبتہ کی کنجیاں حوالے کردیں اور اس کو جزیرہ نما کی تسخیر پر ابھارا۔ اس نے وہاں کی زرخیزی، پیداوار، دریاؤں کی بہتات، پانی کی شیرینی وغیرہ کا ایسا دل کش نقشہ کھینچا کہ عرب جرنیل کا

منہ میں پانی بھر آیا اور اس نے فوج کشی کا تہیہ کر لیا۔ لیکن ایک دانش مند اور قابل سپہ سالار کی طرح اس نے بطور آزمائش پہلے خود جولین کو حملہ کرنے کو کہا۔ جولین آتشِ انتقام سے جل ہی رہا تھا۔ فی الفور اپنی جماعت کے ساتھ جزیرۃ الخضرا کے مقام پر اترا اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کر کے بہت سی غنیمت اور قیدی لے کر واپس آ گیا۔ اس کے بعد موسیٰ نے فوج کشی کے لئے خلیفہ ولید سے اجازت طلب کی جو تھوڑے پس و پیش کے ساتھ اس کو حاصل ہو گئی۔ موسیٰ نے مزید اطمینان کے لئے اپنے ایک بربری النسل مولا طریف کو چار سو سواروں کے ساتھ اسپین سے حالات کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا۔ طریف جس مقام پر لنگر انداز ہوا وہ اب تک طریفہ موسوم ہوتا آتا ہے۔ چند دنوں بعد طریف لوٹ مار کر کے واپس آ گیا اور جزیرۃ الخضرا کے بہت سے قیدی و غنیمت ساتھ لایا۔ ہر طرح سے اطمینان کر لینے کے بعد موسیٰ نے سات ہزار بربر سواروں کے ساتھ طارق کو باقاعدہ لشکر کشی کا حکم دیا۔ اور جولین کو بھی اس کی رہنمائی کے لئے اس کے ساتھ جانے کو کہا۔

طارق کا حملہ

طنجہ سے روانہ ہو کر طارق ماہِ شعبان ۹۲ھ ۷۱۱ء میں اسپین کے جنوبی ساحل پر جن پہاڑیوں کے دامن میں لنگر انداز ہوا وہ اس کی نسبت سے اب تک جبل الطارق کہلاتا ہے۔ ساحل پر اترتے ہی اس نے اپنی شجاعت اور قابلیتِ سپہ سالاری کا ثبوت اس طرح دیا کہ جن سفینوں پر اسلامی فوج آئی تھی، ان کو آگ لگا کر غرق کر دیا اور مجاہدین کو مخاطب کر کے کہا کہ "اب واپسی کا کوئی ذریعہ باقی نہیں ہمارے لئے بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ فتح و نصرت حاصل کریں یا لڑ کر اپنی جانیں دے دیں۔" طارق کی پہلی مڈ بھیڑ صوبہ مرسیہ کے گورنر تھیوڈمیر سے ہوئی تھیوڈمیر نے شکست کھائی اور راہِ فرار اختیار کی اور راڈرک کو جو اس وقت شمال میں کسی بغاوت کے فرو کرنے میں مصروف تھا۔ واقعہ سے مطلع کیا اس اثناء میں طارق نے جزیرۃ الخضرا کے علاقوں کو پامال کر ڈالا۔ اور قرطبہ تک پہنچ گیا۔

وادی لکہ کی جنگ

تھیوڈمیر کی وحشت ناک خبر مسموع ہوتے ہی راڈرک شمال سے یلغار کرتا قرطبہ پہنچا اور وہاں سے تقریباً ایک لاکھ ۲۰ ہزار لشکر کے ساتھ اس نئی آفت کا مقابلہ کرنے کے لئے جنوب کی طرف روانہ ہوا اس درمیان میں طارق کی درخواست پر موسیٰ نے مزید ۵ ہزار سواروں کی کمک روانہ کر دی جس سے مسلمانوں کی مجموعی قوت بارہ ہزار

ہوگئیں۔ دونوں فریق جزیرہ نما کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے وادی لکہ واقع شذونہ میں ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ صفوں کو ترتیب دینے کے بعد طارق نے ایک ایسی دلولہ انگیز تقریر کی جس سے مجاہدین کے ایمان، استقلال اور قلوب شوقِ شہادت سے معمور ہو گئے۔ ماہ رمضان ۹۲ھ میں ہنگامہ کارزار شروع ہوا اور سات روز تک فیصلہ جنگ معلق رہا۔ آٹھویں روز گھمسان لڑائی کے بعد گاتھوں کے میمنہ اور میسرہ نے جو شاہ وطیزا کے بیٹوں کی کمان میں تھے میدان چھوڑ دیا۔ البتہ قلب لشکر جس کی کمان خود راڈرک کر رہا تھا کچھ دیر جم کر لڑا۔ آخر کار طارق نے سواروں کے ایک منتخب دستے کے ساتھ اس شدت سے حملہ کیا کہ غنیم کے پاؤں اکھڑ گئے اور گاتھوں کی تین سو سالہ سلطنت نے طارق کی گود میں دم توڑ دیا۔ دشمن کی افواج بکمال سراسیمگی اس طرح منتشر ہو گئیں جس طرح ہوا کے تیز جھونکے سے برگہائے خزاں دیدہ۔ راڈرک فرار کی کوشش میں دریا کے نذر ہو گیا۔ تین ہزار مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ دشمن کی بے شمار لاشوں کے ڈھیر میں وہ نامی گرامی سپہ سالار بھی تھے جو یورپ کی اکثر لڑائیوں میں اپنی شہرت کا ڈنکہ بجا چکے تھے جو غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔ اس میں لاتعداد آلاتِ حرب اور گھوڑوں کے علاوہ بے قیاس زر و جواہرات اور سونے چاندی کے ظروف بھی تھے جنہیں راڈرک اپنی افواج کا دل بڑھانے کے لئے اپنے ساتھ لایا تھا۔ مجاہدین میں غنیمت کی تقسیم کے بعد طارق نے موسیٰ کو فتح کی خوشخبری اور اسپین کے مفصل حالات سے مطلع کیا۔ اپنے مولا کی شاندار کامیابی سے موسیٰ کی رگِ غیرت جنبش میں آ گئی۔ طارق کو فرمان بھیجا کہ جہاں تک پہنچ چکے ہو وہیں رک جاؤ میں خود آتا ہوں۔ اس طرح موسیٰ کو فوجیں اکٹھا کرنے میں تقریباً ایک سال کا عرصہ گذر گیا۔

شذونہ، قرمونہ، اشبیلیہ اور استجہ کی فتوحات

وادی لکہ کی فتح نے وادی الکبیر سے متصل قریب قریب کل جنوبی علاقہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں دے دیا۔ طارق نے میدان جنگ سے نکل کر شذونہ، شریش، مورور، قرمونہ اور اشبیلیہ کو زیادہ دشواری کے بغیر فتح کر لیا۔ اشبیلیہ کے لوگوں نے جزیہ کی ادائیگی کی شرط پر صلح

---

[1] اخبار مجموعہ ۱۴ ـ ۳۶

کرلی۔ یہ قلعہ بند شہر تھا اور اپنی خوب صورت عمارتوں کے لئے مشہور تھا اور گاتھوں سے پہلے دارالحکومت
رہ چکا تھا۔ استجہ میں مسلمانوں کو سخت محاربہ پیش آیا کیونکہ راڈرک کا ٹوٹا پھوٹا لشکر اہل استجہ کے
ساتھ تھا جیسا کہ وہ جی توڑ کر لڑے لیکن شہر کو فتح سے نہ بچا سکے اس جنگ میں مسلمانوں کی کثیر تعداد نے
جام شہادت نوش کیا[1]۔ خدا تعالیٰ نے کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا تھا جب انہوں
نے دیکھا کہ طارق ہر جگہ پہنچنے والا ہے اور مال غنیمت حاصل کرنے پر راغب ہے تو وہ آبادیوں
میں ہر چیز کو اپنی حالت پر چھوڑ کر دور دور گھاٹیوں میں چلے گئے۔ جو لوگ صاحب ثروت تھے وہ اپنے
دارالمملکت طلیطلہ کو چلے گئے۔ طارق نے عیسائیوں کے دلوں میں رعب ڈالنے کی ایک یہ ترکیب کی
تھی کہ قیدیوں کے سامنے اپنے آدمیوں سے انسانوں کے گوشت کی تفصیل بیان کیا کرتا اور مقتولین کے
گوشت کو ہانڈیوں میں ڈلوا کر ان کے سامنے پکواتا۔ کہ قیدیوں کو معلوم ہو کہ یہ لوگ آدمیوں کا گوشت
کھاتے ہیں۔ جو قیدی یہاں سے چھوٹ کر جاتے تو وہ اپنے ہم قوموں سے اس کا تذکرہ کرتے تو ان کے
دلوں پر بھی رعب طاری ہو جاتا اور جدھر طارق کا آنا سنتے وہاں سے سر پر پیر رکھ کر بھاگ جاتے
طارق مفتوحہ شہروں کی حفاظت پر چند مسلمانوں کو چھوڑ دیتا اور وہاں کی حکومت یہودیوں کے سپرد
کر دیتا۔ جہاں یہودی نہ ملتے تو ان شہروں میں مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کر دیتا۔ استجہ ہی میں
طارق کو موسیٰ کا فرمان ملا لیکن ایسے وقت میں جبکہ دشمن ہزیمت کھا کر مرعوب ہو چکا تھا حکم کی تعمیل
سیاسی مصالح کے منافی تھی چنانچہ اس نے جولین اور اپنے دوسرے فوجی سرداروں کے مشورے سے
پیش قدمی کو جاری رکھا۔

مالقہ۔ غرناطہ اور قرطبہ کی تسخیر

طارق نے اپنے رکاب کی فوج کو بلاد اسپین میں پھیلا دیا۔ اپنے نائب مغیث الرومی
کو جو خلیفہ ولید کے غلاموں میں سے تھا سات سو سواروں کا دستہ دے
کر قرطبہ کی جانب جانے کا حکم دیا۔ زبیر کو ایک فوج کے ساتھ مالقہ کی طرف
روانہ کیا اور ایک تیسرے افسر کو غرناطہ کی طرف بھیجا اور خود اپنی باقی ماندہ فوج کے ساتھ پایۂ تخت
طلیطلہ کے ارادے سے شمال کی جانب اس نے اپنی یادگار یلغار کا آغاز کیا جس میں مالقہ اور غرناطہ بھی

---

[1] مقری ۹۲۔

گئی تھیں معمولی مزاحمت کے بعد کامیابی پر منتج ہوئیں۔ البتہ قرطبہ کی تسخیر میں مسلمانوں کو ذرا دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ ایک بہت مستحکم قلعہ بند شہر تھا اور یہاں یہاں کے بڑے بڑے لوگ طلیطلہ بھاگ چکے تھے۔ شہر کے قریب پہنچنے پر مسلمانوں کو ایک مقامی چرواہا ہاتھ آگیا جس نے ایک ایسے مقام کی نشاندہی کردی جہاں شہر پناہ میں رخنے پڑے ہوئے تھے اور قریب ہی انجیر کا ایک بہت بڑا درخت لگا ہوا تھا۔ خوش قسمتی سے اُس وقت خفیف سی بارش شروع ہوگئی جس نے مسلمانوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز کو چھپا لیا۔ اور وُہ رات کی تاریکی میں شہر پناہ تک پہنچ گئے۔ مسلمانوں کی ایک جماعت درخت کے ذریعے فصیل پر چڑھ گئی۔ فوج کا دوسرا حصّہ شہر کے پھاٹک کے قریب جاکر چھپ گیا جو جماعت دیوار پر چڑھ گئی تھی اُس نے نیچے کود کر پاسبانوں کو قتل کرکے پھاٹک کھول دیا۔ مغیث اپنی فوج کے ہمراہ شہر میں داخل ہوگیا۔ شہر میں سراسیمگی دوڑ گئی۔ یہاں کے حاکم نے اپنے چار سو آدمیوں سمیت بھاگ کر ایک کنیسہ میں پناہ لی مسلمانوں نے کنیسہ کا محاصرہ کرلیا جو تین ماہ تک جاری رہا جب محصورین نے اسلام یا جزیہ قبول کرنے سے انکار کردیا تو مسلمانوں نے کنیسہ کو آگ لگادی جس سے محصورین جل کر خاک ہوگئے۔ البتہ حاکم شہر نے بچ کر بھاگ نکلنے کی کوشش کی لیکن وُہ گرفتار کرلیا گیا۔ عیلائی و یہودی دوا بیوں کا سدِّ باب کرنے کی غرض سے مغیث نے یہاں کی حکومت یہودیوں کے سپرد کردی اور تھوڑی محافظ فوج چھوڑ کر طلیطلہ روانہ ہوگیا۔[1]

طارق کا طلیطلہ میں داخلہ

اسلامی حملے نے پورے ملک میں ایک ہلچل مچی ہوئی تھی۔ وسطی سپین کو فتح کرتا جس وقت طارق براستہ جیان طلیطلہ میں داخل ہوا تو اس کو خالی پایا۔ صرف یہودی اور غلام اپنے نجات دہندوں کو خوش آمدید کہنے کے لئے رک گئے تھے۔ عیسائی عمائدین اور پادری اپنی ذاتی اور کلیسائے اعظم کی جس قدر دولت وہ لے جاسکتے تھے۔ سمیٹ کر شمال میں اشتوراس کی پہاڑیوں یا جنوبی فرانس کی طرف نکل چکے تھے۔ اس رفیع الشان شہر طلیطلہ کے قدرتی و مصنوعی استحکامات ایسے تھے کہ وہ کسی عظیم الشان سلطنت کا پایہ تخت بن سکے۔ تمام شہر سنگِ خارا کا ایک عظیم الشان قلعہ معلوم ہوتا تھا جس کی

---

[1] مقری ۱۶۱ - ۱۵۹ و اخبار مجموعہ ۲۲ - ۲۳

پاسبانی تین طرف سے تیز رو تاجہ اور جبال طلیطلہ کے زنجیرے گرد ہے تھے اور شمال میں نہایت مضبوط اور خوب صورت دوہری فصیل۔ طارق نے شہر کی حفاظت پر یہودیوں کو چھوڑا اور عیسائیوں کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔ ایک مقام پر ان کو جا لیا اور تمام دولت پر قبضہ کر لیا بعد ازاں واپس طلیطلہ کی طرف مراجعت کی ہیرے جواہرات، زیورات اور سونے چاندی کے ظروف کی شکل میں جو غنیمت ہاتھ آئی تخیلِ انسانی کی بلند ترین پرواز بھی اس کو تعینات کے دائرے میں اسیر نہیں کر سکتی۔ فنی نوادرات میں ایک میز بھی تھی جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب تھی، یہ میز سونے اور چاندی سے وضع تھی۔ اس کے گرد موتیوں، یاقوت اور زمرد کے علی الترتیب تین حلقے تھے اور پایوں کی تعداد ۳۶۵ تھی[1]۔

اندلس میں موسیٰ کی فتوحات

اس وقت موسیٰ پچھتر کے لگ بھگ تھا مگر اس کی جنگجویانہ صفات ایسی نہ تھیں کہ کبر سنی یا بڑھاپے سے دب جائیں یا ضعفِ جسمانی ان کو کمزور کر دیتا۔ وہ اٹھارہ ہزار عرب سپاہ کے ساتھ ماہ رمضان ۹۳ھ/۷۱۲ء جزیرۃ الخضرا میں آکر اترا اور جوشِ رشک میں اپنی فتوحات کے لئے ایک نیا میدان چاہا جو طارق کے کارنامے کو گرد کر دے چنانچہ جولین کے آدمیوں کے مشورے سے اس نے مغربی اسپین کا راستہ اختیار کیا جدھر ابھی فوج کشی نہیں ہوئی تھی۔ اشبیلیہ و قرمونہ کی بغاوتوں کو فرو کرتا اور باجہ ملیبہ کو فتح کرتا اس نے ٹھیک ماردہ میں مرکز کا۔ یہ شہر اہل روما کا پایۂ تخت رہ چکا تھا اپنی عظیم الشان عمارات اور پلوں کی وجہ سے اسپین کا روما الکبریٰ کہلاتا تھا۔ اور استحکامات کی شہرت رکھتا تھا۔ لیکن موسیٰ کی فوج نے اس خیال کو غلط کر دکھایا۔ ایک سخت محاصرہ کے بعد اہل شہر نے بروز عید الفطر (۹۴ھ/۷۱۳ء) اس قلعہ کی کنجیاں موسیٰ کے حوالے کر دیں[2]۔ شرائطِ معاہدے کے مطابق کنیسوں کی دولت اور ان عیسائیوں کا مال و متاع جو محاصرہ کے پہلے روز مارے گئے تھے یا شمال کے باغیوں کے پاس بھاگ کر چلے گئے تھے مسلمانوں کی ملکیت قرار پایا[3]۔ ماردہ کے محاصرے کے دوران لبلہ و باجہ میں بغاوت پھوٹ نکلی عیسائیوں نے ایک سو مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ موسیٰ نے اپنے بیٹے عبد العزیز کو باغیوں کی سرکوبی پر مامور کیا۔ عبد العزیز نے فوری اور

---

[1] مقری ۱۰۶ [2] اخبار مجموعہ ۵۰۔ ۴۸ [3] مقری ۱۰۴ –

شعلہ بار روانی کرکے امن بحال کر دیا۔

مرسیہ کی فتح

اسی اثنا میں تھیوڈومیر نے عبدالعزیز سے ایک جنگ میں فاش شکست کھائی اور اپنی تقریباً پوری فوج کٹوا کر اپنے صدر مقام اریولہ میں قلعہ بند ہو گیا۔ عبدالعزیز نے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ شہر میں عورتوں، بچوں اور ضعیف مردوں کے علاوہ کوئی نوجوان نہ تھا چنانچہ تھیوڈومیر نے عورتوں کو حکم دیا کہ بال کھول کر ہتھیار لے کر فصیل شہر پر کھڑی ہو جائیں۔ اور ان کے سامنے بقیۃ السیف آدمیوں کو کھڑا کر دیا۔ بعدازاں وہ بھیس بدل کر عبدالعزیز کے پاس آیا اور کہا کہ ہمارے رحمدل حاکم کو خونریزی منظور نہیں۔ ہمیں آپ کی عالی حوصلگی و مردانگی سے قوی امید ہے کہ پیغام مصالحت کو قبول کریں گے۔ اگر آپ عہد کریں کہ اہل قلعہ کو بمعہ مال و اسباب نکل جانے دیں گے تو کل صبح کنجیاں آپ کے حوالے کر دی جائیں گی ورنہ اس کی ناکہ بندیاں کو آپ خود ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ جب تک ہم میں سے ایک ایک فرد نہ قربان ہو جائے گا۔ آپ شہر پر قابض نہ ہو سکیں گے۔ عبدالعزیز عیسائیوں کی قوت قلعے کے استحکامات سے دھوکے میں آ گیا اور مناسب یہی سمجھا کہ صلح کر لی جائے۔ معاہدے پر دستخط ہو جانے کے بعد مصنوعی ایلچی نے اپنی اصلیت ظاہر کر دی اور کہا کہ میں ہی ہوں تھیوڈومیر شہر کا حاکم۔ دوسرے روز مسلمان جب شہر میں داخل ہوئے تو وہاں صرف عورتوں اور بچوں کو پایا۔ عبدالعزیز نے حیرت سے دریافت کیا کہ آپ کے وہ مرد کہاں ہیں جو فصیل کی حفاظت کر رہے تھے؟ جواب میں تھیوڈومیر نے انہیں عورتوں اور بچوں کی طرف اشارہ کر دیا اور کہا کہ میرے پاس مرد ہی کہاں رہ گئے تھے جن سے شہر کی مدافعت کرتا۔ عبدالعزیز اپنے کئے پر بہت پچھتایا لیکن معاہدہ کی پوری پابندی کی اور تھیوڈومیر کی دلیری اور خوش تدبیری سے اس قدر مسرور ہوا کہ اس کو صوبے کی گورنری پر بحال رکھا[1]۔ عیسائیوں نے جزیہ و خراج کی ادائیگی کی شرط پر اطاعت کر لی۔ اس وقت سے صوبہ مذکور ارض تدمیر کہلانے لگا۔ یہ تھی اصول شجاعت کی پہلی مثال جو عربوں نے سرزمین اسپین پر اترتے ہی قائم کی۔

---

[1] مقری ۹۸ – ۹۷

موسیٰ اور طارق کی ملاقات

ماردہ کی تسخیر کے بعد موسیٰ طلیطلہ کی جانب روانہ ہوا۔ طارق نے شہر سے نکل کر اپنے آقا کا استقبال کیا۔ طارق کی حکم عدولی کی وجہ سے موسیٰ نے چابک سے اس کی خبر لی اور سپہ سالاری سے معزول کر دیا۔ لیکن اس فوری تنبیہ کے چند روز بعد اس سے راضی ہو کر اس کے عہدے پر بحال کر دیا اور مغیث الرومی کو فتح کا تحفہ اور غنائم کی تفصیل سے خلیفہ کو مطلع کرنے کے لئے دمشق بھیج دیا۔ بعد ازاں وہ شمالی اور مشرقی اسپین کی تسخیر کو نکلا اور طارق کو اپنا مقدمۃ الجیش بنایا۔ شلنکا اور سمورہ کے قلعوں کے متعلق زمانۂ قدیم سے یہ خیال چلا آتا تھا کہ یہ فتح نہیں ہو سکتے لیکن موسیٰ کی تلوار کا ایک وار بھی نہ سہہ سکے۔ اور اپنے دروازے کھول دیئے۔ اسی طرح طارق بھی جہاں جہاں پہنچا تمام بڑے شہر آ کر اطاعت کر لیتے۔ مختصر یہ کہ اس نے سرقسطہ، لاردہ، وشقہ، مدینہ سالم، تطیلہ، طرکونہ، جرندہ، برشلونہ، طرطوشہ، شاطبہ، دانیہ وغیرہ کے عیسائیوں کو عہد نامے لکھ دیئے۔ اور موسیٰ نے ان کی تکمیل و توثیق کر دی۔[1]

اس مہم میں جبکہ دلاوران فرانس موسیٰ کے سامنے بھاگے جاتے تھے تو انہوں نے اس خطرہ عظیم کی طرف چارلس کی آنکھیں کھولتے ہوئے اس سے شکایت کی کہ "دیکھئے ابھی اور کیا کیا مصیبت ہمارے اعقاب پر پڑنے والی ہے۔ ہم تو یہ سنتے آئے ہیں کہ عربوں کا خوف مشرق کی طرف سے ہے مگر یہ لوگ تو مغرب کی طرف سے آ پہنچے۔ اور تمام بلاد اسپین پر چھا گئے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ان کی جمعیت بہت کم ہے اور ان کے پاس آلات حرب بھی زیادہ نہیں ہیں۔" چارلس شمالی فرانس کے شاہی خاندان میرو ونجی کے کمزور و نااہل بادشاہ لوتھیر کا وزیر اعظم تھا اور سلطنت کے سیاہ و سپید کا مالک تھا۔ اس نے جواب دیا کہ "میری رائے تو یہ ہے کہ ان کی کچھ پروا ہی نہیں کرنی چاہیئے۔ اس وقت یہ لوگ سیل کی طرح ہیں کہ جو کچھ ان کے سامنے آتا ہے اس کو بہا لے جاتا ہے۔ اس وقت ان کا اقبال مساعد ہے۔ ان کے ارادوں اور نیتوں نے کثرت جمعیت سے اور بڑھے ہوئے دلوں نے ہتھیاروں سے ان کو مستغنی کر رکھا ہے۔ ان کو چند روز کے لئے ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے جب ان کے ہاتھ مال غنیمت سے بھر جائیں گے۔ اور کہیں رہنا سہنا شروع کر دیں

---

[1] مقری ۱۰۷

اسپین عربوں کی بدولت محفوظ رہا۔"

موسیٰ نے اپنے بیٹے عبدالعزیز کو امیر اسپین مقرر کر کے اشبیلیہ کو دارالامارت قرار دیا۔ دوسرے بیٹوں عبدالملک اور عبداللہ کو علی الترتیب طنجہ اور قیروان کی حکومت پر مامور کیا۔ بعد ازاں بے شمار قیدیوں اور مال غنیمت کے ساتھ شام کی جانب روانہ ہوگیا۔ اس وقت ولید بستر مرگ پر پڑا تھا جب موسیٰ نواحِ دمشق میں پہنچا تو نامزد جانشین سلیمان کا پیغام ملا کہ دارالخلافہ میں داخل ہونے میں عجلت نہ کرے۔ مقصد یہ تھا کہ موسیٰ اتنی بڑی غنیمت کے ساتھ اس کی تخت نشینی کے وقت دمشق میں داخل ہو تاکہ مال غنیمت کا خمس اس کو ملے اور عوام کی نظر میں اس کی قدر و منزلت بڑھ جائے۔[1] موسیٰ نے اس کی پروا نہ کی اور اپنے ولی نعمت کی زندگی ہی میں حاضرِ دربار ہوگیا۔ ولید مارے خوشی کے بے تاب ہوگیا اور اس لائق جرنیل پر الطاف و کرم کا مینہ برسا دیا۔ اس کے بیٹوں اور پانچ سو غلاموں کو بھی جنہوں نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ بڑے بڑے صلے و جائزے عطا کئے۔ چند روز بعد جب ولید نے وفات پائی اور سلیمان کی تخت نشینی عمل میں آئی تو موسیٰ پر شاہی عتاب نازل ہوا اس پر اتنا بھاری تاوان عائد کیا گیا کہ جس کی ادائیگی کے لئے وہ روساءِ عرب سے بھیک مانگتا پھرتا تھا۔ لیکن ہر شخص سلیمان کے خوف سے اس سے ملنے سے کتراتا تھا۔ آخر کار ایک سال بعد افریقیہ اور اسپین کے فاتح نے انتہائی ذلت و بے کسی کی حالت میں اپنے وطن وادی القریٰ میں دم توڑ دیا۔[2] موسیٰ کی طرح اس کے بیٹے بھی سلیمان کی تنگ نظری کا شکار ہوگئے۔ موسیٰ لخمی تھا اور اس کا باپ حضرت امیر معاویہؓ کا باڈی گارڈ تھا۔ حکومت افریقیہ پر اپنی تقرری سے لے کر دمشق اپنی واپسی تک موسیٰ سترہ سال کامل مغرب میں فتوحات اسلامیہ کا مقدمۃ الجیش بنا رہا۔ اس طویل مدت میں ایک نئی نسل پیدا ہوکر ہمیشہ اس کو ایک نیک و صالح مرد، ایک ہزیمت ناآشنا فاتح دیکھتی و سنتی اور کارناموں پر فخر کرتی جوان ہو چکی تھی اس نے پورے ملک مغرب کو فتح کر کے افریقیہ کے والی کی سیاسی حیثیت کو بلند کر دیا۔ حضرت

---

[1] مقری ۱۱۵ [2] مقری ۱۱۹

گے۔ تو ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کریں گے، نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی ایک کی مدد کریگا اور کوئی دوسرے کی، آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ اس وقت ان کا کام بآسانی تمام کیا جا سکتا ہے۔" حقیقت یہ ہے کہ وہی ہوا جو اس شخص نے کہا تھا۔

کہتے ہیں کہ جس وقت موسیٰ شمال و مشرقی بلاد کو فتح کرتا کوہ پیرنیز کی بلندیوں پر پہنچا ہے تو اس کے دل میں تسخیر یورپ کی اُمنگ پیدا ہوئی۔ اس کی خواہش تھی کہ اٹلی، فرانس اور یونان کو سر کرتا ہوا براستہ خشکی دربارِ خلافت میں حاضر ہو۔ اس مہم کو سالِ آئندہ پر موقوف کر کے وہ اسپین کے شمال مغربی صوبہ کی جانب متوجہ ہوا اور اس کا چپہ چپہ کھوند ڈالا۔ اشتورقہ، لیون، لک وغیرہ مفتوح ہو گئے۔ موسیٰ کے یورپ میں تسخیر کے ارادوں کی خبر شدہ شدہ خلیفہ ولید تک پہنچ چکی تھی۔ اس کو لشکرِ اسلام کا اتنی دور دارالکفر میں اس قدر توغل و انہماک پسند نہ آیا۔ چنانچہ موسیٰ اپنی قوت و شوکت کے اظہار میں سرگرم تھا کہ مغیث الرومی اس کی واپسی کا حکم لے کر پہنچا[1]۔ جلیقیہ کی تسخیر ابھی مکمل نہ ہوئی تھی۔ موسیٰ نے خوشامد کر کے مغیث کو تاخیر پر آمادہ کر لیا۔ کچھ عرصہ بعد ایک دوسرا ایلچی ابو نصر تہدید آمیز فرمان لے کر پہنچا[2]۔ اب موسیٰ واپسی کے لئے مجبور ہو گیا اور یورپ کی تسخیر کی حسرت اس کے دل ہی میں رہ گئی۔

اس میں شبہ نہیں کہ ملکِ شام کو اسپین سے براستہ خشکی ملانے کا اس سے بہتر موقع ہاتھ نہ آ سکتا تھا۔ مسلمان متفق و متحد تھے اور افریقیہ کی کبھی نہ ختم ہونے والی آبادی لاکھوں مجاہدین مہیا کر سکتی تھی۔ اس وقت ایشیا کی طرح وسطی یورپ بھی سیاسی اور معاشرتی انتشار کی حالت میں تھا۔ نسلی تعصب نے قوموں کو اس طرح ایک دوسرے سے متنفر کر رکھا تھا کہ ان میں یکجہتی کے آثار دور دور تک نہ دکھائی دیتے تھے۔ ہنوز وہاں کوئی ایسی شخصیت نہ پیدا ہوئی تھی جو قبائلی امتیازات کو مٹا کر سب کو ایک قومی جھنڈے کے نیچے مجتمع کر سکتی۔ ولید نے اس زرین موقع کو اس وقت ضائع کر دیا جب کہ وہ قریب قریب اس کی مٹھی میں آچکا تھا۔ دربارِ دمشق کی مذبذب و کوتاہ اندیش پالیسی نے کل یورپ کو مسلمان ہونے سے بچا لیا۔ لیبان نے لکھا ہے کہ "موسیٰ تمام یورپ کو مسلمان بنا لیتا اور ایک ہی جھنڈے میں کل متمدن اقوام میں اتحاد مذہبی پیدا کر دیتا اور یورپ کو اس زمانہ تاریک سے بچا لیتا جس سے

---

[1] ابن خلدون 10/142 [2] مقری 110

عمر بن عبدالعزیز نے یہاں کی فتوحات کی وسعت کے پیش نظر اس کو وائسرائے مصر کی ماتحتی سے آزاد کر کے براہ راست مرکز خلافت کا تابع فرمان بنا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ موسیٰ آسمان تاریخ اسپین کا درخشندہ ستارہ ہے اور اس نے اپنے پیچھے اتنے آثار چھوڑے ہیں۔ کہ اس کے انجام پر رحم آنا ہی چاہیئے۔ اگر سلیمان اس لائق و فائق سپہ سالار اور اس کے بیٹوں پر رحم کرتا تو کچھ عجب نہ تھا۔

فتح کے اسباب اور نتائج

وزیگا تھ نے پانچویں صدی میں اسپین اور جنوبی فرانس میں اپنی سلطنت قائم کر لی تھی۔ ان کا تسلط ان کی نسلی طاقت و قوت و سادگی و جفاکشی کی وجہ سے ہوا تھا۔ ان کی سلطنت تین سو سال تک قائم رہی جب تک کہ وہ مستعد رہے صاحب اقتدار رہے۔ قیام سلطنت کے بعد وہ سکون پذیر ہو گئے اور ان میں آرام طلبی پیدا ہو گئی۔ اب ان کے لئے ہتھیاروں کا استعمال گلے ہے گلے بغاوتوں کو فرد کرنے تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ ان میں ذہنی ترقی کا کوئی مذاق نہ تھا۔ ان کے پاس نہ کوئی سائنسدان تھے اور نہ ہی انہوں نے اپنے پیچھے کوئی ادب چھوڑا۔ ان کے پاس بجز عیش پرستی کے اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا۔ کیا بادشاہ۔ کیا اہل دربار اور کیا کلیسا سب کے سب خواہشات نفسانی کے غلام بنے ہوئے تھے۔ چنانچہ ایسے ماحول میں جو تہذیب بھی پروان چڑھے گی۔ اس میں زنانہ پن پیدا ہو جانا ایک قدرتی امر ہے۔ انہوں نے ہسپانویوں کی جو رومی نسل سے تھے سماجی و اقتصادی حالت بہتر بنانے کے بجائے ان کو اپنا غلام بنا لیا۔ وزیگا تھ کی قوت و طاقت کا دارومدار امرا اور جاگیرداروں پر تھا۔ انہوں نے اپنے ظلم و جور سے عوام الناس کے دلوں کو چھلنی کر دیا تھا۔ اور وہ ان کی حکومت سے نفور اور بیزار تھے۔

اس کے برعکس اگرچہ عرب وبربر دیو قامت وزیگا تھ جیسی جسمانی خصوصیات نہ رکھتے تھے لیکن ان میں سادگی و جفاکشی اور جنگجوئی کے جوہر موجود تھے اور انہوں نے ابھی تک ہتھیاروں کا استعمال ترک نہیں کیا تھا بربروں نے صحرائے عرب سے نکل کر بڑی

بڑی قوموں کی حد بندیوں کو توڑ ڈالا تھا اور مفتوحہ اقوام کو اپنے میں جذب کر لیا تھا۔ عرب ہوں یا بربر وہ اصلاً ایک تھے اور سب کے سب فرزندانِ اسلام تھے۔ ان کے دل جوشِ جہاد سے معمور تھے۔ ان میں اتحاد و اتفاق تھا۔ وہ آغاز اسلام سے لے کر اس وقت تک مستقل حالتِ جنگ میں تھے اور قریباً ایک صدی گزر جانے کے باوجود ان کی قوتِ محرکہ میں کسی قسم کی کمی واقع نہ ہوئی تھی۔ ہر مجاہد ایک تازہ مہم کا خواب لے کر صبح کو بیدار ہوتا تھا۔ انہوں نے کبھی ہزیمت کا منہ نہ دیکھا تھا۔ ان کے دل بڑھے ہوئے تھے ہر نئی فتح ان کی چستی و پھرتی میں مہمیز کا کام کرتی تھی۔ وہ میدانِ جنگ میں نہایت جری بیباک اور آندھی و طوفان ہوتے تھے۔ ان کے سبک رسالے دشمن کی سرتاپا آہن پوش اور بھاری بھرکم افواج پر مثالِ شاہین جھپٹتے اور بجلی کی طرح نقل و حرکت کر کے ان کی صفوں کو کاغذ کی مانند چیر کر رکھ دیا کرتے تھے۔ چنانچہ یہ غضب ناک طوفان جس وقت عیش پرست و غیر مستقل مزاج وزیگاتھ پر جھپٹا ہے تو چشم زدن میں ان کو اکھاڑ کر شمال میں اسٹوراس کے کوہستانوں میں پھینک دیا۔ تاریخ مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ یکساں اسباب و علل سے ہر جگہ یکساں نتائج ظہور میں آتے ہیں۔ انگلستان کے سیکسن رومیوں اور عباسیوں کی مثالیں اس کی کافی شہادتیں ہیں اور ان معنوں میں تاریخ ایک دم سائنس کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے اور اس طرح اس کا مطالعہ بھی سائنٹفک طریقے سے کیا جانا چاہیئے۔ تاکہ ہم اس کے صفحات سے سبق حاصل کر کے اپنے افعال میں عقل و دانش سے کام لے کر لغزشوں سے بچ سکیں۔

مسلمانوں کی فتح سے جزیرہ نما کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ اسپین کا انقلاب ان تمام مصائب اور ہولناک سفاکیوں سے بَری تھا جنھیں انقلابِ فرانس اپنے بعض بہترین نتائج کے باوجود اپنی گود میں لے کر آیا۔ آرنلڈ لکھتا ہے کہ "اسلام کی عالمگیر مساوات رواداری اور انسانی آزادی کے احترام کی وجہ سے سب سے پہلے ان غلاموں نے اس کا خیر مقدم کیا۔ جو صدیوں سے پستی کی حالت میں پڑے تھے۔ اس کے بعد بہت سے بُت پرستوں نے اُن کی تقلید کی اور کثرت سے مسلمان ہو گئے۔" غلاموں اور مزارعین کو زمین پر مالکانہ حقوق دے دیئے

گئے۔ زماۂ گاتھ کے جابرانہ محاصل کو بیک جنبش قلم منسوخ کرکے ایک ایسا مالیاتی نظام قائم کیا گیا جو کاشتکاروں کے لئے آسان بھی تھا اور قابلِ قبول بھی۔ شریعتِ محمدی نے ذمیوں کے لئے جن حقوق کی تصریح کردی تھی وہ سب ان کو دے دیئے گئے۔ جزیے کی برائے نام رقم ان پر قائم کی گئی۔ لیکن عورتیں، بچے اور مذہبی پیشوا اور اپاہج اس سے بری تھے ان پر ان ہی کا قانون قابلِ نفاذ تھا مگر اسی حد تک کہ شرع اسلام کے خلاف نہ پڑے۔ البتہ پادریوں کی دینی و روحانی صولت کا تار و پود چشم زدن میں خاک میں مل کر رہ گیا۔ ان امرا اور اہالی کلیسا کی اراضیات کے علاوہ جو ملک چھوڑ کر فرانس کی طرف نکل گئے تھے یا شمال کے باغیوں کے ساتھ شامل ہوگئے تھے کسی کی جائداد ضبط نہیں کی گئی۔ فتوحات کی ابتدائی دار و گیر ختم ہونے پر جب حملہ آوروں سے میل جول ہوا تو خوف و ہراس بھی جاتا رہا اور لوگوں کو معلوم ہوا کہ فاتحین وہ اخوان الشیاطین نہیں تخیل نے جن کا نقشہ ان کے سامنے کھینچا تھا، بلکہ وہ بڑے کریم و ذی مروت ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ہم قوم گاتھ یا فرانسیسی ظالم حکمرانوں کے مقابلے میں ایسے فیاض و سخاوت شعار آقاؤں کے زیرِ سایہ رہنے کو ترجیح دی اور ان شہروں اور قصبوں میں دوبارہ آکر آباد ہونے لگے جنہیں چھوڑ کر وہ بھاگ چکے تھے۔

جزیرہ نما کی تسخیر کے بعد بربر تو متوسلین اور عام خلائق میں مل جل گئے مگر عربوں نے تلواروں کو رکھنے کے بعد اپنی توجہ علمی و تمدنی کاموں کی طرف مبذول کی۔ قدرتی وسائل سے کام لے کر ہر چیز سے سونا اگوا لیا۔ صنعت و حرفت، زراعت اور تجارت میں جو گاتھوں کے عہد میں بے جان پڑی تھی، ایک نئی روح پھونک دی اور ملک کو تہذیب و مدارج کے مدارج علیا پر پہنچا دیا۔ لیبان لکھتا ہے کہ "وزیگاتھ کے عہد میں اسپین کی حالت زیادہ سرسبزی پر نہ تھی اور ان کا تمدن بھی ایک نیم وحشی قوم کا تمدن تھا۔ فتوحات سے فارغ ہونے کے بعد ہی عربوں نے ترقی شروع کردی۔ ایک صدی کے اندر غیر مزروعہ زمینیں کاشت ہونے لگیں۔ اجاڑ بستیاں آباد ہوگئیں۔ بڑی بڑی عمارتیں بن گئیں اور دوسری اقوام کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم ہوگئے۔ اس کے بعد عربوں نے علوم اور ادب کی طرف بھی توجہ دی۔ یونانی و لاطینی کتابوں کے ترجمے کرائے اور دارالعلوم قائم کئے۔ جو مدت تک یورپ

میں علم کی روشنی پھیلاتے رہے۔" مین پول کے الفاظ میں: "مسلمانوں نے قرطبہ میں ایک ایسی حیرت انگیز سلطنت
قائم کی جو قرونِ وسطیٰ کا ایک عجوبہ تھی جس زمانے میں تمام یورپ پر وحشت جہالت کی گھنگھور گھٹا چھائی
ہوئی تھی۔ اس زمانے میں صرف یہی ایک واحد سلطنت تھی جو منورہ دنیا کے سامنے علوم وفنون کی روشن
اور تابناک مشعل لئے کھڑی تھی ہمیں یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ سابق فاتحین کے وحشی گلوں کی مانند
وہ بھی اپنی گرد میں ظلم وتباہی لے کر آئے۔ بلکہ اندلس پر کبھی کسی قوم نے اتنی نرمی و دانش مندی اور
اتنے عدل وانصاف سے حکومت نہیں کی جیسی کہ اس کے عرب فاتحین نے کی۔ یہ ان میں کہاں سے ایسا
جوہر حکمرانی پیدا ہوگیا تھا۔ اس کا بتلانا ذرا مشکل ہے کیونکہ وہ بادیہ عرب سے سیدھے چلے آرہے تھے
اور ان کی حیرت ناک فتوحات کی لہر نے ان کو اتنی مہلت نہ دی تھی کہ وہ غیر اقوام کو برتنے اور ان پر حکمرانی کرنے
کا فن سیکھ سکتے۔"

ابتدا میں چونکہ جزیرہ نما کے جنوبی علاقے میں اسلام کا شیوع ہوا تھا جو قوم ونڈال سے منسوب
ہو کر "واندلیسیہ" کہلاتا تھا اسی لئے مسلمانوں نے بھی اپنی زبان میں اسی لفظ کو اپنا کر نہ صرف
اسی علاقے کا نام اندلس رکھا بلکہ اس کا اطلاق کل جزیرہ نما پر کرنے لگے۔ آئندہ بھی ہم اسی نام
کو اختیار کریں گے۔ یہاں کے حکام جو "امیر" کے لقب سے ملقب تھے افریقی والیوں کے ماتحت
کر دیئے گئے لیکن کبھی کبھی ان کی تقرری براہِ راست مرکز خلافت سے عمل میں آتی اور کبھی باشندگانِ
ملک کی مرضی سے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ وہاں فتنہ وفساد کی گرم بازاری رہتی۔ انتظامی سہولتوں
کی غرض سے ملک کو چار بڑے صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ہر صوبہ کا والی براہِ راست امیر اندلس کو جوابدہ
ہوتا۔ پہلا صوبہ اندلسیہ کہلاتا تھا جو وادی الکبیر اور ساحلِ سمندر کے مابین کا علاقہ تھا اور وادی
آنہ تک چلا گیا تھا۔ اس کے بڑے بڑے شہر قرطبہ۔ اشبیلیہ۔ مالقہ۔ استجہ اور جیان وغیرہ تھے
دوسرا صوبہ پورے وسطی اندلس پر مشتمل تھا۔ شمال میں اس کی سرحد دریائے دویرہ سے
ملتی تھی۔ مشرق میں ساحلِ بحر روم سے اور مغرب میں لوسیطینیا (موجودہ پرتگال) سے۔ اس
کے خاص شہر شقوبیہ۔ وادی الحجارہ۔ بلنسیہ۔ دانیہ۔ مرسیہ۔ لورقہ۔ لقنت اور بسطہ تھے۔
تیسرا صوبہ علاقہ جات جلیقیہ اور لوسیطینیا پر محیط تھا۔ اور ماردہ۔ باجہ۔ قلمریہ۔ لشبونہ۔ لک۔
استورقہ۔ سمورہ۔ شلمنکہ اس کے خاص شہر تھے۔ چوتھا صوبہ دریائے دویرہ سے لے کر مشرق

میں کوہ پیرینیز تک دریائے ابرو کے دونوں جانب چلا گیا تھا۔ اور شمالی جانب اس کی سرحد جلیقیہ
سے جا ملتی تھی۔ اس کے مشہور شہروں میں سرقسطہ۔ لاردہ۔ وشقہ۔ تطیلہ۔ برشلونہ۔ طرطوشہ
طرکونہ اور بیشتر تھے۔ بعد میں جب کوہ پرینیز کے اس پار جنوبی فرانس میں مزید فتوحات
ہوئیں۔ تو پانچویں صوبے کا اضافہ ہو گیا۔ اس میں اربونہ۔ قرقشونہ۔ نیمس۔ بیزیر۔ آگدے
لوڈیو اور میگلون کے شہر تھے۔ ان سات شہروں کی وجہ سے یہ صوبہ سپٹی مینیا یا لینگوڈاک
کہلاتا تھا۔

اس امر کے باوجود اندلسی عرب تہذیب و تمدن کے منتہائے کمال پر پہنچ چکے تھے۔ تاہم اس
دور دراز سرزمین میں بھی وہ بادیہ کی قدیم قبائلی دشمنیوں کو نہ بھول سکے۔ قدرت نے ان کو
یورپ میں ایک پائیدار سلطنت قائم کرنے کا شاندار موقع عطا کیا تھا۔ لیکن اس کو انہوں نے اپنے ہی
نفاق و شقاق اور خانہ جنگیوں کی بدولت کھو دیا۔ اندلس میں ان اختلافات و نزاعات میں
مزید دو نئے عناصر نے جو بیرونی تسلط کو سخت مخالفت کی نظر سے دیکھتے تھے اور بھی شدت پیدا کر
دی۔ یہ تھے بربر اور اسپینی قوم کے نو مسلم جو بلادیون کہلاتے تھے۔ غیر تربیت پذیر بربر کثرت سے
اسلامی فوج میں بھرتی ہوتے تھے۔ اور بوجہ قومی تعصب اپنے عرب افسران کو نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے
یہ نفرت اکثر بغاوت و سرکشی کی صورت میں نمودار ہوتی رہتی تھی۔ جتنا ان کو دبایا جاتا اتنا ہی ان کے نسلی
تعصب کی آگ اور بھڑکتی۔ رہے بلادیون تو وہ بربریوں اور عربوں دونوں سے متنفر تھے۔ اول الذکر
سے تو ان کی بربریت کی وجہ سے اور عربوں سے ان کی نخوت کی بنا پر۔ اسلام کی عالمگیر مساوات نے
رنگ و نسل کے تمام امتیازات کو مٹا دیا تھا لیکن عرب بدوؤں پر نسل کا ایسا نشہ چڑھا تھا
کہ کسی حالت میں نہ اترا۔ بلکہ ان کی فطرت کا جزو لاینفک ہو کر رہ گیا تھا۔ ان دور افتادہ ممالک میں
بھی جن میں وہ بزور شمشیر داخل ہوئے تھے اکثر ان سے اسی جذبے کا اظہار ہوتا تھا ایک
اینگلو سیکسن کی طرح ایک عرب بھی اپنے کو خدا تعالیٰ کی شریف ترین مخلوق تصور کرتا ہے عربوں
اور بلادیوں کے باہمی تعلقات میں ہمیں اس شدید قومی تعصب کی ہلکی سی جھلک دکھائی دیتی ہے
جو لومبارڈی میں آسٹروگوتوں کو اطالویوں اور آئرلینڈ میں کلٹ کو سیکسن سے متنفر اور جدا
کئے ہوئے ہے۔ باشندگان آئرلینڈ کی طرح بلادیون بھی تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ حکومت

خود اختیاری کے خواہاں تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ ان ہی کی قوم کے افراد ان پر حکومت کریں
اسپینیوں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ اسلام قبول کیا تھا اور وہ عربوں اور بربریوں میں
کثرت سے شادی کرتے تھے۔ اس رشتے سے جو اولاد ہوتی وہ "مُولّد" کہلاتی تھی۔ مولدین بمقابلہ
عربوں کے دین کے زیادہ پابند تھے۔ اور علماء و فقہاء کا ان پر بڑا اثر تھا چنانچہ عربوں کے خلاف
بلادیوں کی اکثر بغاوتیں ان ہی لوگوں کی اشتعالک کی بدولت پذیر ہوئیں۔ ان خانہ جنگیوں نے سلطنت
کی بنیادوں کو کمزور کر دیا جس کا افسوس ناک نتیجہ یہ ہوا کہ جزیرہ نما کی فتح کو پورے سو سال بھی نہ
گزرے تھے کہ برشلونہ تک ملک کا شمالی حصہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔
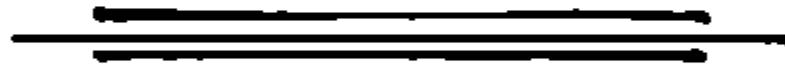
والیانِ اندلس

عبدالعزیز — عبدالعزیز بڑا نیک مزاج اور بہادر امیر تھا اُس نے ملک میں مدبرانہ نظم و نسق قائم کیا اور اُن شہروں کو مفتوح کیا جو طارق اور موسیٰ کی تلوار سے بچ رہے تھے۔ فاتح و مفتوح قوموں کو باہم شیر و شکر کرنے کی غرض سے اس نے مغل شہنشاہ اکبر کی طرح دونوں قوموں میں شادی بیاہ کی حوصلہ افزائی کی اور بادشاہ راڈرک کی بیوہ ملکہ ایجیلونا سے عقد کر کے خود اس کی مثال قائم کی لیکن ایک سال بعد خلیفہ سلیمان کے اشارے سے سردارانِ لشکر نے اسے قتل کر کے ایوب بن حبیب کو اپنا امیر بنا لیا[1]۔

ایوب — ایوب نے عدل و انصاف سے حکومت کی اور ملک کا دورہ کر کے لوگوں کی شکایات کو دور کیا۔ سرحدوں کو محفوظ کرنے کی غرض سے سرقسطہ کے قریب ایک قلعہ تعمیر کر کے اس کا نام قلعہ ایوب رکھا اور دارالحکومت کو اشبیلیہ سے قرطبہ منتقل کر دیا[2]۔ چھ ماہ بعد افریقیہ کے وائسرائے نے اس کو معزول کر کے یہاں کی مسندِ حکومت حُر بن عبدالرحمٰن کو عطا کی۔ جزیرہ نما کی تسخیر کے زمانے میں تین سو عیسائی پیلایو نامی ایک گاتھ سردار کے ساتھ بھاگ کر انتہائی شمال میں استوریاس کے پہاڑوں میں روپوش ہو گئے تھے۔ کچھ عرصہ بعد ان میں سے صرف چالیس مرد و زن بچے اور باقی بھوک و پیاس کی شدت سے مر کھپ گئے۔ عربوں نے اس خیال سے کہ یہ لوگ کون سا تیر مار لیں گے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور یوں آستین میں سانپ پالتے رہے۔

---

[1] ابن خلدون $\frac{10}{142}$ [2] اخبار مجموعہ ص ۵ ۔

حُر اور السمح

حر کے ساتھ خرفاء عرب کے چار سو گھرانے اندلس میں آکر آباد ہوئے۔ اس امیر کے زمانے میں ایک نہایت اہم واقعہ پیش آیا جس میں بازیافت اندلس کے تخم مضمر تھے۔ وادی لکہ کی ضرب کے بعد جب عیسائیوں کی سراسیمگی دور ہوئی تو انہیں اپنے ملک پر دوبارہ قبضہ کرنے کا خیال پیدا ہوا چنانچہ اطراف و جوانب کے عیسائیوں نے پلایو کے علم کے نیچے مجتمع ہو کر سرحدوں پر لوٹ مار شروع کر دی۔ استوریاس کے گورنر عثمان نے ان کی سرکوبی پر علقمہ کو مامور کیا لیکن عیسائیوں نے علقمہ کو گھاٹیوں میں پھنسا کر تقریباً پورے اسلامی لشکر کو برباد کر دیا اور تھوڑے بہت مسلمان جو یہاں آباد تھے ان کو قتل کر ڈالا۔ ایسی صورت میں عثمان اپنے صدر مقام گیجن کو غیر محفوظ سمجھ کر لیون چلا آیا اور اس کو اپنی حکومت کا مستقر بنا لیا۔ اس واقعے کے بعد خلیفہ عمرؒ بن عبدالعزیز نے حر کو اس کے ظلم و جبر ستانی کی وجہ سے معزول کر کے السمح بن مالک الخولانی کو اس کا جانشین مقرر کیا۔ امیر السمح ایک نیک صالح مرد اور قابل منتظم سپہ سالار تھا۔ اس نے محاصل کی وصولی میں شرعی احکامات کا لحاظ رکھا۔ امیر المومنین کے حکم سے اندلس کے غنائم کا خمس نکالا، مردم شماری کرائی، اور پورے ملک کا ایک جغرافیہ تیار کرایا۔ مسجدیں بنوائیں اور قرطبہ میں وادی الکبیر کا مشہور پل تعمیر کیا۔ اس کے عادلانہ طرز حکومت سے عرب و بربر، بلادی و بلدی، نومسلم اور ذمی سب خوش اور مطمئن تھے۔ داخلی انتظامات سے فارغ ہونے کے بعد وہ جنوبی فرانس پر لشکر کشی کے قصد سے زبردست جنگی تیاریوں میں مشغول ہو گیا اور اس خطرے کو دور کرنے کی طرف توجہ دی جس نے حال ہی میں شمال میں سر نکالا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ امیر کی اولوالعزم طبیعت اپنے سپاہیانہ جوہر دکھانے کے لئے ایک زیادہ کٹھن میدان کی متلاشی تھی جس کے سامنے سابقہ سپہ سالاروں کے فوجی کارنامے گرد ہو جائیں۔

اربونہ کی فتح اور ٹولوز کا محاصرہ

غرض السمح ایک جرار لشکر کے ساتھ پیرینز کو عبور کر کے جنوبی فرانس میں داخل ہو گیا۔ اور سپٹی مینیا کے صدر مقام اربونہ کو جو ایک نہایت مستحکم شہر و قلعہ تھا ایک شدید محاصرہ و خونریزی کے بعد مفتوح

اخبار مجموعہ ص ۱۵ و مقری ۱/۱۳۳

کریا۔ اربونہ کی تسخیر نے سپٹی مینیا کے پورے صوبے کو اس کے ہاتھوں میں دے دیا۔ السمح نے اربونہ کے قلعے کی مرمت کرائی اور اس کو اپنا ہیڈ کوارٹر قرار دیا۔ تھوڑی سی محافظ فوج یہاں چھوڑ کر اس نے ایکوئیٹین کا رخ کیا اور آرلس کو مفتوح کر کے ریاست کے پایہ تخت پر محاصرہ ڈال دیا۔ اس وقت یہاں کا حاکم ڈیوک یوڈس والا نظافر ہیں موجود نہ تھا۔ شہر فتح ہونے کے قریب تھا کہ وہ ایک ٹڈی دل لشکر کے ساتھ محصورین کی کمک پر پہنچ گیا اور بقول آئیسیڈور پساکن باجہ۔ "جس کے گھوڑوں کے سموں سے اتنی گرد اڑی کہ دن تاریک ہو گیا۔" السمح محاصرہ اٹھا کر اس کے مقابلے کو بڑھا۔ ٹولونہ کے نواح میں بقول آئیسیڈور "دونوں فوجیں تیز رو پہاڑی ندیوں کی مانند ایک دوسرے سے ٹکرائیں۔" اور گھمسان کا رن پڑا۔ کونڈے لکھتا ہے کہ "ابن السمح کے کارناموں کے بیان کے لئے افعل التفضیل سے کام لینا ہوگا۔ اس کی تلوار سے دشمن کا خون اس طرح بہہ رہا تھا جیسے کوئی جھرنے آب رواں ہو صفوں میں وہ جس طرف نکل جاتا تھا دشمن اس کی تلوار میں ڈوب جاتے تھے۔" کئی گھنٹوں کے جدال وقتال کے بعد دلاوران فرانس فرار پر مائل نظر آ رہے تھے کہ اتنے میں ایک تیر السمح کی گردن میں آکر پیوست ہو گیا اور وہ بیدم ہو کر اپنے گھوڑے سے گر گیا۔ اپنے امیر کو گھوڑے پر نہ پا کر مسلمانوں میں سراسیمگی پھیل گئی اور عیسائی غیر متوقع طور پر چیرہ دست ہو گئے۔ اس لڑائی میں صلحا اور تابعین کی جمعیت کثیر کام آئی۔ اس لئے اس کو "بلاط الشہداء" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے[1]۔ السمح کے بعد فوج نے عبدالرحمٰن الغافقی کو اپنا امیر بنا لیا۔ عبدالرحمٰن اپنے ٹوٹے پھوٹے لشکر کو جس ہوشیاری و احتیاط سے کلی استیصال سے بچا کر اربونہ لایا، مورخین نے اس کی بڑی تعریف کی ہے۔ اس پسپائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ سپٹی مینیا کے عیسائیوں نے بغاوت کر دی اور بجز اربونہ کے مسلمانوں کے ہاتھوں میں کچھ نہ رہ گیا۔

عنبسہ

اس کے بعد افریقی والی اسلامیہ نے اندلس کی ولایت پر عنبسہ بن سحیم الکلبی کا تقرر کیا۔ عنبسہ ایک عادل و منصف حاکم تھا۔ اس نے عربوں و بربریوں کی باہمی

---

[1] مقری ۱/۱۳۳

نزاعات کو دور کیا جو غنیمت کی غیر مساویانہ تقسیم کی وجہ سے ان میں پیدا ہو گئی تھیں۔ بعد ازاں وہ ایک فوج کے ساتھ پیرینیز کے اُس پار داخل ہوا اور جنوبی فرانس میں اسلامی پرچم کے کھوئے ہوئے وقار کو دوبارہ بحال کر دیا۔ سخت معرکوں کے بعد سپٹی مینیا دوبارہ اسلامی مقبوضہ بنا لیا گیا۔ برگنڈی کا اور پرووِنس کے صوبے روند ڈالے گئے اور بے قیاس غنیمت فاتحین کے ہاتھ لگی۔ اُس وقت بشکنس کے پہاڑی قبائل نے بغاوت کر دی۔ عنبسہ اُن کی سرکوبی میں کمین گاہ کی لڑائی میں پھنس کر شہید ہو گیا اور مسلمانوں کو بڑا جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ عذرہ بن عبداللہ الفہری جس کو عنبسہ اپنا قائم مقام بنا گیا تھا بڑی احتیاط سے بقیہ لشکر کو لے کر قرطبہ چلا آیا[1] (۱۰۷ھ)۔ اس کے بعد ۹ سال کی مدت میں یکے بعد دیگرے سات اشخاص امارت اندلس پر فائز ہوئے اور قرطبہ عربوں کے قبائلی جھگڑوں اور عربوں و بربریوں کے اختلافات و نزاعات کا شکار بنا رہا۔ بربر عربوں کے نسلی غرور اور حاکمانہ رویے سے سخت ناخوش و بیزار تھے۔ امیر اندلس کے انتخاب کا مسئلہ ہو یا مال غنیمت کی تقسیم کا دونوں میں بلا کشت و خون طے نہ پاتا۔ اس دور کو عرب مصنفین نے "ایام الفتنہ" کے نام سے موسوم کیا ہے۔

عبدالرحمٰن

عبدالرحمٰن الغافقی اعلیٰ درجے کی فوجی و انتظامی قابلیت کا حامل اور بڑا اولوالعزم امیر تھا۔ اس کی منصفانہ طرزِ حکومت سے تمام اہلِ اندلس خوش ہو گئے۔ اس نے قرطبہ اور دیگر شہروں میں مسجدیں، مدرسے، پل اور سڑکیں تعمیر کیں۔ داخلی انتظامات سے فرصت پانے کے بعد وہ جنوبی فرانس پر بڑے پیمانے پر فوج کشی کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا اور اس سلسلے میں تمام صوبیداروں کو احکامات بھیج دیئے کہ وہ اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ سرحد پر اس کے لشکر سے ملحق ہو جائیں۔ الغافقی ۱۱۳ھ (۷۳۲ء) میں اپنے عظیم الشان لشکر کے ساتھ سپٹی مینیا کی راہ سے جنوبی فرانس میں داخل ہونے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اس کو آرلس سے بغاوت کی اطلاع ملی۔ چنانچہ اُس طرف کا ارادہ ملتوی کر کے امیر نے گھوڑے کی باگ ادھر ہی کی طرف پھیر دی اور قبائل بشکنس کی تمام مزاحمتوں کو پامال کرتا ہوا وہ مانسیوبل سے گذر کر گسکنی یا ایکوی ٹینی کے علاقے

---

[1] اخبار الاندلس ۱/۲۵۵

میں داخل ہو گیا اور دریائے رون کے کنارے فرانسیسی فوج کو شکست دے کر آرلس کے عیسائیوں پر دوبارہ جزیہ قائم کیا۔ امیر نے ہزیمت خوردہ لشکر کا بورڈیو تک پیچھا کیا۔ یہاں ڈیوک یوڈس ایک عظیم لشکر کے ساتھ مقابلے پر آگیا۔ لیکن ابن حجرہ غنیم کے بعد اپنی پچاس سال کی مسلسل شہرت سپہ سالاری کو صرف ایک دن میں کھو بیٹھا۔ فاش شکست اٹھا کر بکمال سراسیمگی اپنے دارالسلطنت کی طرف بھاگ نکلا اور یہاں سے لاچار و بے بس اپنے ملک کی پامالی کا تماشا دیکھتا رہا۔ آئی سیڈور نے لکھا ہے کہ "اس خوفناک لڑائی میں اس کثرت سے عیسائی کام آئے کہ ان کی صحیح تعداد سوائے خداوند تعالیٰ کے اور کسی کو معلوم نہیں"۔ اس عظیم الشان کامیابی کے بعد اسلامی لشکر دریائے لوائر کو پایاب مقامات سے عبور کر کے چاروں طرف پھیل گیا اور کسی مزاحمت کے بغیر بورڈیو۔ پائیٹیرس۔ آرلینس۔ آگزیرے وغیرہ کی فصیلوں پر اسلامی پرچم لہرا دیئے گئے۔ عربی رسالے تاخت و تاراج کرتے سنس تک پہنچ گئے جہاں سے پیرس صرف ساٹھ میل کے فاصلے پر رہ گیا تھا۔ اس وقت پورا جنوبی فرانس فتح مند لشکر کے قدموں کے نیچے پڑا تھا۔ ان لڑائیوں میں از قسم اسلحہ جات۔ غلہ و آذوقہ۔ سونا چاندی۔ مویشی اور قیدی جو غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگی اس کا اندازہ لگانا دشوار ہے۔

ٹورس کی جنگ

ڈیوک نے ہاتھ سے سلطنت کو جاتا دیکھ کر میروونجی سلطنت کے وزیر اعظم چارلس سے مدد کی درخواست کی۔ چارلس نے اس عظیم خطرے کو بخوبی طرح محسوس کیا جو شمالی فرانس کے دروازے پر دستک دے رہا تھا۔ وہ اٹلی جرمنی اور فرانس کے دیگر قبائل کے ایک جم غفیر کے ساتھ ڈیوک کی کمک پر پہنچ گیا۔ فرانسیسی مصنف رینالڈ اس جنگ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "ٹورس کے قریب سات روز تک دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل پڑی رہیں اور تعداد افواج کی برتری کے باوجود چارلس کو پہل کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آخر امیر عبدالرحمن نے آٹھویں روز تیروں کی بوچھاڑ سے معرکے کا افتتاح کر دیا۔ عربی رسالے تیروں کے سائے میں بجلی کی طرح غنیم پر جھپٹے۔ تمام دن لڑائی اپنی تمام خوفناکی کے ساتھ گرمجوشی سے جاری رہی اور شام کو بلا کسی فیصلے کے دونوں فریق اپنی اپنی چھاؤنیوں کی طرف لوٹ گئے۔ دوسری صبح کو لڑائی پھر شروع ہوئی اور لمحہ بہ لمحہ عبدالرحمن کے ہاتھ پر شرف چڑھتی گئی۔ امیر جوش شجاعت میں بار بار صفوف کے منہ میں جاتا تھا۔ اس کے دائیں بائیں دشمن کی بے شمار لاشیں اس کی

حالت وقت سلامہ پر شمشیر زنی کی شہادت ملتی ہیں۔ آخر کار شام تک فرانسیسیوں کے پیر اکھڑتے نظر آنے لگے۔ چارلس نے اس امر کو محسوس کر کے ایک تازہ دم فوج نے مسلمانوں کی چھاؤنی پر حملہ کر کے جنگ کا پانسہ پلٹ دیا۔ امیر کے ہر چند روکنے کے باوجود مسلمان مال غنیمت کو بچانے کی غرض سے چھاؤنی کی طرف بھاگے۔ اس سے صفوں کا نظام درہم برہم ہو گیا اور دشمن کو جس طرف سے موقع ملا میدانِ جنگ میں گھس گیا۔ اسی افراتفری میں ایک تیر نے عبدالرحمٰن کا کام تمام کر دیا۔ مسلمانوں کی بھاری تعداد کام آئی اور میدان عیسائیوں کے ہاتھ رہا (۱۱۴ھ/۷۳۲ء)۔ اس لڑائی کو بھی "بلاط الشہداء" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ مسلمانوں میں قبائلی پھوٹ اس درجہ گھر کر چکی تھی کہ چھاؤنی میں پہنچنے کے بعد بھی وہ اس سے باز نہ رہے اور افریقیوں و عربوں نے آپس میں تلواریں سونت لیں۔ ایسی حالت میں دوبارہ جنگ جاری رکھنے کا سوال ہی نہ پیدا ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ راتوں رات وہاں سے کوچ کر گئے اور راستے میں عیسائیوں کے چھاپہ مار دستوں سے لڑتے بھڑتے ناربونہ پہنچ گئے۔ چارلس عربی تلوار کا مزہ چکھ چکا تھا۔ اسلامی چھاؤنی میں ایک دم سناٹا دیکھ کر اس کو خوف ہوا کہ مسلمان گھات نہ لگائے ہوں۔ اس خوف کے پیدا ہوتے ہی وہ بعجلت تمام لوائر کو عبور کر کے اپنے پایۂ تخت کو لوٹ گیا۔ صبح کو جب اسے معلوم ہوا کہ اسلامی لشکر واقعی کوچ کر چکا ہے۔ تو اس نے مارٹل (ہتھوڑا) کا لقب اختیار کیا[1] یعنی اس نے ایک کاری ضرب لگا کر مسلمانوں کی پیش قدمی روک دی۔

کریسی نے بجا طور پر اس لڑائی کو دنیا کی پندرہ فیصلہ کن جنگوں میں شمار کیا ہے کیوں کہ اس کے نتیجے پر تمام دنیائے مسیحی کی قسمت کا دار و مدار تھا۔ عظیم مؤرخ گبن تبصرہ نگار ہے کہ "ٹورس کے میدان میں بلاشبہ یہ فیصلہ ہونے والا تھا کہ آیا بر اعظم اور جزائر برطانیہ عیسائی رہیں گے یا مسلمان۔ جبرالٹر سے کر لوائر تک جو ایک ہزار میل سے زائد کی مسافت ہے مسلمانوں کی فاتحانہ پیش قدمی قائم ہو چکی تھی اور مزید اتنا ہی فاصلہ ان کو پولینڈ کی حدود اور اسکاٹ لینڈ کے کوہستانوں تک پہنچا دیتا۔ کیوں کہ فرات دریل کی طرح لوائر ایسا نہیں کہ

---

[1] مسلم کالونیز ۷۶-۵۹ و اخبار الاندلس ۱/۹۹-۲۹۳

جس میں جہاز رانی منزل کو جاسکتے بحری بیڑے بلا مزاحمت شہر کے اندر داخل ہو جاتا تھا اور آکسفورڈ کے مدارس میں طالبا قرآن پاک پڑھایا اور منبروں پر سے ایک مختون قوم کو شریعت محمدی کا درس دیا جا رہا ہوتا۔ لیکن ایک فرد واحد کی شجاعت و مردانگی نے عیسائیت کو ان تمام مصائب سے بچا لیا۔" لیکن فرانسیسی فاضل لیبان لکھتا ہے کہ "چارلس کے کارنامہ کو اتنا بڑھا کر بیان کرنا سخت غلطی ہے کیونکہ ٹورس کے نقصانات سے مسلمان جلد سنبھل گئے اور ان کے حملے پھر اسی زور و شور سے شروع ہو گئے۔ اور چارلس ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ یہاں تک کہ ان کو سپٹی مینیا تک سے نہ نکال سکا۔ جنوبی فرانس پر عربوں کے حملے یہاں مستقل قیام کی غرض سے نہ تھے کیونکہ شمالی یورپ کی سردی ان کی برداشت سے باہر تھی۔ ان کو صرف یہاں کی دولت کی لالچ بار بار اس طرف لاتی تھی۔ اور یہ حملے کچھ زمانہ گزرنے پر خود بخود بند ہو جاتے۔

عبدالملک اور عقبہ

نئے والی عبدالملک بن قطن الفہری نے اپنا عہدہ سنبھالتے ہی ٹورس کی ہزیمت کا جی بھر کر انتقام لیا۔ اور سارے فرانس کو ایک بار پھر سے گذشتہ کے دل دوز مناظر دیکھنے پڑے۔ اس نے سخت معرکوں کے بعد برگنڈی، پرووِنس میں لائنس، فرتیہ، مارسیلز اور دیگر مقامات پر ہلالی پرچم لہرا دیا اور کثیر مقدار میں مال غنیمت لے کر قرطبہ واپس آ گیا۔ لیکن اس کی بعض نا عاقبت اندیشیوں اور مظالم کی وجہ سے افریقی والئی سلطنت نے $\frac{116}{735}$ء میں اس کو معزول کر کے اس کی جگہ عقبہ بن حجاج السلولی کا تقرر کیا۔ عقبہ بڑا نیک سیرت امیر تھا۔ اس نے بد دیانت عمال کو برطرف کر کے ان کی جگہ صالح لوگوں کا تقرر کیا۔ مختلف شہروں و قصبوں میں عدالتیں قائم کیں۔ مسجدیں بنوائیں اور ان میں خطیب مقرر کئے۔ اس نے جنوبی فرانس میں فتوحات کے دائرے کو بھی وسیع کیا اور ان کے استحکام کی غرض سے دریائے رون کے کنارے رباط تعمیر کر کے ان میں محافظ فوجیں مقرر کیں۔[1] $\frac{122}{741}$ء میں جبکہ وہ بربریوں کی زبردست بغاوت کو فرو کرنے کی غرض سے افریقہ گیا ہوا

---

[1] مقری ۶۶ ز اخبار الاندلس $\frac{1}{302}$

تھا بمعزول امیر عبدالملک نے بغاوت کرکے کرسی امارت پر قبضہ کرلیا۔ عقبہ فوراً اندلس واپس آیا۔ اور عبدالملک کے مقابلے میں اس نے ہزیمت اٹھائی اور مارا گیا۔

افریقیہ میں بربریوں کی کامیابی کی خبر سن کر اندلسی بربریوں نے بھی بغاوت کردی۔ اور جلیقیہ کے عربوں کا قتلِ عام شروع کردیا۔ اس سے عبدالملک کو خوف پیدا ہوا۔ اس نے بلج کو اس کی درخواست پر بعد اس کے دس ہزار شامی لشکر کے معہ تالی بیبا اس شرط پر اندلس آنے کی اجازت دے دی کہ وہ بربریوں کی بغاوت فرو کرکے ایک سال کے اندر اپنے لشکر کے ساتھ اندلس چھوڑ دے۔ ساحلِ دونوں عربوں کی نخوت بے جا ظلم اور بے انصافیوں سے بیزار ہو کر بربریوں نے جو بغاوت کی تھی، اس میں اطراف طنجہ میں ایک نہایت خونریز لڑائی کے بعد بربریوں نے غلبہ پالیا اور امیر افریقیہ کلثوم بن عیاض القشیری معہ اپنے دو تہائی لشکر کے مارا گیا۔ اس کے بھتیجے بلج نے بچے کھچے لشکر کے ساتھ سبتہ کے قلعہ میں پناہ لی۔ جہاں بربریوں نے اس کو محصور کرلیا تھا۔ بلج کی آمد پر اندلس میں ہر طرف عربوں اور بربریوں میں چلنے لگی۔ بربریوں پر قتلِ عام کے دروازے کھل گئے۔ اور ان کی بہت بڑی تعداد نے افریقیہ بھاگ کر جان بچائی۔ اس کے بعد جب عبدالملک نے بلج سے اندلس چھوڑنے کا مطالبہ کیا تو وہ قول و قرار سے پھر گیا۔ نتیجے میں جنگ واقع ہوئی جس میں عبدالملک کو شکست ہوئی اور مارا گیا۔ بلج کی فتح مضریوں پر یمانیوں کی فتح تھی۔ اہلِ اندلس نے بلج کو اپنا امیر بنالیا اور قرطبہ خوفناک قبائلی جنگوں کا جولانگاہ بن گیا۔[1] مسلمانوں کو آپس میں دست و گریباں دیکھ کر چارلس مارٹل نے برگنڈی کے بادشاہ لت برانڈ کی مدد سے اوگنان اور مارسیلز کو مسلمانوں سے نکال لینے کے بعد اربونہ کو محصور کرلیا۔ لیکن جب اسے اس مستحکم شہر کی تسخیر سے مایوسی ہوئی تو وہ اس خیال سے کہ مسلمان پیش قدمی میں قدم نہ جما سکیں، یہاں کے خوبصورت شہروں کو نذرِ آتش کرکے چلا گیا۔[2]

بلج، ثوابہ اور ابوالخطار

بلج کی حکومت کو زیادہ دن نہ گذرے تھے کہ عبدالملک کے بیٹے باپ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے اٹھ کھڑے

---

[1] اخبار مجموعہ ص ۳۸ ز ابن خلدون ۱۰/۱۴۴ ۔ [2] امیر علی ص ۱۵۴ از ریناد ۲۶

ہوئے۔ بربر بھی جو شامیوں کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ ان کے ساتھ ہو گئے اور سپٹی مینیا کے گورنر عبدالرحمٰن نے بھی جو "شہسوار اندلس" کے لقب سے مشہور تھا اس کی حمایت کی۔ بلج بھی اپنے یمانیوں کو لے کر نکلا اور قرطبہ کے باہر ایک محاربۂ عظیم کے بعد یمانیوں کو کامیابی ہوئی لیکن بلج عبدالرحمٰن کے ایک تیر کی نذر ہو گیا۔[1] اس کے بعد ۱۲۴ھ ۷۴۲ء میں خلیفہ ہشام نے ثوابہ بن سلامہ کو یہاں کی امارت پر مقرر کیا۔ ثوابہ نے اپنے عہدے کا چارج لیتے ہی یمانیوں پر بے جا مہربانیاں شروع کر دیں۔ چنانچہ مضریوں اور بربریوں نے اس سے برگشتہ ہو کر غربی اندلس میں زبردست بغاوت کھڑی کر دی۔ لیکن امیر نے اس کو سختی سے کچل کر ہزار ہا باغیوں کو قتل کیا اور دس ہزار قیدیوں کے ساتھ اس ارادہ سے قرطبہ کی جانب مراجعت کی کہ بعد نمازِ جمعہ سب کی گردنیں مار دے۔ والیٔ افریقیہ کو ان واقعات کی اطلاع ہوئی تو اس نے ثوابہ کو معزول کر کے ماہ محرم ۱۲۵ھ ۷۴۳ء میں زمامِ حکومت ابوالخطار حسام الکلبی کو عطا کی۔ ابوالخطار نے ابتدا میں غیر جانبداری سے حکومت کی۔ اس سے کسی قبیلے کو شکایت نہ ہوئی اور عارضی طور پر قرطبہ میں امن قائم ہو گیا۔

لیکن ابوالخطار تھا یمانیوں کا یمانی۔ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ وہ اصلی رنگ میں ظاہر ہو گیا۔ اور ایک مقدمہ میں کسی قیسی کے مقابلے میں اپنے قبیلے والے کے حق میں فیصلہ دے کر قبائلی فسادات کو از سر نو جگا دیا۔ قیسی نے اپنے قبیلے کے آتش مزاج سردار ابوالجوشن صمیل سے اس کا اظہار چاہا۔ صمیل فوراً امیر کے پاس پہنچا اور درشت لہجے میں اس کی جانبداری کی شکایت کی۔ بات بڑھ گئی۔ اور امیر نے اسے دھکے دے کر قصرِ امارت سے نکلوا دیا۔ ایک حاجب جو دروازے پر کھڑا تھا اس کے عمامے کی بگڑی ہوئی سلوٹوں کو دیکھ کر بولا "اے ابوالجوشن۔ اپنے عمامے کو تو درست کر لو"۔ اس نے جواب دیا کہ "اگر میری کوئی قوم ہے تو اب وہی اس عمامہ کو سیدھا کرے گی"۔ یہ کہہ کر وہ اپنے مکان پر پہنچا اور قبائلی مضریہ میں ایک آگ لگا دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مقام شقندہ پر مضری و یمانی ایک دوسرے سے بری طرح گتھ گئے۔ جیت مضریوں کے ہاتھ رہی۔ ابوالخطار گرفتار ہوا اور قرطبہ میں قید کر دیا گیا۔[2] اس کے بعد سردارانِ لشکر نے دوبارہ ثوابہ کو امیر منتخب کر لیا اور حکومت افریقیہ نے اس کی توثیق کر دی

---

[1] اخبار مجموعہ ۸۰ [2] مقری ۱؍۳۰۳

ثوابہ بالآخر حکمت عملی سے دونوں گروہوں میں باہم صلح و صفائی کرادی۔ لیکن طمع سازیوں سے کہیں ملک کی جیتی باتیں نکالی ہیں۔ یمانیوں نے ایک رات قید خانے پر حملہ بول دیا اور ابوالخطار کو ماردہ کی طرف اڑا لے گئے اور وہاں سے لشکر مرتب کر کے قرطبہ کی طرف بڑھے۔ لیکن ابھی شمشیریں بے نیام نہ ہونے پائی تھیں کہ ثوابہ کی اچانک وفات ہوگئی اور کرسی امارت سخت کشمکش میں پڑ گئی۔ ماہ تک خالی پڑی رہی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مشرق میں بنی اُمیہ کی ہوا اکھڑ چکی تھی۔ بانیانِ دولتِ عباسیہ کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے وہ اس طرف کے انتظامات سے بے خبر ہوگئے اور یہاں کے حکام کو من مانی کرنے پر چھوڑ دیا۔ بغرض بڑے ہنگاموں کے بعد یمانیوں و مضریوں میں اس پر تصفیہ ہوگیا کہ ہر گروہ باری باری ایک سال تک حکومت کرے۔ قرارداد کے مطابق پہلے مضریوں کی باری آئی اور امارت کیلئے یوسف بن عبدالرحمٰن الفہری کا انتخاب عمل میں آیا (۱۲۹ھ)[1]

یوسف :۔ یوسف نے زمامِ حکومت ہاتھ میں لے کر صمیل کو اپنا مشیر مقرر کیا اور بڑی خوش اسلوبی سے حکومت کرتا رہا۔ لیکن ایک سال بعد جب یمانیوں نے ابوالخطار کو عنانِ حکمرانی پہنانا چاہا تو وہ اپنے قول و قرار سے پھر گیا اور جنگ ناگزیر ہوگئی۔ قرطبہ کے جنوبی موضع شقندہ میں دونوں گروہوں میں ایسی خوفناک لڑائی ہوئی کہ مشرق و مغرب میں اس سے پہلے ایسی میں لڑائی گئی تھی۔ لڑتے لڑتے جب فریقین کے ہتھیار ٹوٹ گئے تو انہوں نے ایک دوسرے کے بال نوچے و گھونسے اور مکے بازی کی۔ آخر کار یمانیوں نے شکست کھائی اور ان کی بھاری تعداد کام آئی۔ ابوالخطار گرفتار ہوا اور قتل کر دیا گیا[2]۔ اسکے بعد یوسف کو ملک کے مختلف حصوں میں بغاوتوں کی بغاوتیں کرتے ہی گزری۔ اور یونہی بیتا رہا یہاں تک کہ ۱۳۸ھ کا زمانہ آگیا اور دولتِ امویہ کا ٹمٹماتا چراغ گل ہوگیا۔ بنی امیہ کی حکومت مستقرض ہو چکی۔ بعد ان کے گورنران صوبجات سر اٹھاتے ہیں۔ گر حکومت انکا سر کچل دیتی ہے یہاں تک کہ بنو عباس کا سکہ ان ملک میں چلنے لگتا ہے۔ اس وقت شرقی اندلس میں حباب الزہری نے لوگوں کو عباسیوں کی طرف دعوت دی۔ یوسف کے مخالفین بہت جلد اسکے گرد اکٹھے ہوگئے اور انہوں نے سرقسطہ میں صمیل کا محاصرہ کرلیا۔ یوسف نے کسی رنجش کی بنا پر صمیل کی درخواست پر کمک نہ بھیجی لیکن قیس یوسف کی اطلاع کے بغیر اپنے سرداروں کی مدد پر روانہ ہوگئے لیکن اس وقت پہنچے جبکہ قلعہ الزہری کے ہاتھوں میں جا چکا تھا۔ صمیل قرطبہ چلا آیا اور بعد میں اسے اس طلیطلہ کی صوبیداری تفویض کردی گئی[3]۔

---

[1] ابن اثیر ۵/۲۲۳ [2] مقری ۳۴۳ [3] ابن خلدون ۱۰/۱۲۷

عبدالرحمٰن کی پریشانی و سرگردانی

عباسیوں کے ہاتھوں امویوں کے قتلِ عام سے بچ نکلنے میں چند شہزادے کامیاب ہو گئے ان میں سے ایک عبدالرحمٰن بن معاویہ خلیفہ ہشام کا پوتا تھا جس کی عمر بیس سال کی تھی ہشام نے اپنے بیٹے معاویہ کی وفات کے بعد اس کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ اس لئے اپنے متعلق کبھی دادا کو کہتے سنا تھا کہ "یہ بنی امیہ کا چراغ ہے جب ان کے ملک کو زوال آ جائے گا تو یہی ان کے نام کو باقی رکھے گا۔" اس لئے اس کو حکومت مغرب کا ولولہ و شوق پیدا ہوا۔[1] مزید برآں اندلس میں اس کی جاگیر بھی تھی اور وہاں کی غنیمت کا خمس بھی اسی کے نام جمع ہوتا تھا۔[2] چنانچہ السفاح نے ممالک محروسہ کے گورنروں کو اس کے حلیے و نشان سے مطلع کرتے ہوئے اس کی گرفتاری کے فرامین بھیج دیئے ۔

عبدالرحمٰن بمعہ اہل و عیال جان کے خوف سے ادھر ادھر بھاگتا پھرتا رہا۔ آخر فرات کے کنارے ایک گاؤں میں آ کر چھپ رہا۔ جو گھنے جنگلوں سے محفوظ تھا۔ ایک روز خیمہ میں پڑا قدرت کی نیرنگیوں پر غور کر رہا تھا کہ اس کا چار سالہ بچہ جو باہر کھیل رہا تھا۔ سہما ہوا اندر آیا اور باپ سے چمٹ کر بلک بلک کر رونے لگا۔ اتنے میں عبدالرحمٰن کا تیرہ سالہ بھائی خوف سے اس سے کانپتا ہانپتا آیا اور کہا کہ بھائی کہیں بھاگنے کی فکر کرو۔ وہ کالے جھنڈے والے (عباسی جاسوس) آ گئے ۔ عبدالرحمٰن نے جلدی سے حواس مجتمع کئے، چند دینار جو اس کے پاس تھے ساتھ لئے، بچے کو گود میں

۱؎ ابن خلدون ۱۰/۱۸۸ زمقری ۳۷۴ ۲؎ مقری ۱۴۶

اٹھا مع بھائی کے فرات کی طرف بڑھا اور پیسہ مولا بدر کو ہدایت کرتا گیا کہ اس کے بچے اہل و عیال کو منزل مقصود ہونے کے بعد اس کے پاس لے آئے۔ دریا پر پہنچتے ہی اس نے بے دھڑک اپنے کو اس میں ڈال دیا۔ جس وقت عباسی سوار کنارے پر پہنچے تو یہ لوگ تقریباً نصف دریا تیر چکے تھے ان لوگوں نے چلا چلا کر ان کو بلایا اور امان دینے کی قسمیں کھائیں۔ عبدالرحمن کا بھائی کسی قدر تھک گیا تھا اور آگے بڑھنے کی قوت نہ تھی۔ دشمن کی باتوں پر یقین کر لیا اور بھائی کے سمجھانے کے باوجود کہ وہ تجھے قتل کر دیں گے واپس لوٹ گیا۔ کنارے پر پہنچتے پر سواروں نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔

عبدالرحمن نے دوسرے کنارے پر پہنچ کر بھائی کے دردناک قتل کو دیکھا تو بکمال سراسیمگی جدھر کو منہ اٹھا چل پڑا اور ہوا کے بازوؤں پر اڑتا، جنگلوں دریا یا نوں کو طے کرتا۔ شبانہ روز سفر کرتا وہ شمالی افریقہ پہنچا، جہاں بدر بھی اس سے آن ملا۔ صوبہ برقہ میں وہ کئی بار یہاں کے گورنر ابن حبیب کے ہاتھوں میں پڑنے سے بال بال بچا۔ ایک بار وہ گرفتار بھی ہوا لیکن اس کی شناخت میں ابن حبیب دھوکا کھا گیا اور اس کو رہا کر دیا گیا۔ قید سے نجات پانے کے بعد وہ مزید مغرب کی طرف چل پڑا۔ ایک بار جبکہ وہ ابو قرہ نامی سردار کے یہاں مقیم تھا۔ ابن حبیب کے جاسوسوں نے خیمے کو جا گھیرا۔ ابو قرہ کی بیوی تکفات نے خوفزدہ ہو کر شہزادے کو جلدی سے جلد گندے کپڑوں کے نیچے چھپا دیا اور جاسوس تلاشی لے کر ناکام واپس چلے گئے۔ مدتوں عبدالرحمن اس ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سرگرداں پھرتا رہا۔ پیسہ پاس نہ رہا۔ بدن پر چیتھڑے لگ گئے۔ نہ کوئی غمگسار و مددگار رہا۔ گرفتاری کے خوف سے ہمیشہ چوکنا نیند سوتا اور کبھی ایک قبیلے میں بسر کرتا تو کبھی دوسرے میں۔ کسی پر اصلیت ظاہر نہ کرتا کیوں کہ اس وقت اس کو کائنات کی ایک ایک شے اپنی دشمن نظر آ رہی تھی۔ آخر اس طرح اس کو پانچ سال گذر گئے۔ برقہ میں مزید اپنے قیام کو اپنے لئے خطرناک سمجھ کر عبدالرحمن نے مغرب الاقصیٰ کا رخ کیا۔ ریگستان کی صعوبتیں جھیلتا پریشاں و خستہ و زن زدہ ناہرت پہنچ کر یہاں کے حکمران بنی رستم کے پاس پناہ گزین ہوا۔ یہیں بربر قبیلہ نفزہ میں ماں تعلق رکھتی تھی۔ اب عبدالرحمن نے اپنی اصلیت ظاہر کر دی اور سرداران بربر کو اپنے خاندانی حالات سے آگاہ کیا۔ انہوں نے

شہزادے کو نہایت عزت و احترام سے مہمان رکھا اور ہر قسم کی امداد دینے کا وعدہ کیا۔ کچھ عرصہ بعد عبدالرحمٰن نے تاہرت کو بھی خیرباد کہا اور ساحلی شہر ملیلہ (موجودہ الجیریا) میں آکر مقیم ہو گیا۔

افریقیہ میں جب اس کو اپنی سلطنت قائم کرنے کی صورت محال نظر آئی تو اس نے جبل الطارق کے اس پار اندلس پر للچائی ہوئی نظریں ڈالیں۔ جہاں دونوں قبائل یمانیہ و مضریہ کی مخالفت کا ڈنگل بنا ہوا تھا اور اس کی کامیابی کے لئے بہترین موقع فراہم کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے بدر کو اپنی امارت و سلطنت کے لئے زمین ہموار کرنے کو اندلس روانہ کیا اور ہدایت کی کہ کسی طرح یمانیوں اور مضریوں کو آپس میں متحد نہ ہونے دینا نیز اس نے ابوعثمان اور ابوخالد کے نام خطوط بھی دیئے۔ جن میں کہا گیا تھا کہ وہ بھی اس امر میں کوشش کریں اور اندلس میں اس کے داخل ہونے کے لیے سہولتیں بہم پہنچائیں۔ یہ دونوں ذی اثر سردار بنی امیہ کے خدام میں سے تھے۔ اس زمانے میں یوسف الفہری سرقسطہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا موقع غنیمت تھا۔ بدر نے اندلس میں داخل ہو کر یمانیوں کو ٹٹولا تو معلوم ہوا کہ ان کی دشمنی ابھی کم نہیں ہوئی ہے وہ پہلے ہی مضریوں سے انتقام لینے کا موقع تلاش کر رہے ہیں۔ اس نے مدبرانہ چالوں سے اس خلیج کو وسیع تر کر دیا اور اپنے آقا کی دعوت کو پھیلایا۔ جب بدر تمام مراحل طے کر چکا تو ایک جہاز خریدا گیا اور اس میں گیارہ آدمیوں کا ایک وفد اس کے ساتھ عبدالرحمٰن کی طرف روانہ ہوا۔ جس روز بدر نے ملیلہ چھوڑا تھا اس کی کوئی خبر موصول نہیں ہوئی تھی۔ یہ دن عبدالرحمٰن نے کانٹوں پر گذارے تھے۔ روزانہ ساحل پر آکر بے چینی سے انتظار کرتا۔ آخر ایک روز انتظار کی گھڑی ختم ہوئی جس وقت جہاز کنارے پر آکر لگا عبدالرحمٰن نماز پڑھ رہا تھا۔ بعد نماز بدر نے اراکین وفد سے اس کا تعارف کرایا۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن اپنے میزبانوں رؤسا و بربر سے رخصت ہو کر بلاتوقف جہاز پر سوار ہو گیا۔ ہوا موافق تھی۔ جہاز فوراً چل پڑا۔

عبدالرحمٰن الداخل

۱۳۸ھ تا ۱۷۲ھ
۷۵۶ء ۷۸۸ء

عبدالرحمٰن افریقیہ سے روانہ ہو کر ماہ ربیع الاول ۱۳۹ھ/۷۵۶ء میں اندلسی بندرگاہ المنکب میں لنگر انداز ہوا اور جہاز سے اتر کر اپنے ہواخواہوں کے ساتھ مورور، شذونہ اور طرش ہوتا اشبیلیہ پہنچا، جہاں اطراف وجوانب کے والیوں نے آکر اس سے بیعت کرلی۔ یوسف الفہری کو عبدالرحمٰن کی آمد کی اطلاع سرقسطہ میں موصول ہوئی۔ وہ حباب الزہری کو زیر کرکے بہت سے قیدیوں کو لئے فوراً طلیطلہ کی جانب روانہ ہوگیا اور وہاں پہنچ کر چند سرداران قریش کو امان دینے کے باوجود قتل کر ڈالا۔ اس بدعہدی سے اس کی سپاہ اس سے برگشتہ ہوگئی۔ اور عبدالرحمٰن سے آملی۔ یوسف کے پاس بجز قیسیوں و فہریوں کے کوئی طرفدار نہ رہ گیا۔[1]

جنگ مصارہ

یوسف اپنے باقی ماندہ لشکر کے ساتھ یلغار کرتا قرطبہ کی جانب روانہ ہوا، ادھر سے عبدالرحمٰن بھی دارالامارت پر قبضہ کرنے کی غرض سے اشبیلیہ سے چلا۔ دونوں لشکر قرطبہ پہنچ کر چند دنوں وادی الکبیر کے دونوں جانب پڑے رہے۔ کچھ عرصہ بعد اپنے لشکر میں سخت

---

[1] ابن خلدون ۱۸۹/۴

قحط پڑ جانے کی وجہ سے عبدالرحمٰن کو سخت فکر دامن گیر ہوئی چنانچہ اس نے حیلے سے کام لیا
اور یوسف سے صلح کی مراسلت شروع کرکے راتوں رات دریا کو عبور کر گیا اور صبح ہوتے ہی
یوسف کے لشکر پر اچانک حملہ کر دیا۔ قرطبہ کے غربی جانب میدان مصارہ میں بروز عید الضحیٰ
یوسف کو فاش شکست ہوئی اور وہ اپنے ٹوٹے پھوٹے لشکر کے ساتھ البیرہ کی طرف بھاگ
گیا[۱]۔ عبدالرحمٰن قرطبہ میں فاتحانہ داخل ہوا اور ابو عثمان کو بطور اپنے نائب کے وہاں چھوڑ کر
یوسف کے تعاقب میں روانہ ہوا اور اس کو غرناطہ کے قلعے میں محصور کر لیا۔ لیکن یوسف
دوسرے راستے سے نکل کر دوبارہ قرطبہ پر قابض ہو گیا۔ عبدالرحمٰن کو جوں ہی اس کا علم ہوا
یلغار کرتا قرطبہ پہنچا۔ آخر چند دنوں کے محاصرے کے بعد ماہ صفر ۱۳۹ھ / ۵۶ء میں دونوں میں
معاہدہ صلح ہو گیا جس کی رو سے یہ طے پایا کہ یوسف کے مال سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا۔ وہ شہر
کے شرقی حصے میں رہے گا اور دن میں ایک بار عبدالرحمٰن کو صورت دکھایا کرے گا۔ اس کا بیٹا
عبدالرحمٰن جو گرفتار ہو چکا تھا۔ بدستور قید میں رہے گا اور دوسرا بیٹا ابوالاسود بطور ضمانت
عبدالرحمٰن کے پاس رہے گا[۲]۔ اپنے نتائج کے لحاظ سے جنگ مصارہ اور جنگ مرج راہط میں
گہری مماثلت پائی جاتی ہے دونوں لڑائیاں ماہ ذی الحجہ میں لڑی گئیں جن میں قبائل یمانیہ ایک
طرف تھے تو قبائل مضریہ دوسری طرف۔ مرج راہط کی طرح میدان مصارہ میں بھی بنی قیس
کے صرف تین آدمی بنی امیہ کے ساتھ تھے[۳]۔ دونوں جنگوں نے بنی امیہ کی حکومت قائم تو کر دی
لیکن ساتھ ہی اس کی بنیادوں کو بھی ہلا کر رکھ دیا۔ قبائلی فتنے اٹھ کھڑے ہوئے جنہوں
نے عبدالرحمٰن کو چین سے نہ بیٹھنے دیا یہی خانہ جنگیاں بالآخر سلطنتِ اسلامیہ اندلس
کو جونک بن کر چمٹیں اور اس کو چوس کر ہی دم لیا۔

خلافت عباسیہ سے علیٰحدگی بعض اموی شہزادے جو مصر میں عباسیوں کے خوف
سے بحالتِ گمنامی زندگی بسر کر رہے تھے عبدالرحمٰن کی

۱؎ ابن اثیر ۵/۲۳۴؛ ابن عذاری ۲/۲۱، ۲؎ اخبار مجموعہ ۱۳۰ - ۱۳۱؛ مقری ۱/۳۵۴
۳؎ مقری ۱/۳۴۳ ۔

حکومت قائم ہوتے ہی اندلس چلے آئے۔ اور یہاں سے عبدالرحمٰن نے عبدالملک بن عمرو کو اشبیلیہ اور اس کے بیٹے عمر کو مورور کی حکومت پر مامور کیا۔ اسی طرح بقیہ رشتہ داروں کو بھی معزز عہدوں سے نوازا۔ عبدالملک بن عمرو کے سخت اصرار اور خودکشی کی دھمکی دینے پر ۱۴۱ھ/۷۵۸ء میں عبدالرحمٰن نے خلیفۂ بغداد کا خطبہ موقوف کر کے اپنے کو خلافت عباسیہ سے آزاد کر لیا۔ لیکن بپاس ادب خلافت "امیر المومنین" کے معزز لقب کو اختیار کرنے سے گریز کیا اور صرف امیر کے لقب پر اکتفا کیا جس کو اس کی اولاد اختیار کرتی رہی[1]۔

یوسف کی بغاوت

اسی زمانے میں یوسف الفہری نے نقض عہد کیا اور ایک روز قرطبہ سے بھاگ کر مارڈہ پہنچا۔ اور بیس ہزار بربریوں کی جمعیت لے کر اشبیلیہ پر حملہ آور ہوا۔ عبدالرحمٰن بھی لشکر مرتب کر کے قرطبہ سے نکلا لیکن ابھی مورور پہنچا تھا کہ عبدالملک حاکم اشبیلیہ بھی اس کی مدد کو پہنچ گیا۔ اس مورور میں یوسف نے ایک گھمسان کی لڑائی کے بعد فاش شکست کھائی اور طلیطلہ کی جانب بھاگ گیا۔ کچھ عرصہ سرگرداں پھرتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کے ساتھیوں میں سے عبداللہ بن عمر انصاری نامی شخص اس کا سر کاٹ کر امیر کے پاس قرطبہ لے آیا[2]۔ امیر نے اس کو بعد اس کے بیٹے عبدالرحمٰن کے سر کے قرطبہ کے پل پر لٹکا دیا تاکہ لوگوں کو عبرت ہو۔ یوسف کے دوسرے بیٹے ابوالاسود کو قید کر دیا اور صمیل کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا[3]۔

اربونہ پر شاہ فرانس کا قبضہ

چارلس مارٹل کے بیٹے پیپن نے جو باپ کے بعد مسندِ عظمیٰ پر فائز ہوا تھا۔ میرووینجی کے شاہی خاندان کا خاتمہ کر کے اپنے خاندان کارلوونجی میں سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ پیپن نے عبدالرحمٰن کو داخلی فتنوں کے دبانے میں مصروف دیکھ کر ایک فوج عظیم کے ساتھ اربونہ کو محصور کر لیا۔ امیر اس کی طرف کوئی کمک نہ بھیج سکا۔ عربوں نے اپنے شہر کی بڑی پامردی سے محافظت کی۔ آخر پانچ سال کے سخت محاصرے کے بعد اربونہ کے عیسائیوں کی سازش سے ۱۴۲ھ/۷۵۹ء میں شہر پر پیپن کا قبضہ ہو گیا۔

---

[1] ابن خلدون ۱۰/۱۹۱ و مقری ۲/۱۴۲ [2] اخبار مجموعہ ۱۴۴ و ابن عذاری ۲/۷۵ [3] مقری ۲/۲۵۴ ابن اثیر ۵/۲۳۲ ۔

جنوبی فرانس پر عربی تسلط کے اثرات

اگرچہ اربونہ کا صوبہ کل چالیس سال امارت اندلس کے ماتحت رہا۔ لیکن اس قلیل مدت میں جنوبی فرانس پر اسلامی تہذیب کے جو قوی اثرات پڑے ان کو زمانہ مابعد کے سیکڑوں انقلابات بھی نہ زائل کر سکے۔ سدیو لکھتا ہے "اربونہ اور پیرینیز کی زبان عربی الفاظ سے معمور ہو گئی اور ان کے ناموں کی صورت بھی بالکل عربی ہے۔ ایشیائی اصول کاشت کاری، کئی قسم کے غلے مثلاً جوار، جئی، کارک کے درخت کی چھال اور دیار کے درختوں سے رال نکالنے کا طریقہ عربوں ہی کے طفیل یورپ کو معلوم ہوا۔ انہوں نے ہر ضلع میں اسی ملک کے قیمتی گھوڑے پیدا کئے عربی گھوڑوں کی نسل بڑھانے کا انتظام کیا۔ اشیاء تکلفات مثلاً چاندی، ہاتھی دانت اور بلور کی چیزیں، اسلحہ جات اور ریشمی کپڑے کی صنعت سے یہاں کے لوگوں کو عربوں ہی نے روشناس کرایا۔ ایک خاص قسم کی قالین کی صنعت جو اربونہ میں تھی ہے عربوں ہی کی طرف منسوب ہے جنوبی فرانس کا رقص اور تفریح کی اکثر باتیں عربوں ہی کے باقیات میں سے ہیں۔[1]

پیان نے لکھا ہے کہ عربوں کا اثر فرانسیسیوں کے خون میں بھی باقی رہا۔ بہت سے صوبوں میں ان کی اولاد بآسانی پہچانی جا سکتی ہے۔ ان کا گندمی رنگ، سیاہ آبنوسی بال، خوابناک، جھکی ہوئی پلکیں اور آنکھیں بالکل الگ معلوم ہوتی ہیں عورتوں کا رنگ سانولا، قد لمبا، بڑی بڑی سیاہ آنکھیں، بھری ہوئی ابرو اور مخروطی چھاتیاں ان کا عربی النسل ہونا ثابت کرتی ہیں۔"

سرحدی شہروں پر عیسائیوں کا قبضہ

شمالی اندلس میں عیسائیوں نے استوراس کی جزوی سلطنت قائم کر لی تھی اس وقت اس پر فاویلہ حکمرانی کر رہا تھا۔ آٹھویں صدی کے وسط میں اندلس میں جو قحط پڑا اس کی وجہ سے مسلمان شمالی علاقوں کو چھوڑ کر جنوب کی طرف آ گئے۔ اس طرح فاویلہ نے موقع کو غنیمت سمجھ کر سنہ ۱۴۰ھ میں بہت سے سرحدی شہروں و قصبوں مثلاً سلمنکہ، سمورہ، لک، استورقہ، اوپورتو اور سالبرہ وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔[2] عبدالرحمن کو اندرونی بغاوتوں و سرکشیوں نے اتنی مہلت نہ دی کہ وہ دوبارہ ان مقامات کو مسیحیوں کے قبضے سے نکال سکتا۔

طلیطلہ کی بغاوت

سنہ ۱۴۷ھ میں ہشام بن عروہ الفہری رئیس طلیطلہ نے بربریوں اور فہریوں کی جماعت اکٹھا کر کے علم مخالفت بلند کر دیا۔ عبدالرحمن نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ ہشام نے اطاعت کر لی اور اپنے بیٹے

۱؎ اخبار اندلس ... و مسلم کالونیز ۲؎ بزم ... ص ۱۹۳

کو بظاہر مقتول امیر نے کمزور کردیا تھا۔ لیکن حالات امیر کے اقتدار کے لئے بدستور خطرناک تھے۔ خلیفہ نے دوبارہ شورش اختیار کی اور ایک فوج بھیج کر بیحان کو محصور کیا۔ بغاوت جو دونوں طرف سے تشویش ناک تھی آخر میں موصول ہوئی۔ چنانچہ امیر نے ہشام کے بیٹے کا سر کاٹ کر قبیلے کے ذریعے شہر میں پھینکوا دیا اور محاصرہ اٹھا کر ایک نئے دشمن کو ہولناک تماشا دکھایا۔

عباسی حملہ

المنصور نے عبدالرحمٰن کو نیچا دکھانے کی غرض سے علاء بن مغیث کو اندلس پر فوج کشی کرنے کا حکم دیا۔ ابن مغیث نے ۱۴۶ھ میں بربریوں کے ایک لشکر کے ساتھ بمقام باجہ آکر اترا۔ جہاں جنت سے یمانی اور فہری بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ابن مغیث ایک جم غفیر کے ساتھ قرطبہ کی طرف بڑھا۔ عبدالرحمٰن قرمونہ تک پہنچا تھا کہ دشمن کا سامنا ہو گیا۔ لیکن اپنی قوت کو مختصر دیکھ کر اس کو مجبوراً قرمونہ کے قلعے میں محصور ہونا پڑا۔ دو ماہ کے محاصرے میں محصورین کی نوبت فاقے پر پہنچ گئی۔ لیکن عبدالرحمٰن نے اس نازک موقع پر بھی ہمت و استقلال کے دامن کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ آخر کار اس نے تخت یا تختے کے عزم کے ساتھ اپنے سات سو جوانوں کو منتخب کیا۔ اور حسب ہدایات کے مطابق انہوں نے اپنی تلواریں سونت لیں اور نیاموں کو توڑ کر دہکتے ہوئے الاؤ میں پھینک دیا۔ اس کے بعد وہ اپنی جمعیت سمیت رات کی تاریکی میں قلعے کے ایک پھاٹک سے نکلا اور دشمن پر بحالت غفلت اس طرح گرا جس طرح آسمان سے اولے برستے ہیں اور دم کے دم میں محاصرین پر ہلاکت ڈال دی۔ غنیم سات ہزار لاشوں کو چھوڑ کر بکمال سراسیمگی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اندلس کی حکومت جو بظاہر عبدالرحمٰن کے ہاتھوں سے نکل چکی تھی، دوبارہ اس کے ہاتھوں میں آ گئی۔ اس نے ابن مغیث اور دوسرے سرداروں کے سروں کو ایک تھیلے میں بھر کر ہر ایک کے کانوں میں اس کا نام لکھ کر لٹکا دیا۔ ابن مغیث کے سر کے ساتھ وہ سیاہ علم اور حکومت اندلس کا پروانہ بھی تھا جو دربار خلافت سے اس کو عطا ہوا تھا۔ یہ تمام تھیلے ایام حج میں خفیہ طور پر مکہ کے بازاروں میں پھینکوا دیئے گئے۔ منصور کے سامنے جو حج کے لئے آیا ہوا تھا جب ابن مغیث کا تھیلا کھولا گیا۔ تو وہ اپنے سپہ سالار

۱؎ ابن اثیر ۵/۵۰-۲۴۹ ز اخبار مجموعہ ۱۴۷ ۲؎ ابن عذاری ۲/۵۱-۴۷
ابن خلدون ۵/۴۷-۲۶۲

کہ اس حالت میں دیکھ کر کانپ اٹھا عبدالرحمٰن کو بددعائیں دیں اور کہنے لگا کہ "خدا کا شکر ہے کہ ہمارے اور اس شیطان کے درمیان سمندر حائل ہے"[1]۔

بغاوتوں کا استیصال

اس کے بعد عبدالرحمٰن نے بدر اور تمام بن علقمہ کو فوج دے کر طلیطلہ روانہ کیا۔ محصورین نے تنگ آکر باغی ہشام اور اس کے ساتھیوں کو پکڑ کر امیر کی فوج کے حوالے کر دیا اور بغاوت ختم ہو گئی[2]۔ مشکل سے اس فتنے پر پانی پڑا تھا کہ لبلہ کے یمانی قبائل ان یمانیوں کے خون کا بدلہ لینے کھڑے ہو گئے۔ اور سعید الیحصبی کو اپنا سرگروہ بنا کر اشبیلیہ کے ایک قلعے پر قابض ہو گئے۔ عبدالرحمٰن نے اس کا محاصرہ کر لیا۔ مطری جنگ میں مارا گیا لیکن باغیوں نے خلیفہ بن مروان کو سردار بنا لیا اور مخالفت پر اڑے رہے۔ شذونہ کے حاکم عتاب بن علقمہ نے محصورین کی کمک پہنچنے کی کوشش کی۔ مگر بدر نے ایک دستہ فوج کے ساتھ اس کا راستہ روک دیا۔ آخر الامر اہل قلعہ نے امان طلب کر لی اور باغی سردار کو امیر کے حوالے کر دیا۔ امیر نے خلیفہ کو قتل کر ڈالا اور قلعہ کو مسمار کر دیا[3]۔ بعد ازاں وہ عتاب کی گوشمالی پر متوجہ ہوا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ مگر اہل شذونہ نے عتاب کے خوف سے امان حاصل کر لی[4]۔ امیر قرطبہ میں داخل ہوا ہی تھا کہ اس کو عبداللہ بن خراشہ کی سرکوبی کو جیان روانہ ہونا پڑا۔ شاہی لشکر کی آمد پر باغیوں نے عبداللہ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ عبداللہ نے امیر سے عفو تقصیرات کی درخواست کی جو منظور ہوئی۔ سنہ ۱۵۰ھ (۷۶۷ء) میں باجہ میں بغاوت پھوٹ نکلی مگر وہاں کے گورنر نے اس کو فرو کر کے بشارت نامہ فتح کے ساتھ باغی سردار غیاث بن میسرہ کا سر بھی امیر کے پاس قرطبہ بھیج دیا[5]۔

بغاوتوں کے اسباب

عربوں اور بربریوں کی بار بار بغاوتوں کا سب سے قوی سبب یہ تھا کہ مطلق العنان بادشاہی دونوں قوموں کے مزاج کے ناموافق تھی انھیں قدیم روایات کے مطابق وہ ملک کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر کے

---

[1] مقری ۳۵۵ ز ابن خلدون ۱۰/۱۹۴ [2] اخبار مجموعہ ۱۴۹ [3] ابن اثیر ۵/۶۹-۲۷۸
[4] ابن خلدون ۱۰/۱۵۵ [5] ابن خلدون ۱۰/۱۹۵ —

رہنا چاہتے تھے۔ جو ہر وقت آپس میں برسرِ پیکار رہیں اور جب شمال کے عیسائیوں سے مقابلہ کی ضرورت در پیش آ گئی تو متحد ہو جائیں اور اس ضرورت کے ختم ہوتے ہی ایک دوسرے الگ ہو جائیں اور پھر وہی آزادی ہو اور وہی قبیلہ کی حمایت جو بادیہ کی آب و ہوا کا خاصہ تھا دوسرا سبب عباسیوں کی ریشہ دوانیاں تھیں۔

نئی فوج کی تشکیل

اشبیلیہ کی بغاوت کے بعد امیر نے سمجھ لیا کہ عرب حاسد و دغا باز ہیں چنانچہ ان کی وفاداری سے مشکوک ہو کے اس نے مناسب سمجھا کہ ایک تنخواہ دار فوج رکھے تاکہ رعایا پر رعب و داب قائم رکھا جا سکے۔ اس غرض سے اس نے افریقیہ سے غلام خرید کر انہی لوگوں کو حکومت پر مامور کرنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ ان کی تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔ اس فوج کو امیر کی ذات خاص سے وابستگی تھی اور عربوں کی موروثی قبائلی نزاعات یا ملک کی خیر طلبی سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ اس کی مدد سے امیر اپنے تمام مخالفین پر غالب رہا۔

ابوالصباح کا قتل

ابو الصباح ایک طاقتور یمانی سردار تھا اور مضریوں سے انتقام لینے کو وہ عبدالرحمٰن کے ساتھ ہو گیا تھا۔ عبدالرحمٰن بھی آخر مضری قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ چنانچہ بعد معاہدہ فتح جبکہ وہ میدانِ جنگ ہی میں تھا ابوالصباح نے کہا کہ "اے گروہ یمن کیوں نہ ایک دن میں دو فتح حاصل کریں۔ یوسف اور صمیل سے تو ہم فارغ ہو ہی چکے ہیں لگے ہاتھوں لاؤ اس شخص یعنی عبدالرحمٰن کو بھی قتل کر ڈالیں پھر ہم ہی ہم ہیں اپنے ہی میں سے ایک شخص کو بادشاہ بنا لیں گے اور پھر مضریوں کو دیکھ لیں گے۔"[1] لیکن فتح کے جوش میں کسی نے اس پر کان نہ دھرا۔ عبدالرحمٰن کے کانوں تک بھی یہ بات پہنچی مگر اس نے بہ نظر مصلحت اس کو دل میں رکھا اور موقع کا منتظر رہا۔ چنانچہ امیر نے جب اس کو اشبیلیہ کی گورنری سے ہٹایا تو اس نے ناراض ہو کر بغاوت کا ارادہ کیا۔ ابو الخالد نے اس کی حمایت کی۔ لیکن امیر نے ابوالصباح کو حیلے سے طلب کر کے قتل کر دیا۔ ابوالصباح کے لشکر کو جو قصرِ امارت سے باہر کھڑا تھا جب اپنے سردار کے قتل کا علم ہوا تو ان میں بے چینی پھیل گئی۔ لیکن عبدالرحمٰن نے روپیوں سے ان کے منہ بند کر دیئے اور وہ خاموشی کے ساتھ اپنے گھروں کو لوٹ گئے اور ابو خالد نے

---

[1] مقری ۳۵۲

حکومت سے معزول ہونے کے بعد گوشہ نشینی اختیار کرلی۔[۱]

سلطنت کا ایک نیا دعویدار

ابھی یہ فتنوں پر پانی پڑا تھا کہ بربریوں کی بغاوت پھوٹ نکلی شقنا نامی ایک معلم جو بربر نے اپنے کو فاطمی ظاہر کرکے سلطنت کا دعویٰ کر دیا اور مستقل بربریوں کے گروہ کثیر کو مجتمع کرکے ۱۵۱ھ / ۷۶۸ء میں جبال طلیطلہ میں قلعہ شبطران[۲] کو اپنا مرکز بناکر علم مخالفت بلند کر دیا۔ دس سال تک شاہی فوجیں باغی کی سرکوبی سے عاجز و پریشان رہیں۔ آخر الامر ۱۶۰ھ / ۷۷۶ء شقنا ہی کے ہمراہیوں میں سے ابو حزیم اور ابو معین اس کا سر کاٹ کر امیر کے پاس لے آئے اور بغاوت ختم ہو گئی۔[۳]

اشبیلیہ کی بغاوت

عبد الرحمٰن ۱۵۶ھ / ۷۷۳ء میں شبطران میں شقنا کا محاصرہ کئے ہوئے تھا کہ عبد الغفار، عمرو اور حیوۃ یمانی رؤسا اشبیلیہ اطاعت سے پھر گئے اور یمانیوں کے گروہ کثیر کے ساتھ ابو الصباح کے انتقام پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ بربریوں کی بھی ایک بہت بڑی جماعت ان کے ساتھ شامل ہو گئی۔ اس خبر کے مسموع ہوتے ہی امیر نے شقنا کو اس کے حال پر چھوڑا[۴] اور اس زبردست بغاوت کو فرو کرنے کی غرض سے یلغار کرتا اشبیلیہ پہنچ گیا اور بحکمت عملی بربریوں کو باغیوں سے علیحدہ کرا دیا۔ بعد ازاں اپنے رشتے دار عبد الملک بن عمر کو جنگ کرنے کا حکم دیا۔ اشبیلیہ کے باہر ایک نہایت خونریز لڑائی کے بعد باغیوں کو نہایت فاش شکست ہوئی اور ان کے تیس ہزار آدمی کھیت رہے۔ بعد فتح عبد الملک امیر کی خدمت میں ایسی حالت میں آیا کہ تلوار سے خون بہہ رہا تھا۔ قبضۂ شمشیر ہاتھ سے نہ چھوٹتا تھا اور زخموں سے خون کے فوارے جاری تھے۔[۵] عبد الرحمٰن نے فرط مسرت سے اس کی پیشانی چوم لی اور اس شکر گذاری میں کہ اس نے سلطنت کو تباہی سے بچایا تھا اس کو وزارت سے سرفراز کرکے اس کی بیٹی سے اپنے بیٹے ہشام کا عقد کر دیا۔[۶] اس شکست کے بعد یمانی پھر کبھی نہ ابھر سکے۔

دوسرا عباسی حملہ

خلیفہ المہدی کے حکم سے عبد الرحمٰن بن حبیب الصقلی ایک لشکر کے ساتھ افریقیہ سے روانہ ہوکر ۱۶۱ھ / ۷۷۸ء میں ساحل مرسیہ پر اترا اور سلیمان الاعرابی گورنر سرقسطہ کو پیغام

۱ه اخبار مجموعہ ۵۱ — ۱۵۰ ۲ه ابن عذاری ۲/۸۱ ۳ه ابن اثیر ۶/۳ ۴ه ابن عذاری ۲/۸۴ ۵ه ابن اثیر ۶/۳ و مقری
۶ه ابن خلدون ۴/۱۲۰

جیسا کہ السبی کا خلیفہ پر بھروسہ تھا مجھے اپنے سر پر پہنچا ہوا تھا۔ انتظاری جواب پر المستقل نے اس پر فوج کشی کی مگر منہ کی کھائی اور اپنے لڑکے سمیت شکست کے ساتھ فرار ہو کر دم لیا۔ امیر کو ابھی شقنا کی بغاوت سے فرصت ملی تھی۔ فوجیں مرتب کر کے مرسیہ پہنچ گیا۔ المستقل اس کی آمد پر جبال بلنسیہ میں روپوش ہو گیا۔ امیر نے ایک ہزار دینار اس کے سر کی قیمت مقرر کی۔ لیکن اس انعام کا حاصل کرنے والا خود المستقل کی فوج کا ایک بربر تھا۔[1]

چھوٹی چھوٹی بغاوتیں

۱۴۳ھ/۷۶۰ء میں رماحس بن عبدالعزیز نے جزیرۃ الخضراء میں سر نکالا لیکن امیر نے بذات خود اس پر فوج کشی کر کے بغاوت فرو کی مگر ابن عبدالعزیز کسی طرح بچ کر خلیفہ بغداد کے پاس بھاگ گیا۔[2] بربریوں نے ابراہیم بن شجرہ البرنسی کی سرداری میں علم بغاوت بلند کیا۔ لیکن بدر نے البرنسی کو قتل کر کے ہنگامہ فرو کر دیا۔[3] ان ہی دنوں امیر کے ایک سپہ سالار سلمیٰ نامی نے بحالت بدمستی باب القنطرہ کو کھول کر قصر امارت میں داخل ہونا چاہا لیکن محافظین مزاحم ہوئے۔ صبح کو جب نشہ اترا تو مواخذہ کے خوف سے وہ بھاگ کر طلیطلہ پہنچا جہاں لوگوں کے قلوب امیر کی جانب سے غبار آلود تھے اس کے گرد جمع ہو گئے اور فتنہ برپا کر دیا۔ امیر نے طلیطلہ پر محاصرہ ڈال دیا لیکن کچھ عرصہ بعد سلمیٰ کے انتقال کر جانے سے باغیوں کی جماعت منتشر ہو گئی اور امن قائم ہو گیا۔[4]

سرقسطہ میں بغاوت

ان بغاوتوں کو فرو کرنے کے بعد امیر اپنے آبائی ملک شام کو عباسیوں سے نکالنے کی غرض سے جنگی تیاریوں میں مصروف تھا کہ شمال شرقی اندلس سے دہشت ناک خبریں موصول ہوئیں اور امیر کی تدابیر نے کچھ اور ہی صورت اختیار کر لی۔ ان دنوں سرقسطہ کے صوبہ میں رؤسائے عرب میں سے سلیمان بن یقظان الاعرابی اور حسین بن یحییٰ الانصاری حکومت کر رہے تھے۔ یہ علم حکومت قرطبہ سے منحرف ہو گئے اور شارلیمین شاہ فرانس کو اپنے علاقہ پر قبضہ دینے کو بلا بھیجا۔ شارلیمین ۱۶۲ھ/۷۷۸ء میں ایک ٹڈی دل فوج کے ساتھ روانہ ہوا اور پمپلونہ کو نہایت خونریز معرکے کے بعد سر کرتا سرقسطہ کے قریب جرار میں پہنچ گیا۔[5]

---

[1] ابن خلدون ۱۰/۱۹۸ و ابن عذاری ۲/۸۳ [2] مقری ۲/۳۶۶ [3] ابن خلدون ۱۰/۱۹۹ و اخبار مجموعہ ۱۵۷ [4] ابن اثیر ۶/۲۴ و اخبار مجموعہ ۱۵۷
[5] مسلم کالونیز ۱۰۸۔

یہ بہترین موقع تھا کہ امیر کی حکومت سخت معرضِ خطر میں آگئی تھی۔ ایک شخص جو دارالخلافہ سے ثعلبہ کی سپہ سالاری میں باغیوں کی سرکوبی پر متعین کی گئی تھا کامیاب نہ ہو سکا اور ثعلبہ گرفتار ہوگیا[1]۔ اسی اثنا میں جب مسلمانانِ سرقسطہ نے باغی سرداروں کو لعنت ملامت کی تو انہوں نے فرانسیسی فوجوں پر شہر کے دروازے بند کر دیے۔ چنانچہ شارلیمین نے قلعے کو محصور کر لیا۔ امیر کو جوں ہی ثعلبہ کی گرفتاری کا علم ہوا یلغار کرتا ہوا سرقسطہ روانہ ہوگیا۔ اس کی آمد پر شارلیمین محاصرہ اٹھا کر چلتا پھرتا نظر آیا۔ جب رانسسو یلس کے درے سے ہو کر گزرا تو الاعرابی کے بیٹوں عیشون اور مطروح نے کوہستان بشکنش کے عیسائی قبائل کے اشتراک سے اس کی فوج کے عقبی حصہ کو چھاپے مار کر غارت و برباد کر دیا[2]۔

سرقسطہ کا محاصرہ

شارلیمین کی واپسی پر الاعرابی اور انصاری کسی بات پر لڑ پڑے۔ الاعرابی مارا گیا اور انصاری نے بدستور علمِ بغاوت بلند رکھا۔ لیکن امیر نے اس کا اتنا سخت محاصرہ کیا کہ اس نے تنگ آ کر اطاعت کر لی اور اپنے بیٹے سعید کو بطور ضمانت اس کے حوالے کر دیا۔ امیر نے اس کے جرائم سے درگزر کر کے اس کو یہاں کی حکومت پر بحال رکھا[3]۔ یہاں سے نکل کر امیر جنوبی فرانس میں داخل ہوا اور اس کو پامال کرتا ہوا بشکنش کا رخ کیا اور اس کو بھی بہت تاخت و تاراج کیا۔ بنبلونہ اور قلہرہ کو مفتوح کیا۔ سربطانیہ کے حاکم پر جزیہ قائم کیا اور اس کے بیٹوں کو بطور یرغمال لیا[4]۔ امیر کو اپنے ہی ملک میں بغاوت کا ہر وقت دغدغہ رہتا تھا۔ اس لئے ارضِ فرانس میں زیادہ عرصہ قیام کرنا مناسب نہ سمجھا اور ان شہروں میں جو فرانسیسی حملہ سے متاثر ہوئے تھے امن بحال کر کے قرطبہ لوٹ گیا۔ اس کے بعد شارلیمین نے امیر کے پاس پیغامِ مصالحت بھیج کر اپنی بیٹی اس کے عقد میں دینا چاہا۔ امیر نے اول الذکر کو تو قبول کر لیا لیکن رشتۂ مصاہرت سے انکار کر دیا[5]۔ امیر نے قرطبہ پہنچ کر سفر کی گرد بھی نہ جھاڑی تھی کہ پھر انصاری کی گوشمالی پر کمر بستہ ہونا پڑا تھا۔ اس کا بیٹا سعید کیسے کسی

---

[1] ابن خلدون ۴/۱۲ [2] ابن اثیر ۶/۱، ۱۵۸ [3] ابن خلدون ۴/۱۲ [4] اخبار مجموعہ ۱۵۱ [5] ابن اثیر ۶/۲۴ اخبار الاندلس ۱/۱۴۴ [6] مقری ۳/۱۴۳

فوج بھاگ نکلی۔ اس کے بعد سرقسطہ بھیجی گئی جو الانصاری کے قبضہ میں تھا۔ الانصاری کی سرکوبی (۱۶۵ھ/۷۸۱ء)
اس مرتبہ امیر غیظ و غضب میں بھرا ہوا یہ عہد کر کے قرطبہ سے نکلا کہ قلعہ کو مفتوح کر کے پوری
آبادی کو شہر بدر کر دے گا کیونکہ اس آبادی کی بغاوت کی وجہ سے وہ اپنی شمالی مہم کو عملی جامہ
نہ پہنا سکا تھا۔ چھتیس منجنیقیں سرقسطہ پر نصب کر دی گئیں جو شب و روز کام کرتی رہتیں۔ دیواریں
چھلنی کر دی گئیں۔ آخر امیر نے اس مستحکم قلعہ کو سر کر کے چھوڑا۔[۱] الانصاری اور اس کے ساتھیوں
کو تلوار کے گھاٹ اتارا[۲] اور اپنی قسم کو پورا کیا لیکن غصہ ٹھنڈا پڑنے پر لوگوں کو دوبارہ شہر
میں بسنے کی اجازت دے دی۔[۳]

تخت کیلئے سازش

اس کے بعد امیر کو اپنے ہی خاندان کی ایک سازش کا مقابلہ کرنا پڑا۔ ابوعثمان
نے امیر کو اپنے قدیمی اثرات و قوت محسوس کرانے کے لئے اس کے بھتیجے
مغیرہ کو ۱۶۶ھ/۷۸۲ء میں تخت کے لئے برانگیختہ کیا۔ امیر کو جونہی اس کا علم
ہوا شہزادے کی گردن مروا دی۔[۴] لیکن ابوعثمان کو اس کی سابقہ خدمات کے صلے میں معاف
کر دیا اور لوگوں سے کہا کہ "یہ شخص (امور) سلطنت کا ابوسلمہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ جو کچھ ابوسلمہ
کی شان میں بنی عباس کے لئے کہا جاتا ہے میرے متعلق نہ کہا جائے۔ تم دیکھو گے کہ میں عنقریب
اس کے اوپر ایسا عتاب کروں گا جو قتل سے بدتر ہو گا۔ چنانچہ ہمیشہ وعدہ وعید کرتا رہا۔
اور اپنے دل کی بات اس پر نہ ظاہر ہونے دی۔[۵]

امیر پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اس نے ابوالصباح، ابوطالد، ابوعثمان اور بدر کے ساتھ
جنہوں نے قیام دولت میں اس کی مدد کی سخت بدسلوکی اختیار کی۔ اول تین کے حالات اوپر گذر
چکے ہیں۔ رہا بدر تو اس نے اپنے آقا کی وہ عزت کرنی چھوڑ دی تھی جو ایک ملازم کا فرض ہوا کرتا ہے
وہ امیر پر اپنے "بادشاہ گر" ہونے کا احسان جتایا کرتا تھا چنانچہ معتوب ہوا اور سرحد پر لے جا کر
قید کر دیا گیا۔ لیکن وہاں سے بھی اس نے اپنی گستاخانہ عرضیوں اور شکایتوں سے امیر کو ستا ڈالا۔[۶] اس کے

۱؎ اخبار مجموعہ ۱۶۱ و ابن اثیر ۶/۲۸-۲۷ ۲؎ ابن عذاری ۲/۸۴ ۳؎ ابن اثیر ۶/۳۰ ۴؎ مقری ۲۶۲
۵؎ مقری ۳۵۹

باوجود امیر نے صرف اسی قدر لکھ بھیجنے پر اکتفا کیا کہ "تیری زبان تیری سب سے بڑی دشمن ہے قبل اس کے کہ تیرے ٹکڑے کئے جائیں تیری زبان کے ٹکڑے ٹکڑے کئے جائیں گے"[۱] ان تاریخی شہادتوں کی روشنی میں امیر پر احسان فراموشی کا الزام کہاں تک درست ہے اس کا اندازہ ناظرین خود کر سکتے ہیں۔ بہرکیف ان میں سے ہر واقعہ کتنی ہی مخصوص وجہات کیوں نہ لئے ہو یہ ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ "بادشاہ گر" کا انجام اس سے بھی بدتر ہوتا ہے۔ السفاح اور المنصور کے ہاتھوں ابوسلمہ اور ابومسلم خراسانی کا قتل اور المہدی فاطمی کے ہاتھوں ابوعبداللہ الشیعی کا قتل اس کی روشن مثالیں ہیں۔

فہریوں کی مخالفت

امیر کی مشکلات مندرجہ بالا واقعات ہی پر منتہی نہ ہوئیں۔ یوسف الفہری کا بیٹا ابوالاسود ایک طویل مدت کی اسیری کے بعد اپنے کو نابینا ظاہر کرکے قیدخانے سے بھاگ نکلا (۱۶۸ھ/۷۸۴ء) اور طلیطلہ سے فہریوں اور واقعہ طلب لوگوں کا ایک لشکر تیار کرکے قرطبہ پر حملہ آور ہوا۔ لیکن امیر نے اس کو بمقام قسطلونہ وادی الاحمر کے کنارے سخت ہزیمت دی۔ ابوالاسود کے چار ہزار آدمی کھیت رہے اور وہ توریہ کی طرف بھاگ گیا[۲]۔ امیر سائے کی مانند اس کے پیچھے پھرا کیا۔ آخر دوسال کی صحرا نوردی کے بعد ابوالاسود ایک گمنام موت مر گیا (۱۷۰ھ/۷۸۶ء) اس کے بعد صدروں انتقام کا علم اس کے بھائی نے اٹھا لیا اس نے پہاڑوں میں اپنے خروج و فرار سے امیر کو تھکا ڈالا۔ آخر ایک روز لشکر نے بحالت غفلت اس کی جماعت پر چھاپہ مار کر اس کو گرفتار کر لیا اور امیر کے حکم سے اس کی گردن ماردی گئی[۳]۔ قاسم کے قتل پر یوسف کے خاندان کا آخری چراغ گل ہوگیا۔ اور فہری مخالفت بھی اپنے ناگزیر انجام کو پہنچ گئی۔ یوں استحکام سلطنت کی آخری کٹھن منزل طے ہوئی۔ تین سال[۴] جب امیر دارالخلافہ میں داخل ہوا تو لوگوں نے گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔

---

۱ مقری ۳۶۰ ۲ اخبار مجموعہ ۱۶۱ ۳ ابن عذاری ۲/۸۵
۴ ابن خلدون ۱۰/۲۰۱

وفات اور جائزہ

امیر کو زیادہ عرصہ اپنی محنتوں کا ثمر کھانے کو نہ ملا۔ میدانِ جنگ کی مسلسل سختیوں نے اس کی صحت برباد کر دی۔ وہ صاحبِ فراش ہو گیا۔ اور اپنے سب سے چھوٹے بیٹے ہشام کو جو بھائیوں میں سب سے لائق تھا اپنا جانشین نامزد کیا۔ آخر ۳۴ سال کے پُرآشوب دورِ حکومت کے بعد جمادی الآخر سنہ ۱۷۲ھ / ۷۸۸ء[1] کو جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ بنو مروان میں وہ پہلا شخص ہے جو اندلس میں داخل ہوا۔ اس لئے وہ "الداخل" کہلاتا ہے[2]۔ عبد الرحمٰن کا قد لمبا، جسم نحیف، آواز بلند، بال سنہرے، رخسار پتلے تھے، چہرے پر ایک ذرا سا تل تھا۔ ایک آنکھ اور قوتِ شامہ سے محروم تھا۔ وہ بڑا ذکی و فہیم، عالم، فیاض، فصیح و بلیغ، خلیق و مہمان نواز، شجاع و کریم، ارادے کا پکا، مستقل الحرکت اور خوش گو شاعر تھا۔ دوست و دشمن سب پر یکساں اس کا رعب تھا۔ ہمیشہ سفید لباس پہنتا سلطنت کا کام خود انجام دیتا اور ہر کس و ناکس اس کے پاس پہنچ کر دادخواہ ہو سکتا تھا[3]۔ قرطبہ کا تخت اس کے لئے پھولوں کی سیج نہ تھی۔ فتح معارکہ کے بعد ایک نہ ایک کی سرکوبی میں اس کو ہمیشہ کمربستہ رہنا پڑا۔ کبھی تو ہوا خواہانِ بنی عباس کو اس کے مطیع رہنے کی ہوس دامنگیر ہوتی اور کبھی خواہش مندانِ حکومت اٹھ کھڑے ہوتے۔ مگر اس کی سوانح میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا کہ جس سے وہ تھک کر بیٹھ گیا ہو۔

اپنی رعایا سے عبد الرحمٰن کی جنگ فیوڈلزم اور مطلق العنانی کی جنگ تھی۔ ایسی صورت میں اگر وہ بالاوقات ان کی جانوں کو نہ محفوظ رکھ سکا تو چنداں تعجب کی بات نہیں۔ تلوار کو بے نیام کر دینے کی پالیسی ازروئے انسانیت کتنی ہی قابلِ مذمت کیوں نہ ہو مگر وقت اور موقع کے لحاظ سے نہایت موزوں و مناسب تھی کیونکہ سرکش اور شورش پسند عناصر کو قابو میں رکھنے کا عبد الرحمٰن کے پاس سوائے اس کے کوئی اور طریقہ نہ تھا۔ ڈوزی کی رائے میں کوئی بادشاہ عہدِ وسطیٰ میں رعایا کو بجز اس طریقے کے مطیع نہ رکھ سکتا تھا۔ اگر ایک طرف ظلم و مطلق العنانی تھی تو دوسری طرف بدنظمی و بدعملی[4]۔ غرض عبد الرحمٰن نے

---

[1] ابن عذاری ۲/۶۱ [2] ابن خلدون ۴/۱۹۱ [3] ابن اثیر ۶/۵۴ [4] ابن عذاری ۲/۹۱
جلد ۱ تاریخ اندلس۔

اندلسیوں کو ایک ایسی چیز دے دی جو اندلس میں قریب پچاس سال سے مفقود تھی۔ یعنی "امن"
حکومتِ صالح داری کو ساکر شاہیِ مطلق کے قائم کرنے میں اس نے وہی تدبیریں اختیار کیں جو شاہانِ
یورپ نے پندرھویں صدی میں اختیار کیں۔

فنونِ امن میں بھی عبدالرحمٰن اتنا ہی ماہر تھا جتنا کہ فنونِ حرب میں کامل۔ مہماتِ جنگی کے ساتھ
وہ سلطنت کی شان و شوکت بڑھانے کی طرف سے غافل نہیں رہا۔ اس نے دفاتر اور محکمے قائم کئے۔ مدارس
مساجد اور شفاخانے بنوائے۔ ڈاک اور پولیس کا اعلیٰ انتظام کیا۔ ملک کا دورہ کر کے لوگوں سے خفیہ طور پر صوبائی
حکام کے طرزِ عمل کی بابت دریافت کرتا اور ان کی شکایات کا ازالہ کرتا۔ یہاں تک کہ لوگ اس کی خوش سیرتی
اور عاملانہ تدابیر کے گرویدہ ہو گئے[1]۔ اس نے قرطبہ میں "رصافہ" نامی ایک خوب صورت باغ لگوایا اور
اقطاعِ عالم سے نادر پھل پودے منگوا کر اس میں نصب کروائے۔ اس باغ میں ایک کھجور کا درخت
بھی اس نے ملکِ شام سے منگوا کر لگوایا تھا۔ اس کے متعلق اس کے طبع زاد چند اشعار ہیں جو ایک غریب الوطن
الوطن کے دردِ فراق کے ترجمان ہیں جو مثل اس درخت کے اپنے ملک اور اعزا و اقربا سے جدا دور
پڑا ہوا ہے۔ اس باغ میں ایک خوب صورت قصرِ شاہی بھی تعمیر کیا جس کی چھت سونے کی تھی اور اس
پر خوب صورت گل کاریاں تھیں۔ عبدالرحمٰن نے اپنی وفات سے دو سال قبل جامع مسجد قرطبہ کی تعمیر شروع
کی جس کا نقشہ خود اس نے تیار کیا تھا۔ اس پر اور قصرِ شاہی پر اسی ہزار دینار صرف کئے[2]۔ لیکن داعیٔ اجل
نے اس کو اتنی مہلت نہ دی کہ مسجد کی تکمیل دیکھ لیتا۔ مگر اپنے جانشین کے عہد میں اتمام کو پہنچ کر اپنے بانی
ہی کی علو ہمتی پر دلیل ہوئی۔

عبدالرحمٰن لوگوں میں علم کا شوق پیدا کرنے کے لئے اپنے فرصت کے لمحات میں علمی مجالس منعقد کرتا
اور لوگوں کے اظہارِ کمال پر انعامات عطا کرتا۔ ملک میں مختلف النسل لوگ آباد تھے۔ جن کا طرزِ ماندوبود جدا
تھا۔ قومی روایات جدا تھیں اور نہ ان میں حب الوطنی کا کوئی قومی جذبہ پایا جاتا تھا۔ ان لوگوں کو ایک
قومی سانچے میں ڈھال دینا نہایت دشوار کام تھا لیکن عبدالرحمٰن نے اس کو آسان کر دکھایا۔ ان کو آدابِ سلطانی
کا خوگر بنا دیا اور آپس میں مروت کرنے کا طریقہ سکھا کر ان کو ذہنی و دماغی ترقی کی راہ پر ڈال دیا[3]۔ عبدالرحمٰن کا

---

[1] ابن خلدون ۱۰/۱۲۲ [2] ابن اثیر ۵/۲۳۵ [3] مقری ۳ ۱۴۳

مقام ان عظیم المرتبت سلاطین کی صف میں ہے جنہوں نے قوموں کو روئے زمین کے حالات میں تغیر عظیم پیدا کرنے میں دل ودماغ کی محیر العقول صلاحیتوں کا اظہار کیا ہے جس بے سروسامانی میں اس نے وطن سے نکل کر سلطنت کے ایک نظام کو درہم برہم کرکے دوسرا اس کی جگہ قائم کیا۔ وہ قریب قریب ایک معجزہ ہے۔ تاریخ اس سے زیادہ حیرت انگیز، دلچسپ اور ولولہ پرور نظیر کی کوئی دوسری نظیر نہیں پیش کرسکتی۔ یورپ میں اس کی قائم کردہ سلطنت تاریخ کا نہایت اہم واقعہ ہے کیوں کہ اس سلطنت کی عظیم الشان تہذیب کے بطن سے یورپ کی نشاۃ ثانیہ کی ولادت ہوئی۔ ابوجعفر المنصور اور عبدالرحمٰن میں عجیب و غریب مماثلت پائی جاتی ہے۔ جہاں دونوں شجاعت و مردانگی دوسروں پر غالب آجانے اور مستقل مزاجی میں یکساں تھے وہاں دونوں کی مائیں بھی بربری تھیں۔ منصور عبدالرحمٰن کو "قریش کا شہباز" کے لقب سے یاد کیا کرتا تھا۔[1] اپنی مجالس میں سخت دشمنی کے باوجود اکثر اس کی تعریف ان الفاظ میں کیا کرتا۔ "اگر ہماری سلطنت باوجود اس کی سختی اور اس کے اسباب کی قوت کے قائم رہ جائے تو تم تعجب مت کرو۔ اصل تعریف کی بات تو وہ ہے کہ جو اس یگانہ روزگار جوان قریشی نے کی ہے۔ جو اپنے اہل سے جدا ہوا۔ اپنی ہمت سے مصائب کی پرواہ نہ کی۔ اپنی دھن کا پکا رہا۔ یہاں تک کہ اپنی عزت کی بنا رقائم کرنے کے لئے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا۔ ایک دور دراز جزیرہ میں جا پہنچا۔ جہاں فوجیں اس کے مقابلے کے لئے موجود تھیں مگر ان فوجوں کو اپنی ہمت سے شکست دی اور اپنے حریفوں سے ایک دوسرے کو لڑا کر مار ڈالا۔ اہل ملک کا دل سیاست کے عمل سے اپنی مٹھی میں لے لیا حتی کہ بڑے بڑے آدمی اس کے مطیع ہوگئے اور وہ تمام ملک پر قابض ہوگیا۔ یہ شخص اپنے اعداء کے لئے مجسم قہر ہے اور اپنے عہد کا پورا۔ اپنی سرحد کے پاس کسی کو پھٹکنے نہیں دیتا۔ لوگ اس سے محبت بھی کرتے ہیں اور ڈرتے بھی ہیں۔ یہی جوان وہ شخص ہے کہ جس پر جوانی کا اطلاق کیا جاسکتا ہے اگر کوئی اس کی تعریف کرے۔ تو اس کو جھوٹا نہ سمجھو۔"

عبدالرحمٰن اور شارلیمین

عبدالرحمٰن کی طرح شارلیمین کو بھی استحکام سلطنت کے لئے جرمنی فرانس ولومبارڈی کے وحشی قبائل سے مستقل برسرپیکار رہنا پڑا۔ اس نے بھی

---

[1] اخبار مجموعہ ۶۵ ـ ۱۶۴ ذعبدالواحد ۱۳

علماء کی سرپرستی کی اور خانقاہوں میں مدارس قائم کئے۔ اس کی تاریخی عظمت عین اور مسلم ہے لیکن یہ عظمت پہلے اس پر ٹھونسی گئی تھی اس لئے ایک بنی بنائی سلطنت اپنے باپ بیبی سے ورثے میں پائی تھی۔ اس کے برعکس عبدالرحمٰن آپ اپنی سلطنت و عظمت کا معمار تھا۔ امریکی مصنف نے لکھا ہے کہ "وہ اپنے زبردست حریف شارلیمین سے نہ صرف دولت و ثروت میں بڑھا ہوا تھا بلکہ اس کی فوج بھی نسبتاً تعداد میں افزوں اور زیادہ بہتر ہتھیاروں سے مسلح تھی۔ تاجدارِ خلافت مشرقی بھی اس سے ڈرتا تھا۔ وہ ایک شمشیر زن سپاہی بھی تھا اور عالم کو مہذب بنانے والا بھی۔ اپنی قوم سے فلاح و بہبودِ انسانی کا جو کام اس نے لیا۔ فرانسیسیوں کے شہنشاہ کو خواب میں بھی اس کا فخر نہیں ہو سکتا۔[1] عہد نیس راڈرک بھی جو طلیطلہ کا باشندہ تھا اس امر کا معترف ہے کہ "شارلیمین کی دیو پیکر شخصیت عبدالرحمٰن کی عظیم الشان شخصیت کے سامنے ماند پڑجاتی ہے"۔[2]

---

[1] ہنری کوپ $\frac{2}{179}$ [2] ہنری کوپ $\frac{2}{179}$

ہشام اوّل

۱۷۲ھ تا ۱۸۰ھ
۷۸۸ء ۷۹۶ء

تخت نشینی
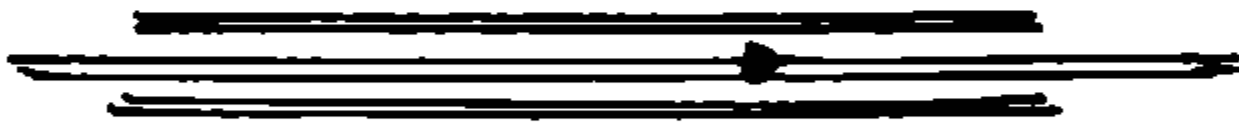
تخت نشین ہوتے ہی ہشام کو اپنے ہی خاندان کی ایک بغاوت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے بھائی سلیمان حاکم طلیطلہ نے بزورِ شمشیر تخت حاصل کرنا چاہا اور طلیطلہ میں علمِ بغاوت کھڑا کر دیا۔ اس کا دوسرا بھائی عبداللہ المعروف بہ البلنسی بھی قرطبہ سے بھاگ کر اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔ ہشام نے طلیطلہ کو محصور کر دیا۔ لیکن سلیمان نے شہر کی حفاظت پر عبداللہ کو چھوڑا اور دوسرے دروازے سے نکل کر قرطبہ پر حملہ کر دیا۔ ہشام نے اپنے بیٹے عبدالملک کو اس کے تعاقب میں روانہ کیا۔ فصیلِ قرطبہ کے باہر سلیمان نے شکست کھائی اور مرسیہ بھاگ گیا۔ عبداللہ نے دو ماہ کے محاصرے کے بعد اطاعت قبول کر لی اور معاف کر دیا گیا۔[1] بعد ازاں سلیمان پر فوج متعین کی گئی۔ آئے دن کے حملوں سے پریشان ہو کر سلیمان اپنے حق سے دستبردار ہو گیا۔ ہشام نے اس کے عوض اس کو ساٹھ ہزار دینار مرحمت فرمائے۔ اس کے بعد سلیمان نے مع اپنے بھائی عبداللہ اور اہل و عیال کے افریقیہ میں جا کر سکونت اختیار کی۔[2]

مشرقی اندلس میں بغاوتیں

ان واقعات کے اثنا میں سعید بن حسین الانصاری نے لوگوں کو عباسیوں کی دعوت دی اور گردہ یمانیہ کو مجتمع کر کے طرطوشہ پر فوج کشی کر دی۔ یہاں کے گورنر یوسف بن عیسیٰ نے شکست کھائی اور شہر پہ سعید کا قبضہ ہو گیا لیکن بہت جلد موسیٰ بن فرتون نے قبائلِ مضریہ سے اپنا لشکر مرتب کر کے باغی پر چڑھائی کر دی اور

---

[1] ابن خلدون ۴/۲۰۳ [2] ابن عذاری ۲/۵۴ [3] ابن اثیر ۶/۴

اس کو قتل کر کے دوبارہ ہشام کی دعوت قائم کر دی[۱]۔ اسی طرح سلیمان الاعرابی کے بیٹے[۲] مطروح نے دربار قرطبہ سے انحراف کیا۔ برشلونہ سے فوج مرتب کر کے سرقسطہ پر حملہ آور ہوا اور موسیٰ بن فرتون کو شکست دے کر شہر پر قابض ہو گیا۔ ہشام نے اپنے بھائیوں کی بغاوتوں سے فرصت پا کر ۱۷۵ھ/۷۹۱ء میں ابوعثمان کو مطروح کی گوشمالی پر متعین کیا۔ ابوعثمان نے سرقسطہ پہنچ کر اس کا سخت محاصرہ کر لیا۔ آخر محصورین نے تنگ آ کر مطروح کو قتل کر ڈالا اور اس کا سر ابوعثمان کے پاس بھیج دیا۔ اور بغاوت ختم ہو گئی[۳]۔ اسی زمانے میں تاکرنا میں بربریوں نے سخت خلفشار برپا کر دیا۔ عبدالقادر بن ابان [illegible] ان کی گوشمالی پر مقرر ہوا۔ شدید کارروائی کے بعد آتش بغاوت پر پانی ڈال دیا گیا۔ ہزارہا بربر مارے گئے اور باقی ماندہ طلیرہ اور ترجیلہ کی طرف بھاگ نکلے اور سات سال تک تاکرنا ویران و غیر آباد پڑا رہا[۴]۔

عیسائیوں سے آویزشیں

ہشام کی ابتدائی مشکلات سے فائدہ اٹھا کر شارلیمین کے بھڑکانے سے قشتالہ بشکنش اور جلیقیہ کے عیسائیوں نے امیر قرطبہ کی اطاعت کا جوا اتار پھینکا اور فرانسیسی لشکر کے ساتھ مل کر سرحد پر تاخت و تاراج شروع کر دی۔ لیکن عساکر اسلامیہ نے ان کی کما حقہ گوشمالی کر دی اور جنوبی فرانس تک کا علاقہ زیر و زبر کر ڈالا۔ ابوعثمان نے قشتالہ کے حدود میں داخل ہو کر اس کو پامال کر ڈالا اور وافر غنیمت کے ساتھ قرطبہ کی جانب مراجعت کی۔ یوسف بن بخت نے ۱۷۶ھ/۷۹۲ء میں برمودو رئیس جلیقیہ کو ایک سخت لڑائی میں فاش شکست دے کر قتل ڈالا[۵]۔ دوسرے سال وزیر سلطنت عبدالملک کی تلوار نے سرحد پر ایک آفت برپا کر دی۔ وہ قشتالہ و بشکنش کے راستے ارض فرانس میں گھس گیا۔ اور فرانسیسیوں کے ایک زبردست لشکر کو ہزیمت دے کر شہر جرندہ کے بروج اور شہر پناہ کو مسمار کر ڈالا۔ دشمن کی بہت بڑی تعداد قتل و گرفتار ہوئی۔ بعد ازاں عبدالملک نے سلیانیہ پر اپنا غصہ اتارا اور جی بھر کر اس کو پامال کیا[۶]۔ یہاں سے عبدالملک نے سپٹی مینیا کی تسخیر کے قصد سے اربونہ کا رخ کیا۔ کاؤنٹ ولیم نے جو شارلیمین کی جانب سے سپٹی مینیا کا گورنر تھا ایک عظیم الشان

۱؎ ابن خلدون ۴/۱۴۴ ۲؎ ابن اثیر ۶/۴۹ ۳؎ ابن خلدون ۴/۱۰۴ ۴؎ ابن عذاری ۲/۹۰
۵؎ ابن اثیر ۶/۴۹ ۶؎ ابن خلدون ۴/۱۰۴ ۷؎ ابن اثیر ۶/۵۴

لشکر کے ساتھ محاصرہ اٹھوا لینے کی کوشش کی۔ دریائے آرو کے کنارے سخت گھمسان کی لڑائی واقع ہوئی۔ اگرچہ ولیم بڑی بہادری سے لڑا مگر اپنے لشکر کو فتح یاب نہ کرا سکا اور بے شمار لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ آخر ایک سخت محاصرہ کے بعد ہربرہ پر دوبارہ اسلامی پرچم لہرانے لگا۔ بے قیاس غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔ صرف سونے کے پانچویں حصہ کی مقدار ۴ ہزار مثقال تھی[1]۔ وزیر سلطنت عبدالملک ۱۸۱ھ میں پھر حدود جلیقیہ میں داخل ہوا۔ وہاں کا رئیس الفانسو تھا۔ مقابلہ پر آیا۔ مگر اس پر کچھ ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ بلا جدال و قتال بھاگ کھڑا ہوا۔ عبدالملک نے اس کے دارالخلافہ استورقہ تک اس کا تعاقب کر کے ملک کو بے حد پامال کیا۔ یہاں تک کہ الفانسو نے اطاعت قبول کر لی۔ ان شرائط میں سے جو جلیقیہ کے عیسائیوں پر عائد کی گئیں ایک کے مطابق ان کو اربونہ کا ملبہ پیٹھ پر لاد کر چھ سو میل کا فاصلہ طے کر کے قرطبہ لانا پڑا[2]۔ یہ ملبہ مسجد قرطبہ کی تعمیر میں استعمال کیا گیا۔

اندلس میں مالکی مذہب کا رواج

ان دنوں مشرق میں سُنّی فقہ کے مذاہب کی بنیاد پڑ رہی تھی۔ اندلس کے چند علماء مدینہ جا کر امام مالکؒ کے علم سے مستفیض ہو کر واپس آئے۔ ہشام نے جب مالکی عقائد کو قبول کیا تو حکومت کا مذہب مالکی ہو گیا۔ اس نے اس کو ملک میں فروغ دینے کی بلیغ کوشش کی۔ جو لوگ امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر تحصیل علم کرتے ان کو سرکار سے وظائف عطا کئے جاتے۔ ایسے طلباء کی اکثریت مولدین کی ہوتی تھی۔ یہ لوگ دین کے سخت پابند ہوتے اور حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوتے۔ فقیہ یحییٰ بن یحییٰ جو بربر قبیلہ مصمودہ سے تعلق رکھتے تھے بلحاظ علم و فضل اور زہد و اتقاء اندلس بھر میں سب سے زیادہ عزت و مقبولیت حاصل تھی۔ ان کے مشورے کے بغیر کسی شخص کا قضا کے عہدے پر تقرر نہیں کیا جاتا تھا۔ امام مالکؒ نے ان کی ذہانت و فطانت کی وجہ سے ان کو "العقیل" کا لقب دیا تھا[3]۔

---

[1] ابن عذاری ۲/۹۵ ؛ مسلم کالونیز ۱۱۷ [2] مقری ۱/۱۵۱ ؛ ابن اثیر ۶/۵۹
[3] ابن خلکان ۲/۲۹ ۔

وفات اور جائزہ

ہشام نے آٹھ سال کے مختصر مگر مستحکم عہد حکومت کے بعد چالیس سال ماہ صفر ۱۸۰ھ / ۷۹۶ء میں وفات پائی[1]۔ مورخین اس بات کے معترف ہیں کہ وہ نہایت کریم النفس، دیندار، عادل، رعایا پرور اور عہد کا پکا تھا۔ اس کے زمانے میں سلطنت کی حدود مستحکم رہیں۔ محاصل کی وصولی میں قرآن اور سنت کی پیروی کی وجہ سے اس کو عمر بن عبدالعزیز کے مماثل کہا گیا ہے۔ وہ سرکاری عہدوں پر ہمیشہ صالح اشخاص کا تقرر کرتا۔ اس کے جاسوس خفیہ طور پر عمال کے طرز عمل کی نگرانی کر کے امیر کو ملک کے حالات سے باخبر رکھتے۔ بددیانت عامل سے کڑی باز پرس کی جاتی، اس کو معزول کر دیا جاتا اور پھر کبھی کسی عہدہ پر اس کو نہ مامور کیا جاتا[2]۔ لشکر کا کوئی سپاہی سرحدی جنگ میں مر جاتا تو اس کے بیٹے کا نام دفتر وظائف میں درج کر لیا جاتا۔ اشرفیوں کی تھیلیاں لے کر وہ راتوں کو بھیس بدل کر دارالخلافہ کی گلی کوچوں کا گشت کر کے ضعیفوں، دربدر نشینوں کی دستگیری کرتا۔ محتاجوں میں خود غلہ تقسیم کرتا اور بیماروں کی عیادت کرتا۔ موسلا دھار بارش اور کڑاکے جاڑے کے باوجود جو لوگ مسجدوں میں نماز پڑھنے آتے ان میں تقسیم کرنے کے لئے اشرفیوں کے توڑے بھیجتا۔ اس طرز عمل سے یہ منشا تھا کہ مسجدیں آباد رہیں[3]۔ امام مالکؒ کو جب اس کے حالات کی خبر ہوئی تو انہوں نے اس کی بڑی تعریف کی اور کہا کہ "ایسے ہی لوگ خلیفہ ہونے کے مستحق ہیں"[4]۔

ہشام نے جامع مسجد قرطبہ کو مکمل کرانے کے علاوہ مختلف شہروں اور دارالسلطنت میں مدارس، مساجد، شفاخانے، سرائیں اور دیگر عمارتیں بنوائیں۔ سلطنت کا بوجھ پڑ جانے کے بعد اس کے شغل سیر و شکار میں بہت کمی آ گئی تھی۔ وادی الکبیر کے پل کی مرمت کے دوران میں اس کو اپنے کسی وزیر سے معلوم ہوا کہ اہل قرطبہ کا خیال ہے کہ امیر اس پل کی اس لئے تجدید کر رہا ہے کہ اس کو شکار میں جانے کے لئے سہولت ہو۔ یہ سن کر اس نے عہد کر لیا کہ آئندہ کبھی اس پل پر سے نہ گزرے گا۔ اور اس کو نبھایا۔ علمی مجالس کو ترقی دینے کے لئے اس نے مدارس میں عربی زبان لازمی قرار دے دی[5]۔ اس سے اگر ایک طرف عیسائیوں کو سرکاری عہدوں کے حصول میں مدد ملی تو دوسری طرف

---

[1] ابن عذاری $\frac{2}{91-92}$ [2] مقری ۱۵۰ [3] اخبار مجموعہ ۱۲۶-۱۲۷ و عبدالواحد ۱۴
[4] مقری ۱۵۱ [5] اخبار الاندلس $\frac{3}{209}$ ۔

علام اور بانی اسلام کو سمجھنے کا موقع ملا چنانچہ اپنے عقائد کی نادرستی سے واقف ہو کر انہوں نے کثرت سے اسلام قبول کیا اور فاتح و مفتوح قوموں میں خوشگوار تعلقات پیدا ہو گئے ہشام کی لسانی پالیسی پر تبصرہ کرتے ہوئے اسکاٹ لکھتا ہے کہ "امیر ہشام نے یہودی اور عیسائی مدارس میں عربی زبان کو لازمی قرار دیا۔ اس تدبیر سے چند ہی سال کے عرصے میں ایک سیاسی و تمدنی انقلاب پیدا کر دیا۔ اگر یہ تدبیر نہ کی جاتی تو معمولی اصلاح کے لئے بھی کئی نسلیں گذر جاتیں اور پھر بھی یہ بات حاصل نہ ہوتی۔ جو قوم اپنی زبان کو چھوڑ کر کسی غیر قوم کی زبان استعمال کرے گی وہ یقیناً اپنی ہستی کو گم کر دے گی۔ ہشام کی اس حکمت عملی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مفتوحین اپنے فاتحین کے مذہب معاشرے اور آپس میں ایک دوسرے کی قدر کرنے لگے۔ اختلاط اور دوستی یہاں تک بڑھی۔ کہ آپس میں شادیاں ہونے لگیں۔ پہلے شاذ و نادر ہی کوئی عیسائی مسلمان ہوتا تو تمام ملک میں تہلکہ مچ جاتا۔ اب لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے۔ گاتھک لباس کی جگہ عربی لباس نے لے لی اور غیر مسلم مسلمانوں میں ضم ہو کر رہ گئے"۔ ہشام ہمیشہ علماء و فقہاء کو اپنی صحبت میں رکھتا یہی لوگ امور سلطنت میں اس کے مشیر ہوتے اور قرطبہ علم و عمل کا مرکز بن گیا جب تک ہشام حکومت کرتا رہا۔ حالات ٹھیک رہے۔ لیکن اس کے جانشین کے عہد میں علما کے اقتدار کو ٹھیس لگنے سے صورت حال بالکل بدل گئی۔

الحکم اوّل

۱۸۰ھ تا ۲۰۶ھ
۷۹۶ء — ۸۲۲ء

تخت نشینی

ہشام کے نوجوان بیٹے الحکم نے مشکل سے زمام حکومت سنبھالی تھی کہ ملک کے مختلف حصوں میں عرب و بربر رؤسا نے علم مخالفت بلند کر دیا۔ عبیدہ بن حمید نے طلیطلہ میں۔ ابوالحجاج نے سرقسطہ میں۔ ابو عمران نے وشقہ میں۔ اور زید نے برشلونہ میں سرکشی اختیار کی۔ اسی زمانے میں الحکم کے چچاؤں عبداللہ اور سلیمان نے بھی سلطنت کا دعویٰ کر دیا۔ وہ بربریوں کی ایک جمعیت کے ساتھ افریقیہ سے اندلس میں داخل ہوئے اور علی الترتیب بلنسیہ اور طلیطلہ پر قابض ہو گئے۔ عبداللہ نے اپنی بغاوت کو کامیاب بنانے کی غرض سے شمال مشرقی اندلس کے باغیوں کے ایک وفد کے ساتھ ایلا شیپل میں شارلیمین سے ملاقات کر کے اس کو اندلس پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی[1]۔

بغاوتوں کا استیصال

ان بغاوتوں کو فرو کرنے میں الحکم نے حیرت انگیز برق رفتاری کا اظہار کیا۔ سب سے پہلے اس نے طلیطلہ کا محاصرہ شروع کیا۔ اس وقت اس کو فرانسیسی حملے کی خبر ملی۔ چنانچہ طلیطلہ کا محاصرہ عمروس بن یوسف کے سپرد کر کے خود یلغار کرتا شمال مشرق کی جانب روانہ ہو گیا۔ اس درمیان میں باغیوں میں پھوٹ پڑ چکی تھی۔ ابوالحجاج نے ابو عمران کو ایک جنگ میں شکست دے کر قتل کر ڈالا اور عبداللہ بمشکل اپنی جان سلامت لے کر بلنسیہ

---

[1] مسلم کالونیز ۱۲۱ ۔ —

پہنچ سکا[1]۔ ابوالحجاج نے جب فرانسیسیوں کو وشقہ میں اندر داخل ہونے دیا۔ تو شہزادہ لوئس
نے برشلونہ پر محاصرہ ڈال دیا۔ لیکن الحکم کی آمد کی خبر پاتے ہی محاصرہ اٹھا کر چل دیا۔ الحکم شہر میں
داخل ہو گئے۔ زید نے عفو تقصیرات چاہی۔ امیر نے اس کو معاف کر کے گورنری پر بحال رکھا[2] اور
عمیرہ نے فرانسیسیوں کو وشقہ پر متعین کر کے بعجلت تمام طلیطلہ روانہ ہو گیا۔ عبدالکریم نے
فیصیح بیٹے کو عبور کر کے فرانسیسی لشکر کو ایک شدید جنگ میں فاش شکست دے کر اس کا خیمہ و خرگاہ
لوٹ لیا اور جرندہ جس کو لوئس نے اپنی پیشکشی کے بعد ان پر فتح کر لیا تھا دوبارہ اسلامی مقبوضہ
بنا لیا گیا[3]

جوں ہی الحکم طلیطلہ پہنچا سلیمان نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا لیکن شکست کھا کر راہ گریز
اختیار کی۔ الحکم چار سال تک اس کے تعاقب میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پھرا کیا۔ آخر الامر ۱۸۵ھ/۸۰۱ء میں بلبز
میں ایک سخت محاربہ کے بعد سلیمان ہزیمت اٹھا کر ماردہ کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ لیکن شاہی لشکر نے تعاقب
کر کے اس کو گرفتار کر لیا اور امیر کے حکم سے اس کی شمع حیات گل کر دی[4]۔ بعد ازاں امیر نے عبداللہ کی
طرف توجہ کی۔ لیکن تلوار چلانے کی نوبت نہ آئی اور فقیہہ یحییٰ بن یحییٰ نے دونوں میں مصالحت کرا دی[5]
اس اثنا میں عمروس نے جو طلیطلہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔ طلیطلہ کے ایک نو مسلم عیسائی خاندان
بنی مخشی سے سازش کر کے باغی عبیدہ کو قتل کرا دیا اور فتنہ و فساد کا خاتمہ ہو گیا۔ یہاں کی حکومت
اپنے بیٹے یوسف کو مقرر کر کے عمروس سرقسطہ کی جانب روانہ ہو گیا اور سخت معرکوں کے بعد اس کو
بھی باغیوں کے تصرف سے نکال لیا[6]۔ بعد ازاں اس نے اپنے مستقر حکومت طلیرہ کی طرف مراجعت کی
یہاں کے بربریوں نے اپنے سردار عبیدہ کے انتقام میں بنی مخشی کا قتل عام شروع کر دیا۔ لیکن
عمروس نے ان شورہ پشتوں کے سات سو سرداروں کو گرفتار کرا کے قتل کر ڈالا اور ان کے سروں
کو بھی عبیدہ کے سر کے الحکم کی خدمت میں بھیج دیا اور امن و امان بحال کر دیا گیا[7]

---

[1] ابن اثیر ۶/۹۳-۹۲ [2] اخبار الاندلس ۱/۱۴۴ [3] ابن عذاری ۲/۱۰۵ [4] ابن اثیر ۶/۹۹-۹۸
[5] ابن خلدون ۱۰/۲۰۹ [6] ابن اثیر ۶/۱۴۴ [7] ابن عذاری ۲/۱۰۴

اسپینش مارچ کا قیام

الحکم کو اپنے چچاؤں کے ساتھ مصروف جدال و قتال دیکھ کر فرانسیسی فرجون نے سنہ ۱۸۵ھ / ۸۰۱ء میں برشلونہ کا محاصرہ کیا۔ اسلامی فوجیں بروقت کی حمایت کو نہ پہنچ سکیں۔ آخر الامر مسلمانوں نے سات ماہ کے سخت مقابلے کے بعد شہر کو از روئے معاہدت دشمن کے حوالے کر دیا۔ غنیم نے شہر میں داخل ہو کر خلاف معاہدہ مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ عورتوں کی آبرو ریزی کی اور مساجد کو گرجوں میں تبدیل کر دیا۔ اس طرح خانہ جنگیوں کی بدولت اندلس کا شمال مشرقی علاقہ مسلمانوں سے نکل گیا۔ شارلیمین نے اس علاقے میں "اسپینش مارچ" کے نام سے ایک ریاست قائم کر کے اس کو دو حصوں میں منقسم کر دیا۔ یعنی "گیسکن مارچ" اور "کاتھک مارچ"۔ اول الذکر بزہ اور ارغون کی ریاست پر مشتمل تھی اور ثانی الذکر کا حدود اربعہ صوبہ قتلونیہ کے مطابق تھا۔ اور برشلونہ اس کا صدر مقام۔ اس طرح ایک طرف تو جنوبی فرانس اسلامی حملوں سے محفوظ ہو گیا دوسری طرف اندلس کے لیے خطرہ کا دائرہ وسیع ہو گیا۔[1]

طلیطلہ کی بغاوت

طلیطلہ کی آبادی زیادہ تر عیسائیوں، نو مسلموں اور مولدین پر مشتمل تھی جن میں فساد و مخالفت کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ انہوں نے شارلیمین سے ملاقات کر کے اس کو طلیطلہ کے حملے پر ابھارا۔ چنانچہ فرانسیسی عظیم الشان لشکر کے ساتھ طلیطلہ پہنچ گئے۔ یوسف گورنر طلیطلہ مقابلہ پر آیا مگر شکست کھائی اور شہر پر شاہ فرانس کا قبضہ ہو گیا۔ یوسف گرفتار ہوا اور صخرہ قیس میں لے جا کر قید کر دیا گیا (۱۸۰ھ) لیکن زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ فرانسیسیوں کی شادمانی یکایک شام غم میں بدل گئی۔ عمروس نے سرقسطہ سے عساکر اسلامیہ کو اپنے چچیرے بھائی کے ساتھ طلیطلہ کی طرف روانہ کیا۔ شہر کے باہر دونوں فریق میں گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ فرانسیسیوں کو ہزیمت ہوئی اور وہ نہایت بے سرو سامانی سے طلیطلہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اور یوسف کو قید کی تکالیف سے نجات ملی۔[2]

---

[1] مسلم کالونیز ۱۲۶ [2] ابن خلدون ۱۰/۲۱۰

قرطبہ میں ہنگامے

اگرچہ الحکم مذہب سے بیگانہ نہ تھا۔ وہ علماء و صلحاء کی صحبت کا شائق تھا اور نہایت درجہ حق پسند تھا۔ تاہم وہ امور سلطنت میں ان کی مداخلت کو ناپسند کرتا تھا۔ اور ایک زاہد خشک کے برعکس زندگی کو زینت بخشنے [illegible]۔ یہ چیز تھا۔ قرطبہ کے اہل علم و ورع کو الحکم کا لذات دنیاوی میں انہماک ناگوار گذرا[1]۔ دوسری صدی ہجری کے اختتام پر قرطبہ کی آبادی کی کثرت نومسلموں اور مولدوں سے مرکب تھی جو دین کے بے حد پابند اور علماء و فقہاء کے زیر اثر تھے۔ علماء نے فاتح و مفتوح اقوام کو شیر و شکر کرنے کے بجائے مولدین کو امیر کے خلاف ابھار دیا۔ یہ لوگ اس پر علانیہ فقرے کستے اور راستے میں اس پر حملے کرتے۔ بعد ازاں عموماً یہ جملہ کہا جاتا کہ "نشے میں رہنے والے بیدار ہو جا"[2]۔ راعی اور رعایا میں تصادم اس کا لازمی نتیجہ تھا۔ الحکم کو مجبور ہو کر اپنی حفاظت کے لیے سوڈان کے سیاہ فام حبشی غلاموں سے اپنی جاں نثار فوج ترتیب دینی پڑی۔ یہ لوگ عربی سے نابلد ہونے کی وجہ سے "عجمی" کہلاتے تھے اور شوق خونریزی میں بے محابا قتل کرتے تھے۔ اس چیز نے اہل قرطبہ کی آتش نفرت و عداوت پر ایندھن کا کام کیا۔ جہاں بھی وہ کسی عجمی کو اکیلا دیکھ پاتے قتل کر ڈالتے۔ اور یوں قرطبہ کی سڑکیں اکثر خونی نظارے پیش کرتی رہتیں۔

ایک روز جبکہ الحکم جامع مسجد میں بغرض نماز آیا تو چند شرپسندوں نے اس کے روبرو اس کی شان میں گستاخانہ کلمات استعمال کیے۔ اس پر اس نے دس علماء کو جو اس گستاخی کے اصل محرک تھے گرفتار کر کے قتل کر ڈالا[3]۔ اسی طرح ایک بار جبکہ وہ قرطبہ کی کسی شاہراہ سے گذر رہا تھا۔ علماء کے اشارے پر اہل قرطبہ اس پر ٹوٹ پڑے لیکن اس کے مہیب شکل جاں نثاروں کی چمکیلی تلواروں نے ان کو اس فعل سے باز رکھا[4]۔ بعد ازاں یحییٰ بن یحییٰ، عیسیٰ بن دینار اور طالوت جیسے فقہاء نے ۱۸۷ھ/۸۰۲ء میں الحکم کی معزولی کا اعلان کر کے اس کے ایک رشتے دار ابن شماس سے بیعت کرنے کی سازش کی۔ ابن شماس نے الحکم کو اس سے مطلع کر دیا۔ نتیجے میں ۷۲ علماء جن کو اس سازش سے تھوڑا سا بھی واسطہ تھا گرفتار ہوئے اور سولی پر چڑھا دیے گئے[5]۔ یحییٰ بن یحییٰ اور عیسیٰ نے طلیطلہ بھاگ کر جان بچائی۔

---

۱ عبدالواحد ص ۱۵ ۲ ابن قوطیہ ص ۴۰ ۳ ابن خلدون ج ۴ ص ۱۲۲ ۴ ابن عذاری ج ۲ ص ۱۰۴ ۵ ابن اثیر ج ۶

یوم الخندق

اہلِ طلیطلہ کے سروں میں حکومتِ خود اختیاری کا سودا سمایا ہوا تھا۔ اپنے گورنر
کی آئے دن کی معزولی سے یہ لوگ خیرہ سر ہو گئے تھے۔ الحکم ان کی خودسریوں سے
تنگ آ چکا تھا۔ چنانچہ ان لوگوں کی اصلاح کا معقول علاج کرنے کی غرض سے اس نے اپنے معتمدِ خاص
اور نامور سپہ سالار عمروس کو بعد ضروری ہدایات طلیطلہ کی حکومت پر مقرر کیا۔ عمروس خود مولّدین سے
تھا۔ بہت جلد اپنے ہم قوموں کا اعتماد حاصل کرنے کے بعد اس نے شہر کے وسط میں ایک قلعہ تعمیر کیا اور
ایک رات شہر کے تمام سرغنوں، شرپسندوں کو ضیافت کے بہانے سے مدعو کیا۔ یہ لوگ جیسے ہی ایک ایک
کر کے ایک تنگ راستے سے چل کر قلعے میں داخل ہوتے جلاد ان کو کشاں کشاں خندق کے پاس
لے جا کر تلوار کے گھاٹ اتار دیتے جو اس مقصد کے لیے کھودی گئی تھی۔ اس حکمتِ عملی سے پو پھٹنے تک
پانچ ہزار لاشوں سے خندق پٹ گئی۔ باقی ماندہ اس امر کو تاڑ گئے اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس
نمونۂ قیامت واقعہ نے اہلِ طلیطلہ کے مزاج ٹھنڈے کر دیے اور شہر پر ایک سناٹا چھا گیا[1] (۱۹۱ھ؍۸۰۶ء)۔
سات سال مطیع و منقاد رہنے کے بعد ان لوگوں نے پھر مخالفت پر کمر باندھی۔ الحکم ایک رات اچانک ان
کے سر پر پہنچ گیا اور شہر میں داخل ہو کر سیکڑوں مفسدین کے مکانات کو نذرِ آتش کر کے خاکستر کر ڈالا[2]۔

جنگِ ربض

قرطبہ الحکم کے خلاف سازشوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ۱۹۸ھ؍۸۱۴ء میں تمدن کی شر پسندی کی
حد ہو گئی جبکہ ایک معمولی واقعے نے نہایت خطرناک شکل اختیار کر لی۔ بات یہ ہوئی کہ
الحکم فوج محافظ کے کسی سپاہی نے ربضِ شقندہ کے کسی صیقل گر کو اپنی تلوار صیقل کرنے کو دی۔ آپس
میں کسی بات پر تکرار ہو گئی۔ اور فوجی نے صیقل گر کے دو ٹکڑے کر ڈالے۔ اس پر محلہ شقندہ کے تمام لوگ ہتھیار
لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور فوجی محافظ کو پیچھے دھکیلتے ہوئے الحکم کا اس کے محل میں محاصرہ کر کے قصرِ امارت
کے دروازے کو آگ لگا دی۔ امیر بھی ڈال کا ٹوٹا عرب تھا۔ اوسان برقرار رکھے اور ہتھیار لگانے کے بعد
نہایت اطمینان سے سر اور ڈاڑھی میں مشک و عنبر ملا۔ ایسے نازک وقت میں اس عجیب فعل پر جب اس کے
ایک غلام نے اظہارِ تعجب کیا تو اس نے جواب دیا کہ آج فتح یا موت کا دن ہے۔ اگر میں مارا گیا تو لاشوں
کے ڈھیر میں میرا سر پہچان کر شناخت کیا جا سکے گا۔ اس کے بعد امیر نے اپنے عمزاد بھائی عبیداللہ کو حکم دیا کہ محل

---

۱ ابن اثیر ۶؍۹۶ ۲ ابن عذاری ۲؍۷۱

بیمنیب سواانہ چھوڑ کر ایک دستہ فوج کے ساتھ بھاگا۔ شقندہ کی بستی میں آگ لگا دی عبیداللہ نے اس پر حملہ کیا
مشتعل ہجوم نے جب اپنے مکانات کو جلتے دیکھا تو ان کو بچانے کے لئے محاصرہ اٹھا کر بھاگے۔ الحکم اپنے
حبشی غلاموں کے ساتھ بھاگنے والوں کے پیچھے تیر برساتا مندوں پر ٹوٹ پڑا۔ تین شبانہ روز تک شقندریوں کا قتل عام
جاری رہا۔ وہ "امان ۔ امان" کہہ کر چلاتے تھے لیکن یہ الفاظ اگر کہیں شرمندۂ تعبیر ہوتے تھے تو قرطبہ نا آشنا
جذ ... تلوار کی دھار سے لوگوں کے مکانات اور مساجد زمین کے برابر کردی گئیں[1]۔ بقیۃ السیف
نے بحر ... کر افریقہ میں دم لیا اور ہزاروں نے اسکندریہ میں پناہ لی لیکن ان خانماں بربادوں کو یہاں بھی
چین سے بیٹھنا نصیب ہوا جب انہوں نے بغاوت کر کے اسکندریہ پر قبضہ جما لیا تو خلیفہ مامون کے
مصری گورنر عبداللہ بن طاہر نے ان کی اچھی طرح گوشمالی کر کے ان کو کچھ جہازوں اور اسلحہ جات سے مدد
دے کر جزیرہ کریٹ کی طرف ہنکا دیا۔ انہوں نے جزیرہ کو رومیوں سے چھین لیا اور ابو حفص عمر البلوطی کو
اپنا سردار ... بنا کر ... پر حکومت کرنے لگے۔ ابو حفص کی اولاد ... تک جزیرہ مذکور پر حکومت کرتی رہی یہاں
تک کہ ... سے ... لیا[2]۔ الغرض الحکم نے اپنی حسن تدبیر سے قصر امارت ...
... دونوں ... سے بچا لیا۔ اس واقعہ سے اس کا لقب "الربضی" پڑ گیا[3]۔ غصہ فرو
ہونے پر اس کو اپنے ... پر بہت ندامت ہوئی اور یحییٰ و دیگر علماء کو جو ان فسادات کے اصل بانی و مبانی تھے
معاف کر کے اپنا مصاحب و مشیر بنا لیا۔

متفرق واقعات الحکم کو داخلی فتنوں نے کبھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ اس کے عم زاد بھائی اصبغ بن عبداللہ
نے سنہ ۱۹۱ھ / ۸۰۷ء میں ماردہ میں علم بغاوت بلند کر کے وہاں کے گورنر کو نکال باہر کیا۔
الحکم نے ماردہ کو جا گھیرا اور اہل ماردہ کے سرداروں کو ملا لیا۔ اصبغ نے اپنی قوت
سلب ہوجانے کی وجہ سے مجبوراً امان طلب کی اور امیر کے حکم سے قرطبہ چلا آیا[4]۔ سنہ ۱۹۴ھ / ۸۱۰ء میں گذشتہ
قتل و خونریزی کو بھلا کر اہل ماردہ پھر باغی ہوگئے۔ الحکم ان کی سرکوبی پر مستعد ہوگیا اور تین سال کے
جدال و قتال کے بعد ان کو مطیع و منقاد بنا لیا[5]۔ سنہ ۱۹۱ھ / ۸۰۷ء میں خرم بن وہب نے اطراف باجہ ...

---

[1] ابن اثیر ۶/ ۱۲۲-۱۲۳ [2] ابن خلدون ۴/ ۱۲۱ و مقری ۱/ ۲۰۳ [3] عبدالواحد ۱۵
[4] ابن عذاری ۲/ ۱۰۸-۱۰۹ [5] ابن خلدون ۴/ ۲۱۴

اٹھایا۔ اور اپنی جمعیت کے ساتھ لشبونہ کا رخ کیا۔ لیکن الحکم کے بیٹے ہشام نے [illegible] شکست دے کے اس کی جماعت کو منتشر کر دیا اور باغی سردار نے معافی مانگ لی۔[1] اسی زمانے میں [illegible] بن لبید نے جیان میں سرکشی اختیار کی اور حاکم شہر کو محصور کر لیا۔ اس وقت الحکم چوگان کھیل رہا تھا فوراً چلتے ہی دس دس سواروں کی ٹکڑیاں تھوڑے تھوڑے وقفے سے جیان کی طرف روانہ کیں۔ ابن لبید سمجھا کہ بہت بڑا لشکر اس کے سر پر آپہنچا ہے۔ محاصرہ اٹھا کر بھاگنے کی کوشش کی مگر گرفتار ہوا اور تیسرے روز اس کا سر قرطبہ پہنچا دیا گیا۔[2] سنہ ۲۰۴ھ (۸۱۹ء) میں [illegible] نامی شخص نے مغربی اندلس میں شورش برپا کر کے باجہ پر قبضہ کر لیا اور حاکم شہر کو قید خانے میں ڈال دیا۔ لیکن اس بغاوت پر بھی آسانی سے قابو پا لیا گیا اور باغی گرفتار ہوا۔[3] سنہ ۱۹۱ھ (۸۰۷ء) میں خارجیوں کی ایک جماعت نے افریقیہ سے جزیرہ الخضرا میں داخل ہو کر نئے مذہب کی اشاعت شروع کر دی۔ الحکم خبر ملتے ہی اس اطراف میں پہنچا اور جن لوگوں نے خارجی عقائد قبول کر لیے تھے ان کو قتل کر ڈالا۔[4]

عیسائیوں سے جنگیں

اندلس میں آئے دن کی خانہ جنگیوں اور بغاوتوں سے شاہ فرانس نے ابتدا ہی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی چنانچہ سپینش مارچ کا قیام اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی۔ سنہ ۱۹۳ھ (۸۰۹ء) میں لوڈرک سپہ سالار فرانس طرطوشہ کے محاصرہ کا قصد کر رہا تھا کہ شہزادہ عبدالرحمن اس کی سرکوبی پر پہنچ گیا اور سرحد فرانس میں داخل ہو کر دشمن کو سخت جدال و قتال کے بعد فاش شکست دی اور مظفر و منصور بہت سا مال غنیمت لے کر قرطبہ واپس چلا گیا۔[5] سنہ ۱۹۲ھ میں الحکم ماردہ کی بغاوت فرو کرنے میں مصروف تھا کہ فرانسیسی لشکر نے اسلامی سرحدوں میں داخل ہو کر آگ اور خون کا طوفان بپا کر دیا اور بہت سے مرد و زن کو قید کر کے لے گیا۔ انہیں دنوں عباس نامی شاعر کا اسلامی سرحدی شہر وادی الحجارہ سے گزر ہوا۔ اس نے کسی مسلمان قیدی عورت کو کہتے سنا کہ الحکم نے تو ہمیں بالکل بھلا دیا ہے۔ عباس نے قرطبہ پہنچ کر ایک قصیدہ میں الحکم کی توجہ اس واقعہ کی طرف دلائی۔ الحکم اس سے بہت متاثر ہوا اور ماردہ کے محاصرے کو ناتمام چھوڑ کر تیسرے روز ایک

---

[1] ابن اثیر ۶/۸۰-۸۱ [2] اخبار مجموعہ ۱۷۷ [3] ابن اثیر ۶/۱۳۹ [4] ابن القوطیہ ۵۰
[5] ابن عذاری ۲/۱۰۹ و ابن اثیر ۶/۸۱ ۔

دست لشکر کے ساتھ وادی الحجارہ پہنچ گیا۔ اور عیسائیوں کے علاقہ میں گھس کر دل بھر کر غصہ اتارا۔
ئیوں کی بہت بڑی تعداد قید و بند کی مصیبت میں گرفتار ہوئی۔ قیدیوں کے تبادلے میں مذکورہ بالا
ت نے بھی رہائی پائی۔ امیر نے اس سے دریافت کیا: "کیا الحکم نے تیری فریاد سنی"؟ عورت نے اثبات
سر ہلایا اور امیر کے حق میں دعا دی۔

داخلی فتنوں سے کچھ عرصہ راحت پانے کے بعد الحکم نے ۲۰۰ھ/۸۱۵ء میں وزیر اعظم عبد الکریم کو فرانس
لشکر کشی کا حکم دیا۔ عبد الکریم نے ارض فرانس میں داخل ہو کر ایک آفت برپا کر دی۔ بہت سے قلعے
فتوح کر کے مسمار کر ڈالے اور عیسائیوں کی بہت بڑی تعداد علف شمشیر بنائی گئی۔ بعد ازاں عبد الکریم
قرطبہ کی طرف مراجعت کی، لیکن راہ میں رجس جلیقیہ مزاحم ہوا۔ ایک دریا کے کنارے تیرہ شبانہ روز
خونریز جنگ ہوتی رہی۔ اگرچہ جیت مسلمانوں کے ہاتھ رہا تاہم ان کو بھی کثیر جانی نقصان اٹھانا پڑا۔[2]

ان بری جنگوں کے علاوہ اندلس و فرانس میں بہت سی بحری جنگیں بھی ہوئیں۔ ۱۸۴ھ/۷۹۱ء میں جب
جزیرے، کارسیکا اور سارڈینیا مسلمانوں سے نکل کر شارلیمین کے زیر تسلط چلے گئے تو اندلسی بیڑہ
[illegible] لئے ہمیشہ [illegible] بنا دیا۔ اور ان کے مضافات قتل و غارت سے بھر دیا۔ شارلیمین
اپنے بڑھاپے میں [illegible] سے گھبرا کر دربار قرطبہ سے مصالحت کر لی اور ایلا شپیل میں ایک
نامہ پر دستخط ہو گئے۔ جس [illegible] اس قسم کے معاہدے ہوتے رہے۔ لیکن عیسائی نہایت بے شرمی سے
باربار ان کو توڑتے رہے۔ فرانسیسیوں نے نقض عہد کر کے جب خشکی پر حملہ کیا تو اندلسی بیڑے نے اٹلی پر حملہ
کر دیا جو ان دنوں شارلیمین کے بیٹے پپین کے زیر نگرانی تھا۔ فرانسیسی بیڑے نے متعدد لڑائیوں کے بعد
شکست کھائی اور اپنے بہت سے جہازوں کو ضائع کر کے پسپا ہو گیا اور مسلمانوں کے ہاتھوں
سواحل اٹلی اور سبیلیارک کی بربادی کو مجبور ولاچار بیٹھا دیکھا کیا۔ ۱۹۶ھ/۸۱۱ء میں اندلسی بیڑے نے
سارڈینیا کو اپنا جولانگاہ بنایا۔ جزیرے والوں نے نکل کر مقابلہ کیا۔ لیکن سخت نقصان اٹھا کر پسپا
ہوئے۔ اس کے بعد شاہ لوئس نے جو ۱۹۸ھ میں اپنے باپ شارلیمین کی وفات کے بعد تخت فرانس
پر بیٹھا تھا، دربار قرطبہ سے صلح کر لی۔[3]

---

۱ ابن الخطیب ۱/۲۸۲ ۲ مقری ۱۵۳ ، ابن خلدون ۱۰/۲۱۴ ۳ مسلم کالونیز ۳۵ - ۱۳۲

الحکم نے ۲۴ ذوالحجہ ۲۰۶ھ/۸۲۲ء میں بعمر پچاس سال داعی اجل کو لبیک کہا۔[1]

وفات اور جائزہ

مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ بڑا صاحب عزم و دبدبہ، بڑا بہادر و فیاض، عمدہ شاعر و ادیب اور بڑا فصیح و بلیغ بادشاہ تھا۔ جس نے نہایت حسن تدبیر سے حکمرانی کی اور تمام مخالفتوں کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ پھینکا۔ وہ نہایت درجہ خود پسند تھا۔ انصاف کے آگے سر جھکا دیتا تھا۔ اولاد اور مقربین کا تذکرہ کیا۔ وہ علماء اور صلحاء کی صحبت کا دلدادہ تھا اور امور سلطنت پر ہمیشہ نیک ترین اور منصف ترین اشخاص کا تقرر کرتا۔[2] وہ سب سے پہلا بادشاہ ہے جس نے سلطنت میں رعب و داب قائم کیا غلاموں سے فوج مرتب کی جو قصر امارت پر پہرہ دیتی تھی۔ اسی نے فوج کے دستے بنائے۔ ان کی تنخواہیں مقرر کیں اور آلات حرب جمع کئے۔ المنصور عباسی کی طرح اس نے اپنے اندرونی و بیرونی دشمنوں کا قلع قمع کیا اور اندلس کے خار و خس کو پاک و صاف کر کے ملک کو اچھی حالت میں اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کے سپرد کر گیا۔[3]

مقری نے لکھا ہے کہ وہ اپنے آخر زمانۂ سلطنت میں امور معاصی سے تائب ہو کر شب و روز عبادت اور قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول رہتا اور علماء و فقہاء سے اس کی صحبتیں گرم رہتیں۔ کہتے ہیں کہ ایک بار اس نے اپنے کسی خادم سے ناراض ہو کر اس کے ہاتھ کاٹ ڈالنے کا حکم دے دیا۔ فقیہ زیاد بن عبدالرحمٰن نے جو اس وقت مجلس میں موجود تھے، امام مالک سے روایت کرتے ہوئے امیر سے عرض کیا کہ جو شخص اپنے غیظ و غضب کو جس کے نفاذ پر وہ قادر ہو ضبط کرے تو روز قیامت خدا تعالیٰ اس کے دل کو امن و ایمان سے بھر دے گا۔ اس حدیث کے سنتے ہی امیر کا غصہ کافور ہو گیا اور غلام کو معاف کر دیا۔[4] اس کے آخر عہد حکومت میں اندلس جب ایک سخت قحط سے دوچار ہوا تو امیر نے خود لوگوں کے گھر جا کر ان کی دستگیری کی۔

---

[1] اخبار مجموعہ ۱۷۰ و ابن عذاری ۲/۸۱-۱۱۷ و ابن الخطیب ۱/۸۲-۲۶۹ [2] ابن اثیر و ابن خلدون ۱۰/۱۷-۲۱۵ [3] نفح الطیب ۵۵ — ۱۳۴ —

عبدالرحمٰن ثانی (الاوسط)

۲۰۶ھ تا ۲۳۸ھ
۸۲۲ء تا ۸۵۲ء

تخت نشینی

عبدالرحمٰن ثانی اپنے والد کی وفات کے بعد اکتیس سال کی عمر میں تختِ سلطنت پر جلوہ افروز ہوا۔ وہ نہایت خوب صورت، منتظم اور فیاض حکمران تھا۔ وہ زمانہ شہزادگی میں اکثر دشمنوں کے مقابلے میں افواج کی سپہ سالاری کرتا اور مظفر و منصور واپس آیا کرتا تھا۔ اسی لئے وہ عوام میں مظفر کے لقب سے مشہور تھا۔ عبدالرحمٰن کو ورثے میں ایک پرامن سلطنت ملی تھی جس سے اس کو سلطنت کی شان و شوکت بڑھانے کا موقع ملا۔ اسی کے عہد سے اس تہذیب و تمدن کا آغاز ہوا جس نے بعد میں شباب پر پہنچ کر وحشی و غلاقی یورپ کو چار چاند لگا دیئے تھے۔

عبداللہ کی بغاوت

اگرچہ عبدالرحمٰن کا عہدِ حکومت پرامن گذرا۔ پھر بھی سرکشی و بغاوت سے خالی نہ رہا۔ اس کی تخت نشینی کو زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ اس کے دادا کے بھائی عبداللہ نے سلطنت کا دعویٰ کیا اور ایک فوج کے ساتھ طنجہ و جزیرہ کو پار کر کے اندلس میں داخل ہوا اور اپنی امارت کا اعلان کر دیا۔ لیکن ساحل پر اترتے ہی عبدالرحمٰن کے رسالے نے عبداللہ کو ایسی شکست دی کہ وہ بلنسیہ میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ لیکن پھر مصالحت ہو گئی اور عبداللہ نے عبدالرحمٰن کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ عبدالرحمٰن نے عبداللہ کو مرسیہ کا والی مقرر کر دیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد عبدالرحمٰن نے وفات پائی۔ اور فتنہ و فساد کا

خاتمہ ہوگیا۔

ابوالحسن علی بن نافع ملقب بہ زریاب عراق کا باشندہ اور بغداد کے مشہور
زریاب استاد فن اسحاق موصلی کا شاگرد رشید تھا۔ اپنی سیاہ رنگ اور سریلی آواز میں زریاب
اندلس میں نامی پرندے سے مشابہت رکھنے کی وجہ سے وہ اپنے وطن میں اسی لقب سے مشہور
تھا۔ ایک روز خلیفہ ہارون الرشید کے حضور میں بدقسمتی سے اپنے استاد پر سبقت لے گیا۔ حاسد
استاد نے آخر موقع پاکر اس کو موت یا جلا وطنی پر مجبور کیا۔ زریاب نے صورت آخر پسند کی اور الحکم
کی دعوت پر اپنے اہل وعیال کے ہمراہ صبح وطن کو خیرباد کہہ کر اندلس کا رخ کیا۔ لیکن اس اثنا میں
الحکم نے وفات پائی اور اس کا بیٹا عبدالرحمٰن تخت نشین ہوا جو موسیقی کا بڑا دلدادہ اور اہل علم
کا بڑا قدردان تھا۔ اور قرطبہ کو بغداد ثانی بنانا چاہتا تھا۔ اس نے اس کو قرطبہ طلب کیا۔ شاہی
حکم کے مطابق قرطبہ آتے وقت ہر شہر میں اس کا شاندار استقبال ہوا اور قرطبہ سے اس کو لینے
کے لئے شاہی فوج بھیجی گئی۔ زریاب امیر عبدالرحمٰن یہاں زریاب کی امیدوں سے زیادہ قدر و
منزلت سے پیش آیا۔ دارالخلافہ میں رہنے کے لئے ایک شاندار مکان دیا گیا اور جاگیرات عطا کی
گئیں جن کی مجموعی سالانہ آمدنی چالیس ہزار دینار سرخ ہوتی تھی۔ اس سے خوش نصیب زریاب
کو ایک معقول آمدنی ہوگئی۔ امیر نے اس کے بیٹے اور بیٹیوں کے بھی وظائف مقرر کئے۔ زریاب
کو جب پورا اطمینان اور فراغت حاصل ہوئی تو ایک روز عبدالرحمٰن نے بیٹھک کی محفل میں سرکو
بلاکر اس کا گانا سنا۔ اس کے الاپ بھرنے اور گانے کا طریقہ سب سے الگ اور کچھ ایسا
از خود رفتہ کردینے والا تھا کہ جس نے ایک مرتبہ سن لیا پھر دوسرے کا گانا خاطر میں نہیں لایا۔
چنانچہ عبدالرحمٰن نے اس کا گانا سننے کے بعد دوسرے مغنیوں کا گانا سننا موقوف کردیا اور
زریاب کو اپنا خاص موسیقار مقرر کر رئیس المغنیین کے لقب سے سرفراز کیا۔

زریاب کو دس ہزار راگ راگنیاں حفظ یاد تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کو وہ نرالے سروں
میں ادا کرتا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اسے ہر رات کو جنات آکر ایک راگنی سکھا جاتے ہیں۔ اکثر

ابن اثیر ۶/۱۵۵

مسرت سے سنتے تھے کہ اٹھتا اور اپنی بانوں میں خراسان اور مدینہ تاکہ بہت جلد بلاتا وہ اپنے اپنے
ملنے کو پہنچیں۔ زریاب بھی اپنا عود اٹھا لیتا۔ تھوڑی دیر کوئی گت بجاتا پھر کوئی شعر لکھتا اور
گا کر سنواتا۔ اس کا طرزِ تعلیم بھی تمام استادوں سے نرالا ہی تھا۔ یعنی شاگردوں کو اپنے پاس
بٹھا کر اول اونچے سے اور نیچے سُر میں گانے کی کوشش کراتا۔ آواز کمزور ہونے کی صورت میں اس
کی کمر میں پٹکا باندھ کر گواتا اگر زبان میں لکنت یا آواز میں لرزہ یا کسی قسم کی خرابی ہوتی تو لکڑی کا اس
قدر بڑا ٹکڑا منہ میں رکھواتا جس سے دونوں جبڑے زیادہ فراخ ہو جائیں۔ ان سب تدابیر کے
بعد اگر اس کی آواز بلند سُر میں لفظ " آ " بخوبی ادا کر سکے۔ تو اس کو اپنی شاگردی میں لیتا ۔
ورنہ رخصت کر دیتا۔ صنعتِ قدیمہ کے مطابق عود میں مختلف رنگوں کے چار تار ہوتے تھے ۔
جو چار عناصر اخلاطِ انسان کے قائم مقام سمجھے جاتے تھے۔ اندلس آکر زریاب نے اس میں
پانچویں تار کا اضافہ کیا جو سرخ رنگ کا تھا اور بمنزلۂ روحِ انسانی کے تھا۔ اس سے اس
کے عود میں ایک نئی لطافت پیدا ہو گئی۔ اس نے لکڑی کے بجائے عقاب کی ہڈی کے مضراب
کا استعمال شروع کیا جو نسبتاً انگلی پر ہلکا بیٹھتا تھا۔ اور کثرتِ استعمال سے تار بھی نہ
ٹوٹتے تھے ۔

زریاب ماہرِ موسیقی ہونے کے علاوہ عمدہ شاعر، شیریں گفتار و خوش اطوار اور اپنے
زمانے کے نامور علماء سے تھا۔ علوم، تاریخ، جغرافیہ و نجوم پر اس کی بڑی گہری نظر تھی
عبدالرحمن زریاب کی لیاقت و دانائی سے اس قدر محظوظ تھا کہ اکثر ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتا
اور گھنٹوں بڑے ذوق و شوق سے گانا سنتا۔ گانے کے علاوہ زریاب بادشاہ کو بسا اوقات
گزشتہ زمانے کے عجیب و غریب فسانے، دل چسپ حکایات، حکمت آمیز کلمات سنا کر
خوش کرتا۔ باوجودیکہ امیر کی طبیعت پر زریاب کا بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا لیکن
زریاب نے اپنے اقتدار کا کبھی غلط استعمال نہیں کیا۔ زریاب میں خدا نے عجیب بوقلموں
جوہر ودیعت کئے تھے۔ وہ تہذیب و شائستگی، ذکاوت اور ہر مجلس کی زیب
و زینت ہونے میں بے نظیر تھا۔ اس واسطے بہت جلد عوام و خواص میں ہر دلعزیز
ہو گیا ۔ اس کے لطیف مذاق اور خوددارانہ اخلاق کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ

ان کا اثر اندلس کی سوسائٹی پر بہت جلد پڑ گیا۔ عربوں کی درشتگی جو بادیہ کی صفات میں ہوتی ہیں۔ اس کے اثر سے ان میں لطافت ذوق پیدا ہو گئی۔ وہ طرز معاشرت کے ہر امر میں مجسم نفاست مانا جاتا تھا۔ اس نے لباس کی تراش خراش اور وضع قطع میں وقت اور موسم کے لحاظ سے تبدیلی پیدا کر دی۔ بال رکھنے کا عام طریقہ بدل کر اپنا طریقہ ایجاد کیا۔ اس کے جوہر ذاتی نے معاملات سیاسی کے قواعد و ضوابط۔ خانگی مشاغل و تفریح کے طریقوں میں نئی ایجادیں' اور رسم و راہ ملاقات میں لطافت پیدا کر دی۔ بجائے سونے چاندی کے شیشے کے برتنوں میں کھانا کھا[نے] کے چرمی دسترخوان، چرمی بستروں اور بہت سے اسبابِ معاشرت کا استعمال اہل اندلس نے اس سے سیکھا۔ اس نے مختلف پودوں اور بوٹیوں کے خواص بتائے۔ بلیون نامی ایک مزیدار ترکاری کا استعمال اس نے شروع کیا۔ خواتینِ حرم کے سنگھار کے لئے عطریات۔ معطر عرقیات اور سفوف ایجاد کئے۔ مقوی اور لذیذ کھانے خاص طرز میں تیار کرائے۔ بہت سے کھانے مثلاً ایک خاص قسم کے کباب جن کو نقابا کہتے تھے نیز ایک قسم کا سنبوسہ جو تقیہ کہلاتا تھا اب تک اسی سے منسوب ہو کر قاب الزریاب کہلاتے ہیں۔ اس نے بدررؤں اور نالیوں کا انتظام کیا اور مکانات میں ہوا اور روشنی کے لئے کشادہ روشندان بنوائے۔ بذلہ گوئی میں اس کی قابلیت محیر العقول تھی۔ اس کے لطائف و ظرائف اہل بیان' فرنیقہ میں اب تک بطور ضرب المثال متداول ہیں۔ وہ خواہ کسی درجہ پر پہنچا بادشاہانِ اندلس، ارکانِ سلطنت اور خواص دولت اس کے پیچھے پیچھے ہوتے تھے۔ اس میں کوئی بات ایسی نہ تھی جو عوام الناس کی نظروں میں پسندیدہ اور ضروری نہ ہو۔ جو آداب زریاب نے مقرر کر دیئے تھے۔ وہ جو کھانے ایجاد کر دیئے تھے اہل اندلس اپنے آخری ایام تک اس کا تتبع کرتے رہے۔ زریاب کی شخصیت کر اس کے ان جوہر ذاتی تخلیقاتِ ابدی ہلاک ہے۔[1]

قبائلی جنگیں

ایک طویل مدت کی خاموشی کے بعد عربوں کی قدیم نزاعات نے پھر انگڑائی [لی] ۲۰۷ھ میں مرسیہ میں قبائلِ یمانیہ و مضریہ ایک دوسرے سے گتھ گئے۔ ا[گرچہ] عبدالرحمٰن ان میں بار بار مصالحت کرتا رہا لیکن وہ شاہی افواج کے پیچھے ...

---

[1] مقری ۹۵ - ۳۸۶

بھی پھر جنگ و جدل جاری رہی۔ سات سال تک یہ سلسلہ جاری رہا طرفین کے تین ہزار آدمی کام آئے۔ آخر امیر کو مجبور ہو کر ۲۱۲ھ/۸۲۷ء میں بزور تیغ اس فتنہ و فساد پر پانی ڈالنا پڑا۔[1]

ماردہ میں بغاوت

... ہوئے زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ ماردہ میں بغاوت پھوٹ پڑی۔ طلیطلہ کی طرح یہاں کی آبادی بھی زیادہ تر عیسائیوں، مولدوں اور نومسلموں پر مشتمل تھی جن کے سروں میں اپنے شہر کی حکومت آپ کرنے کی ہوا سمائی ہوئی تھی۔ اور ... مرکز کی اطاعت سے روگرداں ہو جاتے تھے۔ موجودہ بغاوت کا محرک ایک نیا ٹیکس تھا۔ عبدالرحمٰن ثانی نے رفاہ عام کے کام جتنے پھیلنے پر رکھے اور دربار میں شان و شوکت پیدا کی۔ امراء و روساء کو بیش بہا انعامات دیئے گئے۔ اس سے سلطنت پر خرچ کا بہت بڑا بار پڑ گیا۔ اور خزانہ اس کو برداشت نہیں کر سکتا تھا جس کے لئے ایک نیا ٹیکس لگایا گیا حکام نے یہ ٹیکس روزمرہ کی ضروریات پر بھی وصول کرنا شروع کر دیا جس کی وجہ سے عام بے چینی پھیل گئی۔ خصوصاً یہود و نصاریٰ نے اس پر بہت واویلا مچایا۔ اہالی ماردہ کو سب سے زیادہ شکایت ہوئی چنانچہ انہوں نے ۲۱۳ھ میں محمود بن عبدالجبار کو سرغنہ بنا کر سرکشی اختیار کی۔ اور شاہی گورنر کو نکال باہر کر کے شہر پر قبضہ کر لیا عیسائیوں نے لوئی بادشاہ فرانس سے مدد چاہی۔ اس وقت شاہ فرانس بھی اپنے داخلی فتنوں کی وجہ سے ان کی کوئی عملی مدد نہ کر سکا۔ بہر حال سلطانی لشکر نے ایک سخت محاصرے کے بعد باغیوں کو اطاعت پر مجبور کر دیا۔ اور شہر پناہ کو مسمار کر کے پتھروں کو وادی آنہ میں پھینک دیا اور یہاں کے چند سرداروں کو بطور یرغمال لے کر دارالخلافہ واپس چلا گیا۔ اسی عرصے میں عبدالرحمٰن نے فرانس پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر ماردہ میں دوبارہ بغاوت کی وجہ سے یہ خیال ترک کر دیا۔ باغیانِ ماردہ نے سلطانی لشکر کے واپس ہوتے ہی دریا سے پتھروں کو نکال کر دوبارہ فصیل شہر کو مستحکم کر لیا اور مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ ان کی سرکوبی پر کبھی امیر خود متوجہ ہوتا اور کبھی فوجیں روانہ کر دیتا۔ یوں سات سال تک اہل ماردہ خود مختاری کی حالت میں رہے۔ آخر کار ۲۲۰ھ/۸۳۴ء میں عبدالرحمٰن نے پھر ماردہ کو جا گھیرا اور شاہی فوجیں ایک شدید محاصرے کے بعد بزور تیغ شہر

---

[1] ابن عذاری ۲/۱۲۳-۲۴

میں داخل ہو گئیں۔ امیر باغیوں کو قرار واقعی سزا دینا چاہتا تھا لیکن عورتوں اور بچوں کی آہ و بکا سے اس کا غیظ و غضب پگھلا یکدم رحم و کرم سے بدل گیا اور سب کو معاف کر دیا[1]۔ باغی سرغنہ اپنے تھوڑے سے ہمراہیوں کے ساتھ بھاگ کر طلیطلہ کے ایک قلعہ پر قابض ہو گیا لیکن الفانسو نے پانچ سال بعد قلعہ کو اس سے نکال لیا۔ اور محمود بمع اپنے تمام ہمراہیوں کے جنگ میں کام آیا[2]۔

طلیطلہ کی بغاوت

مادہ کی بغاوت کے زمانے میں اہل طلیطلہ بھی مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوئے ۲۱۴ھ/۸۲۹ء میں طلیطلہ کے عیسائیوں کی اعانت سے ہاشم نے جو مولدین سے تھا علم بغاوت بلند کر دیا۔ شر پسندوں کا ایک بہت بڑا گروہ مجتمع کر کے اس نے نواح طلیطلہ میں لوٹ مار شروع کر دی اور شنت بریہ پر قابض ہو گیا سلطانی لشکر نے اس کی دو بار سرکوبی کرنی چاہی مگر اس کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ آخر ۲۱۶ھ/۸۳۱ء میں سرحدی سپہ سالار محمد بن رستم نے درونقہ کے مقام پر ہاشم کو ایک گھمسان لڑائی کے بعد شکست دے کر اس کو مع اس کی جمعیت کثیر کے تلوار کے گھاٹ اتار ڈالا[3]۔ لیکن اہل طلیطلہ برابر مخالفت پر اڑے رہے چنانچہ ۲۱۹ھ/۸۳۴ء میں شہزادہ امیہ کو اس مستحکم قلعہ کا محاصرہ کرنا پڑا لیکن ایک سال بعد جب کامیابی کی صورت نظر نہ آئی تو محاصرہ اٹھا کر خود قلعہ رباح میں آکر مقیم ہوا اور میسرہ کی ماتحتی میں فوج کا ایک دستہ کمین گاہ میں چھپا دیا جوں ہی اہل طلیطلہ نے شہر سے نکل کر امیہ کا تعاقب کیا کمین گاہ کی فوج دفعتاً ان پر ٹوٹ پڑی اور ان کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ بہت تھوڑے سے آدمی جانبر ہو کر طلیطلہ پہنچ سکے۔ میسرہ مولدین سے تھا اپنے ہم وطنوں کی تباہی سے اس کا دل بیٹھ گیا اور کچھ عرصہ بعد جاں بحق ہو گیا[4]۔ کچھ عرصہ بعد طلیطلہ کے عیسائیوں اور نو مسلموں میں اگلا سا اتحاد نہ رہا۔ ان میں سے ابن مہاجر نامی ایک مولد سردار نے قلعہ رباح میں آکر شاہی ملازمت اختیار کر لی۔ اس کی مدد سے عبدالرحمن کے بیٹے ولید نے ۲۲۱ھ/۸۳۵ء میں ایک سخت محاصرہ کے بعد شہر کو مفتوح

---

[1] اخبار مجموعہ ۱۴۸ [2] ابن خلدون ۴/۲۱۹ [3] ابن اثیر ۶/۹۴-۱۲۰ [4] ابن عذاری ۲/۲۷

... رکا خاتمہ ہوگیا[1]

مجوسیوں کی یورش

شمالی یورپ کی نارمن قوم جو ابھی تک آتش پرستی میں مبتلا تھی بحری قزاقی میں شہرۂ آفاق ہو رہی تھی۔ یہ لوگ اپنی چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں اسکنڈینیویا سے روانہ ہوئے اور انگلستان جرمنی اور فرانس کے ساحلی مقامات کو تباہ و برباد کرتے رود بار انگلستان سے گزر کر ۲۳۰ھ/۸۴۴ء میں لشبونہ میں نمودار ہوئے اور تیرہ دن تک یہاں لوٹ مار کرتے رہے۔ ... جب انہیں مار بھگایا تو وہ قادس، شذونہ کو خراب و ویران کرتے اشبیلیہ پہنچے اور اس کے مضافات میں تباہی مچا دی۔ اگرچہ اشبیلیہ والوں نے انہیں سخت خونریزی کے بعد ہزیمت دے دی، لیکن ان کو بھی بہت نقصان ہوا۔ اسی اثناء میں اشبیلیہ کا بحری بیڑہ بھی آپہنچا۔ نارمن مقابلے پر آئے لیکن کثیر جانی نقصان کے بعد چند کشتیاں مسلمانوں کے ہاتھ میں چھوڑ کر جس راستے آئے تھے اسی راستے فرار ہو گئے[2]۔ عبدالرحمٰن نے متاثرہ علاقوں کا دورہ کر کے ان کی اصلاح کی۔ اشبیلیہ کی شہر پناہ کی مرمت کرائی، آئندہ سواحل اندلس کو محفوظ کرنے کی غرض سے جابجا برج تعمیر کر کے ان میں محافظ فوجیں مقرر کیں اور اشبیلیہ میں ایک دارالصناعہ قائم کیا جس میں جنگی کشتیاں اور اسلحہ جات تیار کئے جاتے تھے[3]۔

قسطنطنیہ اور نبرہ کی سفارتیں

ان دنوں قسطنطنیہ کے تخت پر شاہ میخائل متمکن تھا۔ کیونکہ اس میں خلافتِ عباسیہ کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ تھی۔ اس لئے اس نے ایک سفارت قرطبہ بھیج کر امیر سے دوستی کرنی چاہی کیونکہ عبدالرحمٰن کی سلطنت کا شہرہ تمام ایشیاء میں پھیلا ہوا تھا۔ سفراء اپنے ساتھ نہایت قیمتی چیزیں تحائف میں لائے۔ ان کا نہایت پرتپاک استقبال کیا گیا اور ان کو محل شاہی میں ٹھہرایا گیا۔ شاہ میکائل نے امیر عبدالرحمٰن کو مشرق میں بنوامیہ کی کھوئی ہوئی میراث کو دوبارہ حاصل کرنے کی ترغیب و تحریص دلائی اور ہر طرح سے ان کی امداد و اعانت کا بھی وعدہ کیا۔ لیکن اندرونی سازشوں کی وجہ سے عبدالرحمٰن اور ان کے مابین کوئی جارحانہ معاہدہ نہ ہو سکا۔ اور سفراء کو تکلف سلام و پیام کے بعد واپس کر دیا

---

[1] ابن خلدون ۱۰/۲۴۰ [2] مقری ۱/۱۵۷ ، [3] ابن القوطیہ ۶۵

گیا۔ ان کے ساتھ امیر نے یحییٰ الغزالی زیجیو کردہ شاہ قسطنطنیہ کا شکریہ ادا کر دیا اور ان کے ساتھ اندلس کی بنی ہوئی بہترین تلواریں اور زبرجدیات بھیجیں۔[1]

اسی سال ریاست نبرہ کا سینیر مذکور بالاغرض رعایت کے ساتھ قرطبہ پہنچا۔ یہ ریاست شاہِ فرانس کی باجگذار تھی لیکن شاہ فرانس کے جبر و استبداد سے نبرہ کے کرسچیان حکمران تنگ آگیا۔ امیر قرطبہ سے امداد و اعانت کا ایک معاہدہ کر لیا۔ اس معاہدے سے یہ طے پایا کہ اگر قرطبہ سے کوئی مہم پیرینیز کے اس پار بھیجی جائے تو اس کو نبرہ نہ روکا جائے گا۔ عبدالرحمٰن کی اس دانشمندانہ پالیسی کے نتائج جلد ظاہر ہونے لگے۔ کیونکہ چند ہی ماہ بعد کاؤنٹ ایسینیریس اور ایلیس نے جو شاہان ایکوٹیئین کے باجگذار تھے۔ اندلس پر حملہ کر دیا۔ انہوں نے نوار کے دارالخلافہ پمپلونہ پر قبضہ کر کے اس کے قرب و جوار کو اچھی طرح لوٹا لیکن بہت جلد عربوں اور نوار کے کرسچیانوں نے اہل فرانس کو رانسیسو یلی کی وادی میں گھیر لیا اور ان کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ عربوں اور نوار کے عیسائیوں نے مال غنیمت کو آپس میں تقسیم کر لیا۔ اس میں ہزیمت خوردہ سپہ سالار دونوں کاؤنٹ بھی تھے۔ ادھر تو ریاست نوار کو میدانِ جنگ میں کامیابی ہوئی ادھر انہوں نے اپنی آزادی کا اعلان کر کے اپنا سیاسی نظام الگ قائم کر لیا۔[2]

عیسائیوں پر فوج کشی

اندلس کے داخلی فتنوں سے فائدہ اٹھا کر حکمرانانِ جلیقیہ اکثر حکومت قرطبہ کا جوا اتار پھینکتے تھے اسی طرح نبرہ اور قطلونیہ کی ریاستیں بھی اسلامی سرحدوں سے تاخت کر کے وہاں کی مسلم آبادی کو خوف و ہراس میں رکھا کرتی تھیں۔ چنانچہ اس عہد میں مسلمانوں کو عیسائیوں کی سرکوبی کا خیال پیدا ہوا۔ عبدالرحمٰن کی حکومت کا ابتدائی زمانہ تھا اور ابھی عبداللہ کی بغاوت فرو کئے زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ برن ارطے کاؤنٹ آف برشلونہ نے اندلس کی سرحد میں داخل ہو کر لوٹ مار شروع کر دی اور دریائے سیگرے تک تباہ و برباد کر گئے اور بہت سا مال غنیمت لے کر چلتے بنے۔ عیسائیوں کی تنبیہ کے لئے سپہ سالار عبدالکریم نے برشلونہ کے عیسائیوں پر حملہ کر دیا۔ میدانِ جنگ میں ایک سخت خونریزی

---

[1] مقری ۱۵۸ [2] اخبار الاندلس ۱

لڑائی کے بعد عیسائی برشلونہ میں جا بسے گئے جہاں ان کا محاصرہ کر لیا گیا۔ مسلمانوں کی فوج ایک وسیع علاقے پر پھیل گئی اور اس پر قبضہ کر لیا۔ عیسائیوں کی بہت بڑی تعداد قتل ہوئی۔ ریاست نبرہ کے غربی علاقہ البہ کے بہت سے قلعے مفتوح کر لئے گئے۔ بعضوں نے جزیہ دینے اور مسلمان قیدیوں کو چھوڑ دینے کی شرط پر صلح کر لی۔ اس انتقامی کارروائی کے بعد اسلامی فوجیں قرطبہ واپس آگئیں۔[1]

اسلامی لشکر کی واپسی کو زیادہ عرصہ گزرا تھا کہ جزیرہ نما کے شرقی و غربی علاقے کے عیسائیوں نے سرحد پر پھر فتنہ و فساد برپا کرنا شروع کر دیا۔ اسی زمانے میں فرانس کا ایک باغی سردار ایزون گاتھک مارچ چلا آیا اور بہت جلد ایک قوی گروہ کا سرغنہ بن کر آس پاس کے مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اور قرطبہ سے امداد کا طالب ہوا چنانچہ عبدالرحمٰن نے ایک لشکر عبیداللہ کی ماتحتی میں البہ کی طرف روانہ کیا۔ یہاں دشمنوں سے مقابلہ ہوا اور عیسائیوں کی بڑی تعداد قتل و گرفتار ہوئی۔ اس وقت لاذرک رئیس جلیقیہ مدینہ سالم پر حملہ آور ہوا اس کے مقابلے پر فرتون بن موسیٰ بھیجا گیا ایک خونریز جنگ کے بعد لاذرک نے ہزیمت کھائی۔ بہت سے دشمن قتل و قید ہوئے اور مسلمانوں نے ان کے بہت سے سرحدی قلعوں کو مسمار کر دیا۔[2] ۲۲۵ھ / ۸۴۰ء میں خود عبدالرحمٰن جلیقیہ پہنچ گیا۔ اور چاروں طرف فوجیں پھیلا دیں جنہوں نے عیسائی بلاد کو اچھی طرح تاخت و تاراج کیا اس کے بعد عبدالرحمٰن قرطبہ واپس چلا آیا۔ ۲۲۶ھ / ۸۴۱ء میں عبدالرحمٰن نے فوجیں ارض فرانس کی طرف بھیجیں اس فوج کا مقدمۃ الجیش موسیٰ بن موسیٰ عامل تطیلہ تھا۔ موسیٰ عیسائی بلاد میں داخل ہوا اور قتل و غارت گری مچاتا شرقی اندلس کے مقام برطانیہ تک پہنچ گیا جو کوہ پرینیز کے دامن میں واقع ہے۔ اس جنگ میں موسیٰ نے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ عیسائیوں کی خاطر خواہ گوشمالی کے بعد موسیٰ واپس آگیا۔[3]

۲۲۹ھ / ۸۴۴ء میں عبدالرحمٰن نے اپنے بیٹے محمد کو گارشیا رئیس نبرہ کی گوشمالی کی غرض سے لشکر کا سپہ سالار بنا کر روانہ کیا۔ محمد نے ریاست نبرہ میں داخل ہو کر ایک سخت خونریز لڑائی کے بعد دشمنوں کو ہزیمت دی اور گارشیا اپنی جمعیت کثیر کے ساتھ مارا گیا۔ گارشیا اپنے

۱۔ مقری ۱۵۷ ز اخبار الاندلس ۱ ۲۔ مقری ۱۵۸ ۳۔ ابن خلدون ۱۰/۲۲۴

زمانے کا عیسائی رؤسا میں سب سے طاقتور رئیس سمجھا جاتا تھا۔ ۲۳۱ھ/۸۴۵ء میں پھر جلیقیہ کی طرف
فوجیں روانہ کی گئیں۔ اور شہر لیون کا محاصرہ کر لیا گیا۔ اور منجنیق سے شہر میں گولے برسائے۔ شہر
والے شہر چھوڑ کر بھاگ گئے۔ مسلمانوں نے اس کو خوب لوٹا اور آگ لگا دی۔ قلعہ کی دیواریں چونکہ
سترہ گز چوڑی تھیں اس لئے اس کو منہدم نہ کر سکے البتہ اس میں جا بجا رخنے ڈال کر واپس قرطبہ چلے
آئے[1] اس کے بعد عبدالرحمٰن نے اپنے حاجب عبدالکریم کو سپہ سالار لشکر بنا کر برشلونہ کی طرف بھیجا
عبدالکریم ریاست قطلونیہ میں داخل ہوا اور ایک پہاڑی کے دامن میں فرانسیسیوں کو فاش
شکست دے کر بھاری تعداد میں دشمنوں کو قتل و اسیر کیا۔ برشلونہ اور جرندہ کے علاوہ عبدالکریم نے
کاؤنٹ برشلونہ کے تمام علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ بعد ازاں عبدالکریم وافر مال غنیمت لے کر قرطبہ
واپس آ گیا[2] ادھر سمندر پر بھی مسلمانوں کو کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ اندلسی بیڑے نے مارسیلز
پر حملہ کر کے اس کے مضافات کو تباہی کامل کا نمونہ بنا دیا۔ شاہ فرانس چارلس گنجے نے اپنے مقبوضات
کو مزید تباہی سے بچانے کی غرض سے حملہ آوروں کو بہت بڑی مقدار میں سونا چاندی اور
جواہرات دے کر صلح کر لی[3]

بنی قسی کی بغاوت

موسیٰ بن موسیٰ گورنر تطیلہ سرقسطہ کے ایک نو مسلم عیسائی گھرانے بنی قسی سے تعلق
رکھتا تھا۔ فرانسیسیوں پر اس کی شجاعت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ ۲۲۸ھ/۸۴۲ء
میں امیر قرطبہ سے کسی غلط فہمی کی بنا پر باغی ہو گیا اور موسیٰ نے علم بغاوت بلند رکھا
دارالخلافہ سے برابر اس کی گوشمالی پر فوجیں متعین ہوتی رہیں۔ چنانچہ کبھی مطیع ہو جاتا اور کبھی باغی
ہو جاتا۔ آخر شہزادہ منذر نے اس پر ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ فوج کشی کی۔ موسیٰ نے اس
مرتبہ ڈر کر مصالحت کر لی اور اپنے بیٹے کو بطور ضمانت امیر کی خدمت میں بھیج دیا۔ مشرقی اندلس کے
نو مسلموں، مولدوں اور عیسائیوں پر بنی قسی کو جو اقتدار حاصل تھا اس کے پیش نظر امیر نے موسیٰ
کو تطیلہ کی گورنری پر بحال رکھا۔ اس کے بعد منذر نے ریاست نبرہ کا رخ کیا۔ جس کے رئیس
گارشیا نے بغاوت میں موسیٰ کا ساتھ دیا تھا۔ مشرکین سے متعدد معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ گارشیا

---

[1] مقری ۱۵۸ [2] مقری ۱۵۹ و اخبار الاندلس ۱/۹۶-۱۴۲ [3] مسلم کالونیز ۴۸-۱۴۵

اپنی جمعیت کثیر کے ساتھ مارا گیا۔ اندلس کا ملک تاراج کر ڈالا گیا۔[1]

قرطبہ میں عیسائیوں کی مذہبی تحریک

عبدالرحمٰن کے آخر عہد حکومت میں عیسائیوں کی ایک عجیب و غریب مذہبی تحریک کا آغاز ہوا جیسا کہ ماسبق میں بیان کیا جا چکا ہے کہ حکومتِ اسلامیہ نے اپنی ذمی رعایا کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھا تھا۔ یہ لوگ حکومت میں بڑے سے بڑا اعزاز پا سکتے تھے۔ صنعت و حرفت اور تجارت میں ان کو مسلمانوں کے برابر حقوق حاصل تھے چنانچہ ایڈ منڈ برک اس کا معترف ہے کہ "مسیحی اسپین کی گیارہ سو سال کی تاریخ اس کی شاہد ہے کہ عیسائیوں کو اس قدر سیاسی و مذہبی آزادی بڑے سے بڑے رومن یا گاتھ بادشاہوں کے عہد میں بھی کبھی حاصل نہ تھی" لیکن اس امر کے باوجود عیسائیوں نے حکومت کے خلاف جو رویہ اختیار کیا وہ غداری کی راہ میں کسی طرح بغاوت سے کم نہ تھا۔ اسکاٹ نے لکھا ہے کہ عام طور پر عیسائی تو حکومت سے بہت خوش تھے۔ لیکن اگر ناراض تھے تو وہ مذہبی دیوانے جنھوں نے ایسے فیاض و سخاوت شعار دشمنوں کو گالیاں دیں حالانکہ ان کی مراعات سے ان ہی کا نمک کھاتے تھے۔ غرض عیسائیوں کے اس باغیانہ طرز عمل کے مندرجہ ذیل اسباب تھے۔

اگرچہ حاکم و محکوم قومیں بظاہر باہم شیر و شکر ہو گئی تھیں۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ عیسائیوں کے کینہ کی آگ ابھی تک سرد نہ پڑی تھی۔ اپنی قومی حکومت کی یاد اور اپنی محکومی کی بے عزتی ان کے دلوں میں کانٹے کی مانند کھٹکتی رہتی تھی اور پادری اپنے زمانۂ گاتھ کے نامحدود سیاسی و دینی اختیارات کے دوبارہ حصول کے لئے اس تعصب کی مجدد کو آبیاری کرتے رہتے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ ادب فلسفہ اور سائنس میں عیسائی عربوں کے مقابلہ میں سخت احساس کمتری میں مبتلا تھے۔ چنانچہ انھوں نے ضروری سمجھا کہ عربوں کے علوم و فنون سے کلی طور پر مستفیض ہوں۔ وہ عربی زبان کی لاثانی وسعت اس کے شیریں محاورے اور اس کی فصاحت و بلاغت سے اتنے متاثر ہوئے کہ اس میں نظم و نثر لکھنے کی بلیغ کوشش کرتے اور لاطینی تصنیفات کو نفرت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ الوارو نے جو

---

[1] ابن خلدون ۱۰ / ۲۲ - ۲۰۱

اس تحریک کا سرگرم رکن تھا۔ افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ فی ہزار ایک عیسائی بھی ایسا نہ تھا
جو لاطینی میں خط لکھ سکتا تھا۔ عربی زبان ہی ایک ایسی چیز نہ تھی کہ جس پر وہ اپنی جانیں نثار کرتے
تھے وہ اسلامی تہذیب و تمدن سے بھی ایسے مسحور ہوئے کہ اپنے عرب آقاؤں کے طرزِ رہن
سہن کی ہو بہو تقلید کرنے لگے۔ عربوں کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے ان کے اخلاق و عادات
میں اپنے کاتھولک آباؤ اجداد کا گنوار پن جاتا رہا۔ ان کے مکانات، گھریلو استعمال کی چیزیں، ان کے
ایشیائی وضع و قطع کے لباس اور ان کے بچوں کے عربی نام اسلامی اثر کو ظاہر کرتے تھے۔ کہا جاتا
ہے کہ بہت سے روشن خیال عیسائیوں نے اپنے حکمرانوں کو خوش کرنے کے لئے سؤر کا گوشت کھانا
چھوڑ دیا اور ختنہ بھی کرانے لگے اب دونوں قوموں میں اگر کچھ مابہ الامتیاز رہ جاتا تھا تو وہ
صرف کلمہ محمدی کا زبان سے کہہ دینا۔

عربی زبان و تہذیب سے اس قدر قلبی انہماک کو اہل کلیسا ایک قومی خیانت اور
ایک قومی گناہ تصور کرتے تھے۔ وہ دل ہی دل میں کڑھتے اور ایسے لوگوں کو بے دین گردانتے تھے۔
قرطبہ کے پادریوں کو جب حکومت کی مخالفت کا کوئی جواز نہ ملا تو انہوں نے اپنے باغیانہ خیالات
کو ایک عجیب و غریب مذہبی تحریک کے قالب میں ڈھال دیا۔ یولوجیس نامی پادری جو اس تحریک کا
روحِ رواں تھا لوگوں کو اس مذہب عیسوی پر قربان ہونے پر آمادہ کرتا۔ اس نام نہاد شہادت کے
حصول کا یہ طریقہ تجویز کیا گیا کہ وہ اسلام اور بانیٔ اسلام کی شان میں گستاخانہ کلمات استعمال کریں۔ چنانچہ
بہت سے مذہبی دیوانے اس پر عمل پیرا ہو گئے۔ اور قرطبہ کی سڑکیں ان کے ہنگاموں سے بھر گئیں۔ یہ لوگ
مسلمان بچوں کو اغوا کر لے جاتے اور ان کو خفیہ نصرانیت کی تعلیم دیتے۔ پادری مساجد میں در آتے چلے
آتے۔ قرآن پاک کی بے حرمتی کرتے۔ آنحضرت صلعم کی شان مبارک میں نازیبا الفاظ استعمال کرتے
اور علی الاعلان چیخ چیخ کر کہتے کہ "اے کفار! آسمانی بادشاہت ہم عیسائیوں کے لئے ہے اور تمہارے
لئے جہنم کی آگ"۔ اگرچہ اسلام نے ایسے مجرموں کے لئے سزائے موت تجویز کی ہے، تاہم عبدالرحمٰن نے نرمی
سے کام لیا اور عام مسلمانوں اور حکام کو ہدایت کر دی کہ ان لوگوں کو مخبوط سمجھ کر چشم پوشی
اور ضبط و تحمل سے کام لیں۔ لیکن یہ لغو لوگ ان رعایتوں کی کب پروا کرنے والے تھے۔ جب ان کی ہرزہ سرائیاں
بہت بڑھنے لگیں۔ تو ان کو گرفتار کر کے قید خانوں میں ڈال دیا گیا۔ یہ لوگ جب عدالتوں میں پیش

دئے جاتے تو قاضی ان کو مذہب یا انسانیت کا واسطہ دے کر سمجھاتے مگر وہ اپنی دیدہ دلیری سے باز نہ آتے مجبوراً قاضی کو ایسا راستہ اختیار کرنا پڑا اور دو سال کے اندر اندر گیارہ مذہبی پیشوا واصل جہنم کر دیئے گئے۔ قرطبہ کے پادریوں نے فوراً ان سب کو "شہید" اور "ولی کامل" کا درجہ عطا کر دیا۔ ان کی قبروں کی عزت و تعظیم کو دیکھ کر بہت سے نوخیز لڑکے اور لڑکیاں ان کے نقش قدم پر چلنے کو تیار ہو گئے۔ ان میں سب سے مشہور فلورا تھی جس کے حسن و جمال نے یولوجیس کو دیوانہ بنا رکھا تھا۔

جب حالات نے تشویشناک صورت اختیار کر لی تو عبدالرحمٰن کے اشارے سے قرطبہ میں ملک محروسہ کے تمام پادریوں اور بشپوں "اساقفہ" کی ایک مجلس منعقد عمل میں آیا جن میں عبدالرحمٰن کی نمائندگی ارکین دولت میں سے گومز نامی عیسائی کر رہا تھا۔ مجلس نے ان مجنونوں کی حرکات نازیبا کو قطعاً عیسیٰ مسیح کی تعلیمات کے منافی بتا کر مرنا؟ نماز شہادت کو خودکشی قرار دیا۔ اور یہ فیصلہ دیا کہ آئندہ ایسے مجرمین کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔ لیکن انتہا پسندوں نے کونسل کے فیصلے کو اپنے مطلوب کے خلاف سمجھ کر اسے تسلیم نہ کیا اور برابر جرم کا ارتکاب کرتے رہے۔ اس پر ان کی سخت داروگیر شروع ہو گئی۔ کچھ جیل کی سیر کو بھیج دیئے گئے۔ لیکن اکثر جنگل و بیابان کی راہ لے کر جتا تورین کی طرف نکل گئے اور وہاں بقول ڈوزی "راہزن و قزاق بن گئے"۔ یولوجیس نے طلیطلہ بھاگ کر جان بچائی۔ عبدالرحمٰن کے آخری ایام بڑی فکر و تردد میں گزر رہے۔ ابھی وہ اس فکر میں تھا کہ اس عجیب و غریب تحریک کو نرمی سے دبایا جائے یا سخت سزائیں دے کر کہ اس کا وقت آخر ہو گیا۔ لین پول کی رائے میں عبدالرحمٰن کو چاہیئے تھا کہ امن عامہ کی خاطر یولوجیس کو قتل کرا دیتا۔

وفات اور جنازہ

عبدالرحمٰن نے [illegible] میں اپنے سب سے لائق بیٹے کی رسم بیعت ادا کی جس میں ضیافتیں دی گئیں اور تحائف دیئے گئے۔ لیکن ملکہ طروب کو جو اپنے بیٹے کو وارث تخت دیکھنا چاہتی تھی یہ امر گراں گزرا۔ چنانچہ اس کے ابھارنے پر حاجب نصر نے ایک شاہی طبیب حرانی سے جو ملک شام کا رہنے والا تھا۔ ایک ہزار دینار کے عوض زہر ہلاہل خریدا تاکہ شہزادہ محمد کی زندگانی کا خاتمہ کر دیا جائے لیکن طبیب نے اس کی اطلاع خفیہ طور پر امیر کو بھی کر دی۔ نصر نے وہ زہر خود پی لیا۔ اور فوراً بھاگا ہوا حرانی کے پاس پہنچا۔ زہر اپنا کام کر چکا تھا۔ اور تریاق کے باوجود وہ ہلاک ہو گیا۔ اس واقعے کے بعد امیر نے جو پہلے ہی

سے بیمار تھا۔ ماہ ربیع الثانی ۲۳۸ھ میں انتقال ہوا۔[1]

عبدالرحمن نہایت بردبار، ادیب، فقیہ، فیاض، حافظ قرآن، راوی احادیث نبوی اور فلسفہ یونان کا نہایت دلدادہ تھا۔[2] وہ طبعاً رحم دل اور نرم مزاج تھا اور بڑے بڑے قصوروں کو بھی معاف کر دیا کرتا تھا۔ چار اشخاص کو اس کے مزاج میں بڑا دخل حاصل تھا یعنی ملکہ طروب، فقیہ یحییٰ بن یحییٰ، زریاب اور حاجب نصر۔ وہ ملکہ طروب کے حسن کا دیوانہ تھا۔ اس کی دیوانگی کی یہ کیفیت تھی کہ اس کی فرمائش پر خزانہ شاہی ختم کر دیتا تھا اس پر اس کے مشیر اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے تھے۔ ایک مرتبہ طروب نے ہیرے ایک لاکھ دینار کا ہار بطور تحفہ لیا اور ایک مرتبہ وہ اپنا دروازہ بند کر کے بیٹھی رہی اور جب تک کہ دروازے کی اونچائی کے برابر درہم حاصل نہ کر لیے دروازہ نہ کھولا۔[3] یحییٰ کا عبدالرحمن کے اوپر گہرا اثر تھا۔ تمام دینی امور انہیں کے مشورے سے طے پاتے تھے۔ مالکی مذہب ان کی وجہ سے اندلس میں خوب پھیلا۔ عوام الناس کی نظروں میں بھی یحییٰ کی بہت عزت تھی اگرچہ وہ خود کوئی عہدہ قبول نہ کرتے تھے مگر عدالتی عہدے دار اور قاضی القضاۃ اور محکمہ عدالت کے حکام یحییٰ کے منتخب آدمی ہوتے تھے۔ اہم مقدمات کے فیصلے وہ خود لکھواتے تھے اگر کوئی حاکم اپنی مرضی یا رائے سے لکھتا تھا تو اس کو استعفیٰ دینا پڑتا تھا۔ ذمیوں کے ساتھ بھی عدل و انصاف سے کام لیا جاتا تھا۔ نارمن قزاقوں کے حملے کے بعد عبدالرحمن نے یہود و نصاریٰ کے محصولات معاف کر دیے اور خراج میں بھی کمی کر دی تھی۔

عبدالرحمن کو ورثے میں ایک پرامن سلطنت ملی تھی۔ اس لیے اس نے سلطنت کی شان و شوکت کو خوب بڑھایا۔ اس کی نمایاں خصوصیت تکلفات اور شان و شوکت کا اظہار تھا۔ اس کے عہد میں قرطبہ میں بڑی ترقی اور سیاسی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ سلاطین اندلس میں سب سے پہلے اسی نے اپنے لباس پر اپنا طغریٰ کڑھوایا۔ دستار شاہی میں طرہ کا اضافہ کیا۔ قواعد سلطنت بنائے۔ دربار کو زینت و ترتیب دی۔ خدام اور ذاہیرہ مقرر کیے گئے۔ جو اپنے مخصوص لباس سے پہچانے جاتے تھے۔ جب وہ باہر نکلتا تو چہرے پر نقاب ڈالے رکھتا تھا۔ ایک نہایت مسلح محافظ فوج اس کے ساتھ رہتی تھی۔ بلحاظ دینداری اور علوم و فنون کے وہ تمام روشن دماغ خلفاء شرقیہ میں سربرآوردہ تھا۔ سائنس، صنعت و حرفت اور فلسفہ یونان کا نہایت قدردان

---

[1] اخبار مجموعہ ۱۸۲ و ابن اثیر ۲/۲۷ [2] مقری ۱۶۰ [3] ابن عذاری ۲/۱۲۳-۱۲۴ و ابن القوطیہ ۹۱

تھا۔ وہ یونانِ قدیم کی فلسفہ کی کتابوں کا بہت شائق تھا۔ اور ان کو سنا تھا۔ معاملاتِ سلطنت سے فرصت ملنے پر علماء، فضلا اور شعراء کی صحبت میں اپنا وقت بسر کرتا تھا۔ قرطبہ میں اس نے ایک ٹکسال قائم کی جہاں خالص سونے و چاندی کے خوبصورت سکے ڈھالے جاتے تھے۔ سب سے پہلے اسی نے سنگین سڑکیں بنوائیں اور سڑکوں پر روشنی کا انتظام کیا۔ جامع مسجد قرطبہ میں خوبصورت دالانوں کا اضافہ کیا۔ عوام کے لئے حمام، حوض اور فوارے بنوا کر دارالخلافہ کی خوبصورتی میں اضافہ کیا۔ وادی الکبیر کے کنارے دونوں جانب خوبصورت باغات لگائے گئے جن میں ایشیا کے تمام نباتات موجود تھیں۔ یہ باغات عوام کی تفریح کے لئے وقف تھے۔ اس نے بے شمار مسجدیں بنوائیں اور ان کے لئے اوقات مقرر کئے۔ ان مساجد کی تزئین سنگِ مرمر، سنگ زبرجد اور قیمتی لکڑیوں سے کی گئی تھی۔ ہر مسجد کے ساتھ مدرسہ یا شفاخانہ ہوتا۔ اسی عہد میں سیسے کے نلوں کے ذریعہ آب رسانی کا انتظام کیا گیا۔ اور اس کثرت سے نل دوڑائے گئے کہ ان کے دہانے اور چشمے ہر ایک جگہ ہر مسجد اور باغ میں بکثرت پانی ملتا تھا۔

عبدالرحمٰن نے ملک بھر میں وسیع پیمانے پر رفاہِ عام کے کام کھولے اور ہر قوم کے محتاجوں کو شاہی عمارات کے کاموں سے لگایا۔ محلات و قصور تعمیر کئے۔ گاؤں گاؤں میں مدرسے، مساجد، شفاخانے، یتیم خانے اور خیرات خانے قائم کئے اور یتیموں کی تعلیم کا بندوبست کیا۔ نہریں، حوض اور تالاب بنوائے تاکہ آئندہ خشک سالی ہونے کا اندیشہ نہ رہے۔ رومی دور کی پرانی سڑکوں کی مرمت کروائی گئی۔ نئی نئی شاہراہیں اور پل تعمیر کئے گئے جن سے ملک بھر کے شہر ایک دوسرے سے منسلک ہو گئے اور عوام کے لئے آنے جانے کی آسانیاں پیدا ہو گئیں۔ عبدالرحمٰن نے پہلی بار آہنی چیزوں کے بنانے کا رواج دیا جو دمشق سے آتی تھیں اور اتنی جلد ان کی تکمیل کی کہ طلیطلہ اور قرطبہ کی تلواریں دمشق کی تلواروں کے ہم رتبہ ہو گئیں۔ یہاں کی تلواریں بوجہ آبداری اور جوہر کے جو با سکنگ کہلاتی تھیں مدت تک دیگر ملکوں کی تلواروں سے تفاوت رکھتی تھیں۔ چمڑا صاف کرنے کا خاص طریقہ جو افریقیہ کے کنارے کے باشندوں میں مروج تھا۔

اور جو اب تک " موراکن " کے نام سے مشہور ہے قرطبہ میں جاری ہوا لیکن ایک بات میں اس کو ترقی ہوئی کہ وہ زیادہ ملائم کیا گیا اور عرصہ تک اس کے جوتے اور موزے بنائے گئے اور پسند کئے گئے۔ اسی عہد میں اندلسی موسیقی کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ زریاب اور اس کے بیٹوں نے اس فن

کو اندلس میں خوب پھیلایا۔ اور آج کل اہلِ اسپین کو موسیقی سے جو شغف ہے، اس کا آغاز اسی عہد میں ہوا۔ عبدالرحمٰن کے زمانے میں سلطنت کا خراج چھ لاکھ سے بڑھ کر دس لاکھ دینار سرخ تک پہنچ گیا۔[1] اگرچہ عبدالرحمٰن کے آغازِ سلطنت میں ہنگامے اور فتنے برپا رہے لیکن اس کے زمانۂ حکومت کو امن و آسائش اور افزائشِ دولت کا زمانہ کہا گیا ہے۔[2] اپنے دو ہم نام سلاطین کے درمیان ہونے کی وجہ سے اس کو الاوسط کہا جاتا ہے۔

محمد، منذر، عبداللہ

۲۳۸ھ تا ۳۰۰ھ
۸۵۲ء ۹۱۲ء

اگرچہ امیر محمد بڑا بہادر اور کثرت سے جہاد کرنے والا فرمانروا تھا۔ لیکن وہ اور اس کے بعد کے دو جانشین اپنے خود غرض و چاپلوس وزیروں کے مشوروں پر چلتے رہے۔ امراء کی ظلم و زیادتی کا یہ نتیجہ ہوا کہ قومی عصبیت کی آگ بھڑک اٹھی جس نے پورے ملک کو خانہ جنگی کی لپیٹ میں لے لیا۔ عیسائیوں کی ریشہ دوانیوں، نومسلموں کی شورشوں اور اس پر طرہ یہ کہ رؤسائے عرب کی خود سری نے ان سلاطین کو ایک لمحہ چین سے نہ بیٹھنے دیا۔

طلیطلہ (۱) کی بغاوت

محمد کی تخت نشینی کا دوسرا سال تھا کہ اہلِ طلیطلہ نے نبرہ و جلیقیہ کے رئیسوں کی اعانت سے بغاوت کر دی۔ امیر خود ان کی سرکوبی کی غرض سے روانہ ہوا اور فتح

---

[1] مقری ۱۵۹ [2] ابن خلدون ۱۰/۴۳

ے حصے کراں پہاڑوں میں چھپ کر جا بیٹھا جن میں وادی سلیط بھی شامل ہے جہاں سے طلیطلہ اور طلبیرہ وغیرہ متعدد زمینیں زد پر آ گئیں عربوں نے کئی محاصرے کئے اور کئی جھڑپوں کے بعد وہاں موت کا بازار گرم کر دیا۔ دشمن بیس ہزار آدمی کھیت رہے اور باقی ماندہ بچاؤ صورت میں بھاگ کھڑے ہوئے[1] لیکن اس کے بعد بھی اہل طلیطلہ برمخالفت پر اڑے رہے۔ امیر کی جانب سے برابر ان پر فوج کشی ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ ۲۴۶ھ/۸۶۰ء میں مجبور ہو کر ان کو ایک عہد نامہ لکھ دیا جس کی رو سے سالانہ خراج کی ادائیگی کی شرط پر ان کی سیاسی آزادی تسلیم کر لی گئی[1]

عیسائیوں کی مذہبی تحریک کا خاتمہ

قرطبہ کے عیسائیوں کی مذہبی تحریک نے اس عہد میں نہایت سنجیدہ صورت اختیار کر لی عیسائیوں نے شاہ فرانس سے باغیانہ خط و کتابت شروع کر دی۔ اب امیر نے خود کو حق بجانب سمجھا کہ باغیوں کو سختی سے کچل کر رکھ دیا جائے۔ ان ہی دنوں یولوجیس ورکسیا نامی ایک مسلمان لڑکی کو اغوا کرنے کے جرم میں گرفتار ہوا۔ ورکسیا پر نصرانیت کا ایسا رنگ چڑھایا گیا کہ کسی حالت میں نہ مدھم پڑا۔ ارتداد کا جرم ثابت ہو جانے پر قاضی نے اس کو سزائے موت دے دی۔ فلورا بھی اپنی دیدہ دہنی کی وجہ سے قتل کر دی گئی۔ یولوجیس نے اس کا جو مرثیہ لکھا ہے وہ اس دور جنون سے اس کے گہرے لگاؤ کی غمازی کرتا ہے۔ فلورا کے قتل کے چند ہی ماہ بعد ۲۴۴ھ/۸۵۸ء میں یولوجیس کو بھی واصل جہنم کر دیا گیا۔ ڈوزی نے لکھا ہے کہ شہادت کا یہ عجیب و غریب جنون قریب دس سال قرطبہ میں جاری رہنے کے بعد اپنے اختتام پر پہنچ گیا۔ اور کچھ عرصہ گذرنے پر محض اس کی یاد ہی باقی رہ گئی۔ اس طویل مدت میں صرف چوالیس عیسائی مرد و زن جہنم رسید ہوئے۔ عہد نویس فلوریز نے نہایت وثوق سے لکھا ہے کہ ان لڑکوں اور ان کے پرجلال شہید رفیقوں کے آپس میں "رمز آمیز تعلقات صہریت" تھے۔

نارمنوں کی یورش

۲۴۵ھ/۸۵۹ء میں نارمن قزاق پھر سواحل اندلس پر نمودار ہوئے اور خوب قتل و غارت کیا۔ اندلسی بیڑے نے ان کا مقابلہ کیا اور سخت لڑائی کے بعد ان کو بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ ان کے کئی جہاز مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ لیکن مسلمان کثیر تعداد

---

[1] ابن عذاری ص ۱۴۳ ج ۲ [2] ابن خلدون ص ۲۲۷ ج ۱۰ [3] ڈوزی ۵۲۰

میں شہید ہوئے[1]

عیسائیوں کی سرکوبی

شمال کے عیسائی بار بار علم حکومت قرطبہ سے منحرف ہو کر اسلامی سرحدوں پر حملہ آور ہوتے رہتے تھے۔ چنانچہ امیر نے تخت نشین ہوتے ہی ان کی جانب متعدد مہمیں روانہ کیں۔ موسیٰ بن موسیٰ گورنر تطیلہ نے قشتالیہ پر فوج کشی کر کے اس کے چند قلعات مفتوح کئے۔ اسی طرح ایک اور فوج جو قطلونیہ کی طرف بھیجی گئی تھی، نواح برشلونہ کو برباد اور چند قلعات کو سر کر کے واپس آئی[2]۔ ۲۴۱ھ (۸۵۵ء) میں امیر نے ریاست نبرہ پر چڑھائی کی۔ یہاں کے رئیس گارسیہ نے پیہم شکستیں کھائیں۔ اس کا پایہ تخت بنبلونہ مفتوح ہوا اور ریاست روند ڈالی گئی اور امیر اس کے بیٹے فرتون کو قید کر کے قرطبہ لایا[3]۔ ۲۵۱ھ (۸۶۵ء) میں شہزادہ منذر نے قشتالیہ پر کامیابی کے ساتھ فوج کشی کی۔ عیسائی سپہ سالار رذریک نے درہ المرکوین کے قریب فاش شکست کھائی۔ اور ہزاروں قتل و قید و بند کی مصیبت میں گرفتار ہوئے[4]۔ اسی سال امیر نے جلیقیہ پر فوج کشی کر کے بہت سے قلعے فتح کئے۔ جلیقیہ کی تسخیر پر ایک بحری مہم بھی بھیجی گئی۔ لیکن جنگی کشتیوں کا بیڑہ شمال کی طوفانی ہواؤں کی نذر ہو گیا۔ اور مہم بے نیل و مرام واپس آگئی[5]۔

بغاوتیں

شمال کے عیسائی قبائل کے وحشیانہ حملوں سے زیادہ خطرناک وہ بغاوتیں تھیں جو امیر کے آخر عہد حکومت میں ہر طرف پھوٹ نکلیں۔ ان بغاوتوں کو شاہ فرانس اور نبرہ و جلیقیہ کے رئیس ہمیشہ تقویت پہنچاتے رہتے تھے۔ چنانچہ ارغون کے علاقے میں موسیٰ بن موسیٰ نے تطیلہ، سرقسطہ اور وشقہ کو دبا لیا۔ اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر کے شاہی لقب اختیار کر لیا[6]۔ ۲۶۱ھ (۸۷۵ء) میں مولدین میں سے ایک سردار عبدالرحمن بن مروان نے ماردہ اور بطلیوس میں سرکشی اختیار کی۔ اور ان علاقوں پر قابض ہو گیا اور یہاں کے عربوں و بربریوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ اس نے الفانسو رئیس جلیقیہ سے دوستانہ تعلقات پیدا کر لئے۔ اس وجہ سے وہ "جلیقی" کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ لیکن دولت قرطبہ کا قوی ترین دشمن ۲۶۷ھ (۸۸۰ء) میں جبال ریہ میں نمودار ہوا اس کا نام

---

[1] مقری ۱/۱۷۱ [2] ابن القوطیہ ۶۰ [3] ابن خلدون ۴/۲۲۶ [4] مقری ۱/۱۶۲ [5] ابن اثیر ۷/۴۸ [6] ابن عذاری ۲/۱۰۲-۱۴۱ [7] ابن خلدون ۴/۲۴۰

عمر بن حفصون تھا جو ایک سربرآوردہ نومسلم گاتھ خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ ہسپانوی فوج میں معمولی عہدے پر مامور تھا۔ لیکن ۲۷۰ھ میں ایک روز اسلامی لشکرگاہ سے چھپ کر بھاگ گیا۔ اور ریہ کے ایک نہایت مستحکم قلعہ ببشتر کو اپنا مستقر بنالیا۔ رندہ اور ریّہ کا دشوار گذار کوہستانی علاقہ گوریلا جنگ کے لئے مخصوصیت کے ساتھ موزوں ہونے کی وجہ سے ہمیشہ سے ڈاکوؤں اور رہزنوں کا ملجا و ماویٰ رہا ہے ابن حفصون نے ایسے لوگوں کی ایک جماعت کو اکٹھا کرنے کے بعد لوٹ مار شروع کردی اور ارد گرد کے شہروں اور قصبوں پر قبضہ کرلیا۔ اس صوبہ کی متعین افواج نے کئی بار اس پر یلغار کی لیکن ہر بار شکست کھائی اور آہستہ آہستہ یہاں ابن حفصون کی ایک آزاد حکومت قائم ہوگئی۔ ابن حفصون خفیہ طور پر دوبارہ مذہب عیسوی اختیار کرچکا تھا۔ لیکن ان نومسلموں کو جن کے قلوب بغاوت و نافرمانی کے مرض میں مبتلا تھے اپنے گرد مجتمع کرنے کے لئے وہ اپنے کو مسلمان ظاہر کرتا رہا۔ مگر ۲۸۶ھ (۸۹۹ء) میں جب اس نے اپنی نصرانیت کا علانیہ اظہار کردیا تو مسلمانوں کی جماعت نے اس سے علیحدگی اختیار کی اور امیر کی ہو اخواہ بن کر اس کے خلاف جنگ کرنے کو جہاد تصور کرنے لگی[1]۔ ان باغیوں کی تقلید دوسرے علاقوں کے لوگوں نے بھی کی اور بغاوت کا مرض وبا کی طرح پھیلنے لگا۔ مشکل سے ایک جگہ فتنہ پر پانی ڈالا جاتا کہ دوسری جگہ پھوٹ نکلتا اور امیر کو فوجیں بھیجنے سے فرصت نہ ملتی۔

باغیوں کی سرکوبی

امیر محمد نے ۲۶۸ھ (۸۸۱ء) میں اپنے بیٹے منذر کو باغیانِ دولت کے استیصال پر مامور کیا۔ منذر نے سب سے پہلے شمال کا رخ کیا اور شدید لڑائیوں کے بعد سرقسطہ، روطہ، لاردہ اور قرولجنہ کے قلعوں کو مفتوح کرکے عبدالواحد رومی کو جو شجاعت و شہامت میں اپنے زمانے میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ قید کرلیا۔ بنی قسی میں سے اسماعیل نے بھی جو ارغون کے ایک حصے پر قابض تھا۔ اطاعت کرلی۔ بعد ازاں منذر نے ابدہ و تنتالہ کا رخ کیا۔ اور اس کو قتل و غارت گری سے بھر دیا۔ اور اس کے چند قلعات کو مفتوح کرنے کے بعد اس نے قرطبہ کی جانب مراجعت کی[2]۔ ۲۷۱ھ (۸۸۴ء) میں بنی قسی میں سے محمد بن لب نے

[1] ابن عذاری ۲/۲۱۰ ص۔ ابن خلدون ۴/۲۳۰

نے پھر بغاوت کرکے سرقسطہ پر قبضہ کرلیا اور ابن حفصون سے دوستی پیدا کی۔ چنانچہ منذر اور وزیر السلیم ہاشم بن عبدالعزیز کو پھر اس طرف متوجہ ہونا پڑا۔ انہوں نے پہلے بجیوں کا رخ کیا اور ابن مروان جلیقی کو شکست دے کر اس کے قلعہ کو مسمار کردیا۔ بعدازاں انہوں نے سرقسطہ کی جانب قدم بڑھایا اور ایک شدید محاصرہ و جنگ کے بعد اس کو باغیوں سے نکال لیا۔ محمد اور ابن حفصون بھاگ کر پہاڑوں میں روپوش ہوگئے۔ لیکن شاہی فوجوں کے واپس ہوتے ہی دوبارہ نکل آئے اور بدستور مخالفت پر اڑے رہے۔ ۲۷۳ھ / ۸۸۶ء میں منذر نے قلعہ الحمہ کا سختی سے محاصرہ کرلیا۔ ابن حفصون اپنے اس قلعے کو بچانے کی غرض سے محصورین کی کمک پر پہنچ گیا۔ لیکن شکست کھائی اور بری طرح زخمی ہوکر پسپا ہوا۔ قلعہ فتح ہونے کے قریب تھا کہ اچانک امیر محمد کے انتقال کی خبر موصول ہوئی اور منذر کو محاصرہ اٹھا کر بعجلت تمام قرطبہ واپس جانا پڑا[1]۔ ابن حفصون نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور مکاری و دغابازی اور قوت و طاقت کے زور سے بہت سے قلعوں پر قابض و متصرف ہوگیا۔ امیر محمد نے چھیاسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس کا رنگ سفید و سرخ مائل تھا۔ وہ داڑھی میں مہندی لگاتا تھا۔ وہ بڑا ذکی، فہیم، سنجیدہ، سخی اور علوم و فنون کا شائق تھا۔ شعر و ادب کے علاوہ ریاضیات کا بھی ماہر تھا[2]۔ اس نے شاہی کتب خانے کی بنیاد رکھی۔ اس کا زمانہ طوائف الملوکی میں تمام ہوا۔ اندرونی بغاوتوں اور بیرونی سازشوں سے اس کو فرصت نہ ملی۔ سارے ملک پر بدعملی کے سیاہ بادل چھائے رہے۔

منذر

امیر محمد کا بیٹا و جانشین بڑا بہادر، عقلمند اور طاقتور حکمران تھا۔ زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی اس نے باغیوں کے خلاف شدید کارروائی کرنے کا عزم کرلیا۔ اگر اس کی زندگانی نے اس کو زیادہ مہلت دی ہوتی تو وہ بلاشبہ پورے ملک کو فلفشار سے پاک و صاف کرکے از سر نو امن قائم کردیتا۔ وہ ۲۷۵ھ / ۸۸۸ء میں ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ قرطبہ سے نکلا۔ ریہ، البیرہ اور جیان کے صوبے بہت جلد میدان کارزار بن گئے۔ باغیوں میں قتل و غارت گری کا بازار گرم ہوگیا۔ ان کے بہت سے قلعوں کو مفتوح کرلینے کے بعد منذر نے دارالخلافہ کی طرف مراجعت کی جہاں اس

---

[1] ابن عذاری ۲/۱۵۸-۵۹؛ [2] اخبار مجموعہ ۱۸۹-۹۰؛ ابن اثیر ۷/۱۶۰

باغی سرغنوں کو جنہیں وہ اسیر کر کے لایا تھا، سولی پر چڑھا دیا گیا[۱]۔ دوسرے سال اس نے ببشتر کا اس شدت سے محاصرہ کیا کہ آخر کار اس کو جدال و قتال سے اپنی حفاظت کی طاقت نہ رہی، مجبوراً اس نے اطاعت قبول کر لی۔ لیکن امیر کے پیچھے ہٹتے ہی وہ پھر باغی ہو گیا۔ امیر نے پلٹ کر پھر محاصرہ کر لیا لیکن اس مرتبہ اس نے ببشتر کے قریب ایک جنگ میں ۴۶ سال کی عمر میں جام شہادت نوش کیا۔ اور فوجیں محاصرہ اٹھا کر واپس چلی گئیں[۲]۔

منذر نہایت دلیر صاحب عزم ہونے کے علاوہ ایک عمدہ شاعر بھی تھا اور شعراء کو خوب بخشش کرتا تھا[۳]۔ اگرچہ اس نے مختصر سے دو برس حکومت کی۔ لیکن پھر بھی ملک کی بہت کچھ اصلاح ہو گئی اور لوگوں کی دولت مندی اور خوش حالی میں اضافہ ہو گیا[۴]۔

عبداللہ

منذر کے بھائی عبداللہ نے بڑے نامساعد حالات میں تخت سلطنت پر قدم رکھا۔ اس کا سارا زمانہ سیاسی خلفشار میں گزرا۔ سلطنت کے مالیہ میں بے حد کمی آ گئی اور خرچ زیادہ ہو گیا جس سے خزانہ خالی ہو گیا[۵]۔ سلطنت جو کہ ایک مدت سے نسلی تعصب کا شکار ہو رہی تھی۔ اب تیز فنا کی طرف دوڑتی دکھائی دینے لگی۔ اس عالمگیر بدنظمی میں نفع کمانے کی غرض سے نومسلم سرداروں کی دیکھا دیکھی رؤسائے عرب نے بھی آزادی و خود مختاری کی طرف قدم بڑھائے۔ اور ہر طرف بغاوتیں پھوٹ پڑیں۔ اشبیلیہ اور البیرہ کے اضلاع میں عربوں اور بلادیوں (نومسلمین اور عیسائی) میں خوفناک جنگ چھڑ گئی۔ بہت سے بربر سردار بھی بعض نہایت مستحکم قلعوں پر قابض ہو کر کھلم کھلا حکومت کے مقابلے پر آ گئے۔ البیرہ، مدینہ بنی سلیم، پورتنہ اور سرقسطہ وغیرہ میں عرب امراء نے خود مختاری اختیار کر لی۔ اشبیلیہ میں دونوں بنی خلدون اور بنی حجاج کے مابین اقتدار کی رسہ کشی کا اکھاڑہ بنا رہا۔ آخر الامر ابراہیم بن حجاج غالب آیا۔ ابراہیم کا تعلق شہزادی سارا کی اولاد میں سے تھا۔ ہشام خلیفہ دمشق نے اس شہزادی کی شادی ایک شریف عرب سے کر دی تھی۔

---

[۱] ابن عذاری ۲ / ۱۲۰ [۲] ابن خلدون ۴ / ۱۳۳ [۳] ابن اثیر ۷ / ۱۴۲ [۴] اخبار مجموعہ ۱۵۱
[۵] مقری ۱ / ۱۴۳ [۶] ابن خلدون ۴ / ۱۳۴ —

ابن حجاج شاہانہ کروفر سے رہتا تھا۔ سلاطین کی تقلید میں طراز پہنتا تھا جس پر اس کا نام اور القابات کڑھے ہوتے تھے۔ وہ اپنے زمانے کا بہت بڑا تاجر بھی تھا۔ اس کے جہازات سامان سے لدے ہوئے ممالک شرقیہ کی طرف جاتے اور وہاں سے ان ممالک کی دولت کے ساتھ سلاطین کے تحائف بھی اس کے لئے لاتے۔ وہ اپنے علاقے کے کل امور کے سیاہ و سفید کا مالک تھا اس کی باقاعدہ اپنی فوج تھی۔ پانچسو سوار ہمیشہ بطور محافظ اس کے ساتھ رہتے تھے۔ اس نے جرائم کا سختی سے انسداد کیا۔ تجارت اور صنعت وحرفت کو فروغ دیا اور علوم کی سرپرستی کی۔ وہ علماء و شعراء جو دارالخلافہ قرطبہ کی زیب وزینت تھے۔ ابن حجاج کی زرپاشیوں کی وجہ سے کھینچ کر دربار اشبیلیہ میں نظر آنے لگے۔[1]

ابن حجاج

الغرب۔ باجہ۔ جیان۔ شنت اشتیبان۔ مرسیہ اور دیگر شہروں پر نو مسلم اسپینی سردار قابض تھے۔ بطلیوس ابن مروان جلیقی کے قبضہ میں تھا۔ سرغون میں لب بن محمد دربار ملوکانہ لگائے بیٹھا تھا۔ اس عالمگیر بدنظمی میں جن جن شہروں کے حکام علانیہ بغاوت کی قدرت نہ رکھتے تھے وہ بھی امیر کے ان ہی احکامات کی تعمیل کرتے تھے جن کو وہ پسند کرتے تھے۔ ابن حفصون نے حالات سے فائدہ اٹھا کر اپنے مقبوضات کو چاروں طرف بڑھایا۔ قرطبہ کے عیسائیوں کی سازش سے اس نے قلعہ بلائی پر قبضہ کر لیا جو قرطبہ سے ایک منزل کے فاصلے پر واقع تھا۔ اب اس کے دھاوے عین دارالخلافہ کے پھاٹک تک ہونے لگے۔ کسی قدیم عرب مصنف نے اس زمانہ کے حالات کا اس طرح نقشہ کھینچا ہے کہ "سلطنت غارت ہو چکی ہے۔ مصیبت پر مصیبت آنا بند نہیں ہوتی۔ لوٹ اور چوری کا بازار گرم ہے ہمارے اہل وعیال غلام بنائے جا رہے ہیں"۔

امیر عبداللہ نے جواب تک ٹال مٹول۔ دفع الوقتی کی پالیسی اختیار کئے ہوئے تھا۔ اپنی میراث کو جو تقریباً ہاتھ سے نکل چکی تھی بچالینے کا عزم کر لیا۔ اس کے سپہ سالار ابن ابی عبدہ نے ۲۷۹ھ / ۸۹۱ء میں ابن حفصون کو قلعہ بلائی کے دامن میں فاش شکست دے کر اس کو وہاں سے نکال دیا۔[2] بلائی کی فتح نے تخت اور خاندان شاہی دونوں کو انعدام سے بچالیا۔ اس

---

[1] ابن عذاری ۲ / ۱۸۸-۹۴ [2] ابن خلدون ۱۰ / ۲۳۷

بعد ازاں ابن ابی عبدہ کی سپہ سالاری میں حالات اصلاح پذیر ہونے لگے۔ اس نے باغیوں کی خوب سرکوبی کی۔ استجہ۔ ارجذونہ۔ البیرہ اور جیان کے بہت سے باغیوں نے فوراً اطاعت قبول کی۔ کچھ عرصہ بعد امیر نے اپنے وزیر بدر کے مشورے سے ابن حجاج کے بیٹے محمد کو جو اس کے پاس بطور ضمانت کے رہتا تھا۔ ابن حجاج کے پاس بھیج دیا۔ ابن حجاج نے بھی اس احسان کے صلے میں گردنِ اطاعت جھکا دی۔ ابن حفصون کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور وقت مقررہ پر خراج بھیجنے لگا۔ اس طاقتور سردار سے امیر کی مصالحت تاریخ امارت میں عصر جدید کی حیثیت رکھتی ہے۔ اشبیلیہ مغربی اندلس کی تمام بغاوتوں کا مرکز تھا۔ ابن حجاج کی اطاعت کے بعد جزیرۃ الخضراء سے لے کر لبلہ تک تمام باغیوں نے آہستہ آہستہ ہتھیار ڈال دیئے۔ لیکن باغیوں کو قطعی طور پر نیست و نابود کر کے ان کے شہروں اور قلعوں پر قبضہ کرنے کے بجائے امیر نے ان سے صرف اس شرط پر صلح کرنے پر اکتفا کیا کہ وہ وقت مقررہ پر خراج بھیجتے رہیں۔[1] ان دنوں بنی قسی بھی اطاعت کی طرف مائل نظر آنے لگے۔ امیر کا دائرہ حکومت فتوحات سے بھی خالی نہ رہا۔ چنانچہ ۲۹۰ھ/۹۰۳ء میں عصام خولانی نے ایک زبردست جنگی بیڑے کے ساتھ جزائر بلیارک پر فوج کشی کر کے ان کو دوبارہ شاہ فرانس کے قبضہ سے نکال لیا۔ امیر نے عصام ہی کو یہاں کی حکومت پر مامور کر دیا۔[2]

وفات

عین اس وقت جبکہ ملک ایک سخت سیاسی اضطراب و اضمحلال سے گذر رہا تھا، امیر نے بارہ ربیع الاول ۳۰۰ھ/۹۱۲ء میں وفات پائی۔ عبداللہ نے اپنے بیٹے محمد کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ لیکن اس کے بھائی مطرف نے جوشِ حسد سے محمد کو قتل کر دیا۔ عبداللہ کو اس کا سخت صدمہ ہوا۔ چنانچہ اس نے اس کے کمسن بیٹے عبدالرحمٰن کو جس کی عمر اس وقت [illegible] یوم تھی۔ محل سرائے میں داخل کر کے اس کی پرورش و تربیت کی۔ اور اسی کو اپنے تاج و تخت کا وارث بنا دیا۔

---

[1] اخبار مجموعہ ۱۹۹ [2] ابن خلدون ۱۱/۲۱

جنوبی فرانس شمالی اٹلی اور سوئٹزرلینڈ میں اسلامی نوآبادیاں

اس زمانے کا ایک قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ ۸۸۹ء (۲۷۵ھ) میں
اندلسی مسلمان قسمت آزما ساحل فرانس پر ایک طوفان زدہ
گریماڈ میں جا پہنچے۔ جو زیرین پروونس تک پھیلی ہوئی ہے
انہوں نے پورے علاقے کا جائزہ لیا اور ایک گاؤں پر حملہ
اس کو لوٹ لیا۔ اس کامیابی کی خبر سن کر ان کے بہت سے دو
اور رفیق صقلیہ۔ افریقیہ اور اندلس سے آکر ان کی فوج میں
شامل ہونے لگے۔ انہوں نے گرد و نواح کے بلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر جو گھنے جنگلات سے
ڈھکی ہوئی تھیں بیسیوں قلعے بنا لیے۔ ان میں سب سے مستحکم فراگزینیٹم کا قلعہ تھا
پروونس۔ لینگوڈاک اور دافنے کے تمام علاقے ایک زمانے تک ان عربوں کے میدان تگ
و تاز بنے رہے۔ ان کے ذرائع جو کچھ بھی تھے وہ لوٹ مار تھی۔ اسی سے ان کی حرم
بھی بھرتی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ عربی خون فرانسیسیوں میں اپنی خمدار ناک۔ لمبے قد۔ بڑی
بڑی سیاہ آنکھوں اور سیاہ آبنوسی بالوں وغیرہ سے آج بھی پہچانا جا سکتا ہے۔

نویں صدی کے آخر میں ان عربوں نے آلپس کے پہاڑوں کے اس طرف پہنچ کر
مانٹ فراٹ اور پیڈمانٹ کے میدانوں کو ویران کر ڈالا۔ اور اٹلی میں دریائے پو تک کے
علاقے کو دبا بیٹھے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یہاں دسویں صدی کے واقعات کا اجمالاً تذ
کر دیں۔ اس زمانے میں اندلس کے تخت پر خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث ناصر الدین اللہ متمکن تھ
دسویں صدی عیسوی کے ربع اول تک فراگزینیٹم کے قسمت آزماؤں نے ہمسایہ صوبوں کو جنو
اور گرینوبل تک زیر و زبر کر ڈالا اور مارسیلز۔ ویلے اور فریجس وغیرہ پر متصرف ہو گ
اور حدود لیگوریا تک بڑھ گئے۔ وہ کانسٹینس کے ساحلی شہروں میں جا گھسے اور سوئٹزرل
کے ایک حصے پر قابض ہو گئے۔ انہوں نے کوہ آلپس کے تمام دروں پر قابض ہو کر اٹلی و فر
کے مابین آمد و رفت کی راہ روک دی۔ جنوبی فرانس کے شہر نیس کے ایک محلہ کا نام کینٹن ڈسم
اب تک شہادت دے رہا ہے کہ یہاں شرقیین کا قبضہ رہ چکا ہے۔ غرض یہ لوگ اپنے عقا
آشیانوں میں بیٹھے نوے (۹۰) سال تک یہاں کے عیسائی امراء اور فرمانرواؤں کے لیے ناقا

تسخیر بے رہے۔ لیکن جب اندلس میں پھوٹ پڑ گئی تو عیسائیوں نے متحد ہو کر ان پر چاروں طرف سے حملے شروع کر دیئے اور ۳۷۰ھ (۹۸۰ء) تک ان کو اپنی سرزمین سے نکال باہر کر دیا۔

فرانسیسی عہد نویس پیتران مقم طراز ہے کہ جرمنی کے شہنشاہ آتھو کو شبہ تھا۔ کہ فراگزینیٹم کے عربوں کو خلیفہ ناصر کی خفیہ سرپرستی حاصل تھی۔ چنانچہ اس نے ۳۳۶ھ (۹۴۷ء) میں ایک سفارت اس غرض سے قرطبہ بھیجی کہ امیرالمومنین ان کی اعانت سے ہاتھ کھینچ لیں۔ شہنشاہ نے جو خط بھیجا تھا۔ اس میں خلیفہ کی شان میں نازیبا کلمات استعمال کیئے گئے تھے۔ ناصر نے جوابی سفارت میں غرناطہ کے اسقف کو اس غرض سے بھیجا تھا کہ وہ شہنشاہ کو مجبور کریں کہ وہ اس گستاخانہ لغو خط کو واپس لے لیں جو مجبوراً لکھا اس جانوڈی گورزا کے ہاتھوں حضور خلافت میں بھیجا گیا تھا۔ اسکاٹ لکھتا ہے کہ اس میں کوئی کلام نہیں کہ مسلمانان اندلس کو اشاعتِ دین اور فتح یورپ کا اس سے بہتر موقع نہ مل سکتا تھا کبھی حملہ آور فوج کو مجتمع کرنے کے لیئے ان سے بہتر مقامات نہ تو مسلمانوں سے پہلے کسی کو حاصل ہوئے اور نہ کسی نے ان کی طرح اپنی قبائلی پھوٹ اور خانہ جنگیوں سے انہیں ضائع کیا۔ اگر امیرالمومنین الناصرلدین اللہ کی جیسی فوجی قوت وہاں مدد پہنچاتی تو مسیحی یورپ پر ان مسلمانوں کی بلند نظری کا کیا کچھ اثر نہ پڑتا۔

عبدالرحمٰن ثالث الناصر لدین اللہ

سنہ ۳۰۰ھ تا سنہ ۳۵۰ھ
۹۱۲ء ۹۶۱ء

تخت نشینی

عبداللہ کے بعد اس کا پوتا عبدالرحمٰن ثالث سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس وقت اس کی عمر مشکل سے بائیس سال کی ہوگی۔ اگرچہ اس کے متعدد چچا اور دیگر قریبی رشتے دار موجود تھے جو بلحاظ حقوق اور عمر و تجربہ اس پر فائق تھے لیکن کسی کے بھی کان پر مخالفت کی جوں تک نہ رینگی۔ بلکہ سب نے اس میں بلند اقبالی کے آثار دیکھ کر اس کے جلوس کو اپنے و نیز منتشر سلطنت بنی امیہ کے لئے مبارک و محمود تصور کیا اور خوشی خوشی اس کی امارت کی بیعت کرلی[1]۔ اس کا قد میانہ، رنگت گوری اور آنکھیں نیلی و چمکدار تھیں اور شانِ فرمانروائی اس کی ہر ادا سے ٹپکتی تھی۔ وہ حکومت کے فن میں طاق تھا۔ لیاقت ذہانت، شجاعت، سخاوت، مروت غرضیکہ وہ ان تمام خصائل حمیدہ سے متصف تھا۔ جو لوگوں کے دلوں کو مسخر کرلیتے ہیں اور جن سے رعایا کو اپنے بادشاہ سے وابستگی پیدا ہوتی ہے اس نے اپنی رعایا پروری کا ثبوت اس طرح دیا کہ تخت پر بیٹھتے ہی بہت سے محصولوں میں کمی کردی اس سے رعایا کے دلوں پر اس کا سکہ بیٹھ گیا[2]۔

عبدالرحمٰن کی پالیسی

امیر نے اپنے دادا کی پیچیدہ اور دفع الوقتی کی پالیسی کو یک لخت خیرباد کہہ کر باغیوں کے خلاف ایک ایسا صاف و بیباک طرز عمل اختیار کیا جس

---

[1] ابن اثیر ج ۸ ص ۲۹ [2] مقری ۱۶۴

میں جرأت اور استقلال دونوں چیزیں پائی جاتی تھیں۔ ایک نہایت صریح و قطعی اعلان کے ذریعے اس نے باغی اسپین، بربر اور عرب سرداروں کو متنبہ کر دیا کہ اس کو ان کے خراج کی نہیں بلکہ ان کے شہروں اور قلعوں کی ضرورت ہے۔ اگر وہ اطاعت قبول کر لیں گے تو ان کو کلی طور پر معاف کر دیا جائے گا۔ ورنہ عبرتناک سزائیں دی جائیں گی۔ امیر اپنی قوم اور ملک کے لوگوں کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھا اور خوب جانتا تھا کہ اس وقت ذرا سی بھی نرمی سلطنت کے لئے مہلک ترین نتائج میں مدد گار ہو سکتی ہے۔ اس پالیسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ اکثر بڑے بڑے شہروں نے فوراً اطاعت کر لی اور ملک میں بتدریج ایک ہمہ گیر انقلاب پیدا ہو گیا۔

امیر کی خوش قسمتی سے اس وقت بغاوتوں کے سرغنوں میں بھی کمی ہو گئی تھی۔ وہ لوگ جو ان تمام فتنوں و شورشوں کے بانی و مبانی تھے ان میں سے بیشتر مر کھپ چکے تھے۔ باقی ماندہ کو ضعف و ناطاقتی نے بیکار کر رکھا تھا۔ عربوں کو اپنے ملک سے نکالنے کا عیسائی سرداروں اور سرغنوں نے صرف اتنا نتیجہ دیکھا کہ بعض اوقات امیر کا تخت متزلزل ہو جاتا لیکن پھر کوہ راسخ کی مانند مستحکم ہو جاتا۔ عام رعایا نے بھی زمانہ آشوب میں یہی دیکھا کہ کاشتکاروں کی کھیتیاں و باغات برباد ہو گئے اور مسافر و تاجر دن دہاڑے لوٹے گئے۔ لوگ رہزنوں و قزاقوں کی ظلم و زیادتی سے پریشان تھے چنانچہ اپنی فلاح و بہبود انہوں نے اسی میں سمجھی کہ نئے تاجدار کے سامنے گردنِ اطاعت جھکا دیں۔

بغاوتوں کا استیصال

امیر نے اپنی مہمات کا آغاز سب سے پہلے استجہ سے کیا۔ اس کے مولی بدر نے اس پر فوج کشی کی اور ڈھائی ماہ کے محاصرہ کے بعد ماہ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ (۱۹۱۲ء) میں اس کو باغیوں سے نکال لیا۔ اب فوج کی کمان خود امیر نے اپنے ہاتھ میں لی۔ فوجیوں نے جب اپنے بادشاہ کو سپہ سالاری کرتے دیکھا تو وہ بہت خوش ہوئے اور سمجھے کہ وہ نہ فتح و ظفر میں ان کا شریک رہے گا بلکہ مصیبت اور خطرات میں بھی ان کا ساتھ دے گا۔ اس سے ان میں ایک نیا جوش و ولولہ پیدا ہو گیا۔ ماہ اپریل ۱۳۳۰ھ (۱۹۱۲ء) میں البیرہ اور جیان کے باغیوں کو مغلوب کرنے کی غرض سے نکلا اور تین ماہ سے بھی کم مدت کی لڑائیوں کے بعد اس نے دونوں صوبوں کو مطیع و منقاد بنا دیا۔ مضبوط سے مضبوط قلعے مفتوح کر لئے گئے اور پورے علاقے سے ڈاکہ زنی کا خاتمہ کر کے امن بحال کر دیا گیا۔
جبل شلیر کے دشوار علاقوں میں بھی امیر کو ویسی ہی کامیابیاں ہوئیں جیسی کہ میدانی علاقوں میں ہوئی

تھیں۔ مدینہ البیرہ اور غرناطہ کی سرحد پر شنت اشتیبان اور منت فرات کے دو قلعے راہزنوں اور قطاع الطریقوں کے ملجا و ماویٰ تھے۔ اور اپنی بلندی کے باعث شاہی عقاب کہلاتے تھے بزور تیغ مفتوح ہوئے اور وہ تمام سردار و سرغنہ جنہوں نے اس علاقے کا امن برباد کر رکھا تھا یا تو تلوار کے گھاٹ اترے یا گرفتار کر کے بعد اہل و عیال قرطبہ بھیج دیئے گئے اور ان کے قلعوں میں شاہی فوجیں متعین کر دی گئیں۔ بعد ازاں امیر نے قرطبہ کی جانب مراجعت کی۔[1]

ابراہیم بن حجاج کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا محمد ۳۰۱ھ / ۹۱۵ء میں اشبیلیہ کا حاکم ہوا تھا لیکن اس کے چچیرے بھائی احمد بن مسلمہ نے اس کو بیدخل کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ محمد کی شکایت پر امیر نے ایک فوج بھیج دی۔ ابن مسلمہ نے ابن حفصون کی مدد سے شاہی لشکر کا مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور ابن حفصون بری طرح زخمی ہو کر ببشتر لوٹ گیا۔ بعد ازاں ابن مسلمہ نے بھی مزید مخالفت کو فعل عبث سمجھ کر اطاعت کر لی اور شہر کے دروازے کھول دیئے۔ محمد نے امیر کی اطاعت کر لی اور قرطبہ میں آ کر رہنے لگا۔

اس کے بعد امیر نے ریہ کے پہاڑوں کا رخ کیا۔ جہاں مقابلہ صرف عیسائیوں سے تھا اور جو حکومتِ اسلامیہ کے جانی دشمن تھے۔ یہاں کے باغی سرداروں نے بھی امیر کے عزم و استقلال اور سخاوت و فیاضی کو دیکھ کر ایک ایک کر کے ہتھیار ڈالنے شروع کر دیئے۔ ڈوزی نے لکھا ہے کہ[2] امیر عبدالرحمٰن اور اس کی حکومت کے بارے میں اس امر کا اعتراف مقتضائے انصاف ہے کہ جو عیسائی تخت کی اطاعت کر لیتے تھے ان کے ساتھ انتہائی درجہ کی رعایت برتی جاتی تھی۔[3] ابن حفصون نے ۳۰۶ھ / ۹۱۸ء میں صحرائے ہلاکت کی رہ نوردی اختیار کی۔ لیکن اس کی وفات سے کوہستانِ ریہ میں جنگ و جدال کا خاتمہ نہ ہوا۔ اس کے چار بیٹوں نے جو باپ کے ساتھ مرتد ہو چکے تھے برابر آتشِ بغاوت کو مشتعل رکھا اور امیر کو ان کی گوشمالی کی وجہ سے دس سال کامل فوج کا ایک بڑا حصہ ان اطراف میں مشغول رکھنا پڑا۔ آخر امیر نے ۳۱۵ھ / ۹۲۸ء میں ایک سخت محاصرہ کے بعد ببشتر کو فتح کر کے اس علاقے کے مزید بیس قلعات کو مسمار و منہدم کر ڈالا اور ریہ میں امن قائم ہو گیا۔ اس زبردست قلعے کی

---

[1] ابن عذاری ۲ / ۲۲۱-۲۲۲ [2] ابن خلدون ۴ / ۳۴۸ [3] ابن عذاری ۲ / ۲۴۷-۲۴۸

تسخیر کرتا ہیڈ میں ہجھ کر امیر نے روزہ رکھا اور سجدہ شکر بجا لایا[1]

اسی زمانے میں دوسری جگہوں پر بھی جہاں بغاوت کے شعلے ابھی تک بھڑک رہے تھے فوجیں بھیجی گئی تھیں چنانچہ وزیر السلطنت عبد الحمید نے تاکرنا میں بربر قبیلہ بنی ذوالنون سے کامیابی کے ساتھ جنگ لڑی اور اس علاقے میں امن قائم ہو گیا۔ $\frac{۳۱۲}{۹۲۵}$ھ میں بنی وضاح اور $\frac{۳۱۶}{۹۲۹}$ھ میں بنی ابال جو سنتن کے ستر آدمیوں نے بلنسیہ میں اطاعت کرلی اور امیر نے سب کو امان دے دی۔ جیان اور ایرہ کے صوبوں میں بھی بہت سے قلعے فتح کئے گئے[2] بنی قسی بھی بربر کی لڑائیوں اور آپس کی جنگوں سے کمزور ہو گئے تھے۔ امیر نے ان کو ارغون و بلنسیہ سے ہٹا کر فوج میں بھرتی کر لیا۔

جنوب سے بے خوف ہو کر اور اطراف میں فوجیں روانہ کی گئیں۔ امیر کی معرکہ آرائیاں بہت تیز عمل میں آتی تھیں اور ان سے مثبت نتائج نکلتے تھے۔ ایک عرب سردار شیخ اسلمی صوبہ مرسیہ میں لقنت، اریولہ اور مدینہ قلیوفر پر قابض تھا۔ احمد بن اسحٰق نے اس پر فوج کشی کر کے اس کے تمام قلعے فتح کر ڈالے اور شیخ کو اطاعت پر مجبور کر دیا۔ بدر نے شہر لبلہ پر چڑھائی کر دی اور عثمان بن نصر باغی کو گرفتار کر کے قرطبہ بھیج دیا۔ اسی طرح قلعہ الحاصر میں احمد بن اضحیٰ ہمدانی نے گردن اطاعت جھکا دی۔ اور اپنے بیٹے کو بطور ضمانت شاہی محل کے حوالے کر دیا[3]۔ $\frac{۳۰۶}{۹۱۹}$ھ میں احمد بن الیاس نے شنترین پر لشکر کشی کی۔ لیکن تلوار چلانے کی نوبت نہ آئی اور شہر پر شاہی فوجوں کا قبضہ ہو گیا۔ ماردہ اور باجہ بھی ایک جنگ کے بعد مفتوح ہو گئے۔ بعد ازاں امیر نے بطلیوس کا رخ کیا جہاں ابن مروان جلیقی کی اولاد حکومت کر رہی تھی۔ ایک سال کے محاصرہ اور جنگ کے بعد باغیوں نے مجبور ہو کر شہر کے دروازے کھول دیئے۔ ($\frac{۳۱۸}{۹۳۰}$ھ) یہاں سے امیر نے صوبہ الغرب کی طرف کوچ کیا جہاں بنی بکر کا نو مسلم عیسائی خاندان حکمرانی کر رہا تھا۔ امیر نے باغی خلف بن بکر کو اطاعت کا پیغام بھیجا جس کو اس نے منظور کر لیا اور اس علاقے میں امن قائم ہو گیا[4]۔

---

[1] ابن عذاری $\frac{۲}{۱۸۹-۹۴}$ و ابن خلدون $\frac{۱۰}{۲۳۸-۳۹}$ [2] ابن عذاری $\frac{۲}{۲۰۱-۹۶}$

[3] ابن خلدون $\frac{۲}{۲۴۹}$ [4] ابن عذاری $\frac{۲}{۲۹۶-۳۰۳}$

اب صرف طلیطلہ باقی رہ گیا تھا۔ جہاں آتش بغاوت ابھی تک مشتعل تھی۔ عبدالرحمٰن نے پہلے فقہاء کا ایک وفد بھیجا کہ باغی مغرور و متمرد باشندگان شہر کو اطاعت کی دعوت دی لیکن رؤساء نصاریٰ نے اپنے شہر کے استحکامات اور عیسائیوں کی امداد و اعانت کے بل بوتے پر اس پیغام کا مشکبرانہ جواب دیا۔ یہ دیکھ کر کہ باغیوں کو صرف نوک شمشیر ہی ہوش میں لاسکتی ہے عبدالرحمٰن اپنے آہنی عزم کے ساتھ اٹھا اور ایک جرار لشکر کے ساتھ قرطبہ سے نکل کر طلیطلہ کی رہا لاٹ دیواروں کے نیچے خیمہ زن ہوگیا۔ جب معمولی تدبیروں سے مقصد برآری نہ ہوسکی تو اس نے شہر کی جرنکاس نامی پہاڑی پر ایک نئے شہر کی تعمیر شروع کردی اور وہاں بیٹھ کر ایک ایک نذیر کا تماشہ دیکھنے لگا۔ اہل طلیطلہ کو یقین ہوگیا کہ اب یہ محاصرہ اٹھنے والا نہیں۔ چنانچہ ان کی درخواست پر لیون کی سپاہ محصورین کی کمک پر پہنچ گئی۔ لیکن عبدالرحمٰن نے اس کو شکست دے کر الٹے پیروں بھگا دیا۔ جس سے باغیوں کا شیشۂ امید چکنا چور ہوگیا۔ آخرکار دو سال بعد بھوک و پیاس سے تنگ آکر ۳۲۲ھ ۹۳۲ء میں غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیئے۔ طلیطلہ کی تسخیر کے بعد عبدالرحمٰن نے اپنے زیر تعمیر کردہ شہر کو "الفتح" کے نام سے موسوم کیا۔[1] آخرکار بیس سال کی جان توڑ کوششوں کے بعد تمام باغی عناصر کو کچل ملک میں نظم و ضبط قائم کردیا گیا اور عرب۔ بربری۔ مولدوں اور عیسائیوں نے ایک مطلق العنان بادشاہ کے سامنے گردنیں جھکادیں۔

مقابلہ فوج

اب امیر نے اپنے طرز حکومت کو بالکل بدل دیا۔ لاؤ لشکر عرب نے اپنی سرکشیوں اور دھڑے بندیوں سے ملک کو جو نقصان پہنچایا تھا اس سے اس کا دل ان لوگوں سے پھٹ گیا اور اس نے حکومت کے وسیع اختیارات غیر ملکیوں کو سونپنا شروع کردیئے۔ یہ لوگ اٹلی جرمنی فرانس۔ اسکینڈینیویا اور بحر اسود کے شمالی ساحل پر بسنے والی صقلبی اقوام کے مملوک ہوتے تھے۔ وینس۔ جینوا اور جنوا کے سوداگران کو کم سنی کے زمانے میں اندلس میں لا کر مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کردیا کرتے تھے۔ فروخت کئے جانے سے قبل ان کو خصی کردیا جاتا تھا۔ اس مقصد کے لئے فرانسیسیوں نے دردون ڈوردون اور دیگر شہروں میں متعدد فیکٹریاں قائم کی تھیں

---

[1] ابن عذاری ۲/۲۰۴-۵

بردہ فروشی کی مذموم تجارت پادریوں اور یہودیوں کے ہاتھوں میں تھی۔ یہی لوگ ان بدنصیبوں کو فیکٹریوں میں لے جاکر اس قابل بنا ڈالتے تھے کہ حرم سراؤں میں بے خوف و خطر کام کر سکیں۔ مدتوں یہ لوگ دربارہائے قسطنطنیہ، اندلس اور اسلامی مقبوضہ میں خواجہ سراؤں کی مانگ کو پوری کرتے رہے[1]۔ یہ غلام نئے مذہبِ اسلام کے ساتھ ساتھ بہت جلد اپنے عرب آقاؤں کی زبان اور ان کی تہذیب و تمدن اختیار کر لیتے تھے۔ عربی گھرانوں میں ان کے ساتھ خاندان کے ایک فرد کا سا سلوک کیا جاتا تھا۔ ان کو اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی۔ یہی لوگ اپنے آقاؤں کے مشیر و مختار ہوتے تھے ان کے خاندانوں کی داروغگی کرتے تھے اور دور دراز ممالک میں جاکر نہایت ایمانداری و حزم کے ساتھ ان کا کام کرتے تھے۔ عبدالرحمٰن نے ان دلی النسب غلاموں کو کثیر تعداد میں خرید کر ان کی اعلیٰ تربیت کی اور ان ہی سے اپنی محافظ فوج ترتیب دے کر ان کو اہم فوجی و دیوانی خدمات پر مقرر کیا۔ اور بڑے بڑے عالی نسب مدعیانِ عرب کو ان نو دولتوں کے سامنے گردن جھکانے پر مجبور کر دیا[2]۔ یہ فوج "اصقالبی" کے نام سے مشہور تھی اور سلطنت کی فوج میں انتہائی معتمد تصور کی جاتی تھی۔ اس طرح عربوں کا اقتدار بہت گھٹ گیا۔ اور فوج میں ان کی ثانوی حیثیت رہ گئی۔ اس پالیسی نے شرفائے عرب کو عبدالرحمٰن سے اور بھی برگشتہ کر دیا۔

یوں تو عبدالرحمٰن سے پیشتر بھی سلاطین قرطبہ نے غلاموں سے اپنی فوج ترتیب دی تھی۔ لیکن ان کی ترقی کا آغاز فی الحقیقت اسی دور سے ہوتا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اس جدید طرزِ حکمرانی سے ملک کو بظاہر بہت فائدہ پہنچا۔ امیر نے اس فوج کی مدد سے عرب امراء کا زور توڑ کر بغاوتوں، سرکشیوں کا سدباب کر دیا۔ اپنے بیرونی دشمنوں کا کامیابی سے مقابلہ کیا اور ملک سے قزاقی و رہزنی کا کلی استیصال کر دیا۔ لیکن آئندہ چل کر امیر کی یہ سیاسی لغزش بڑی نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔ رفتہ رفتہ اس فوج نے اتنی قوت پکڑ لی کہ "بادشاہ گر" بن بیٹھی اور خلافتِ عظمیٰ کے زوال کا قوی سبب بنی۔ اندلس میں اس نے وہی کام کیا جو بربری محافظوں

---

[1] سلم کا لونیئر ۲۲۶ [2] اخبار مجموعہ ۲۰۴

نے سلطنت روما میں، ترک محافظ دستوں نے خلافت عباسیہ میں، مملوکوں نے مصر میں یا جینسری فوج نے خلافت عثمانیہ کے دور انحطاط میں کیا تھا۔

داخلی فتنے ہی محض ایسی چیز نہ تھے جن سے سلطنت کی زیست کو خطرہ لاحق ہو گیا تھا بلکہ دو اور طاقتور دشمن اس کو ہڑپ کر جانے کی تاک لگائے بیٹھے تھے ان میں سے ایک تھے شمال کے عیسائی اور دوسرے جنوب کے بنی فاطمہ۔ یہ تو ہم دیکھ ہی چکے ہیں کہ کس طرح عبدالرحمٰن نے ملک کو خانہ جنگیوں کے خس و خاشاک سے پاک و صاف کر کے امن و امان بحال کیا تھا۔ اب یہ دیکھنا باقی رہ گیا ہے کہ اس نے اپنے بیرونی دشمنوں کو زیر کرنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کیں۔

شمال کے عیسائی

ریاست اشتوراس کے عیسائیوں نے پلایو نامی سردار کی سرکردگی میں جس حقیر درجے سے ترقی کی تھی ہم کسی باب ماسبق میں بیان کر آئے ہیں۔ نویں صدی عیسوی کے نصف آخر میں جب اندلس میں طوائف الملوکی پھیلی تو ان عیسائیوں نے اس سے فائدہ اٹھا کر اپنے مقبوضات کو مزید جنوب کی جانب دریائے دویرہ تک بڑھایا۔ اور یہاں انہوں نے چار نہایت مستحکم قلعے تعمیر کر لئے یعنی سمورہ، وشنت مانکش اور شنت اشتیبان غرماج۔ ان ہی مقامات سے نکل کر یہ لوگ اسلامی سرحدات پر حملہ کرتے تھے۔ مسلم بستیوں کو آگ لگا دیتے اور عورتوں اور شیر خوار بچوں تک کو تہ تیغ کر دیتے۔ یعنی دجلیقیہ کی ریاست ایک ہی ریاست سمجھی جاتی تھی۔ اس کا پایہ تخت لیون تھا یہیں کے فرمانروا اشتوراس کے بھی فرمانروا کہلاتے تھے۔ ریاست نبرہ کے تخت پر اس وقت طاقتور سینکو متمکن تھا۔ جو مسیحی آزادی کا زبردست پشت پناہ تصور کیا جاتا تھا۔

اگرچہ یہ عیسائی صاحب ریاست ہو گئے تھے۔ تاہم اتنے وحشی اور مفلس و قلاش تھے کہ اب تک مال کے بدلے مال دے کر خرید و فروخت کرتے تھے۔ اندلس کی دولت و ثروت کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتے تھے اور یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ اس سلطنت کو جو عالمگیر بدنظمی کا شکار ہو رہی تھی آسانی سے اپنا لقمہ بنا لیں گے۔ یہ لوگ اس

درجہ متعصب اور ظالم و سفاک تھے کہ جب کبھی کسی شہر کو فتح کرتے تو وہاں کی
مسلمان آبادی کو بلا تمیز سن و صنف تلوار کے گھاٹ اتار ڈالتے۔ اس کے برعکس مسلمانوں کو
جب ان پر غلبہ حاصل ہوتا تو وہ ان کے ساتھ رواداری سے پیش آتے۔ اپنے عہد و
میثاق کی پابندی کرتے تھے اور سوائے ان لوگوں کے جو تیغ و تفنگ سے ان کے مزاحم ہوئے ہوں،
عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کے خون سے کبھی اپنے دامن کو آلودہ نہ کرتے۔ وہ اسی
عظیم الشان تہذیب کو جو عربوں میں دن دونی رات چوگنی ترقی کر رہی تھی نفرت
کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ لہٰذا عبدالرحمٰن کو جو مسئلہ درپیش تھا وہ نہ صرف اپنی
سلطنت بلکہ تہذیب کو بھی ان کے وحشیانہ حملوں سے محفوظ کرنا تھا۔ نوجوان بادشاہ
اپنے نصب العین سے اچھی طرح واقف تھا اور اس میں بھی اس نے ویسی ہی ہمت و مستعدی
دکھائی جیسی کہ اپنی باغی رعایا کو مطیع بنانے میں اس سے ظاہر ہوئی تھی۔

سرحد پر اردونو اور سینکو کے حملے اور عیسائیوں کی سرکوبی

امیر ایک امن پسند فرمانروا تھا اور شمال کے ان وحشیوں کے ساتھ صلح و آشتی کے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔ لیکن انہوں نے اس کو جنگ پر مجبور کر دیا۔ ابھی اس کی تخت نشینی کا دو ہی سال تھا۔ ملک میں ہر طرف فتنہ و فساد کی گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی تھی کہ اردونو ثانی رئیس جلیقیہ نے صوبہ ماردہ میں داخل ہو کر اس کو تاراج کر دیا۔ الحنش پر قابض ہو کر وہاں کے مردوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ اور فراواں مال غنیمت اور بے شمار عورتوں اور بچوں کو اسیر کر کے اپنے ملک کو لوٹ گیا۔ اس وقت امیر نے اپنے وزیر احمد بن ابی عبدہ کی قیادت میں تعزیری مہم پر بھیجنے پر اکتفا کیا اور خود ملکی انتظام کے درست کرنے میں مشغول رہا۔ ابن ابی عبدہ نے حدود جلیقیہ میں داخل ہو کر دشمن کی اچھی طرح گوشمالی کی اور اس کے ملک کو پامال کر کے بہت سی غنیمت لے قرطبہ کی جانب مراجعت کی۔[۲] ۳۰۵ھ / ۹۱۷ء میں اردونو

۱؎ ڈوزی ۴۲۷ ۲؎ ابن خلدون ۱۰/۲۵۳ -

پھر ایک جرار لشکر کے ساتھ حملہ آور ہوا اور دریائے تاجہ کو عبور کر کے اس نے شہر طلبیرہ کو آگ لگا دی اور ہزاروں بربریوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ یہاں کے بربریوں نے حکومت قرطبہ سے اس کے تدارک کا مطالبہ کیا۔ اس وقت امیر افریقیہ میں فاطمیوں سے جنگ کر رہا تھا۔ چنانچہ اس نے پھر ابن ابی عبدہ کو ایک فوج دے کر اُس طرف روانہ کیا۔ لیکن اس مرتبہ مسلمانوں نے شنت مانکش کی دیواروں کے نیچے فاش شکست کھائی اور ان کا زبردست جانی نقصان ہوا۔ ابن ابی عبدہ نے یہ دیکھ کر کہ لڑائی ہاتھ سے جا تی رہی ہے۔ فرار کو عار سمجھا۔ اپنے چند جاں نثاروں کے ساتھ تلوار سونت کر غنیم پر ٹوٹ پڑا اور سیکڑوں کو موت کے گھاٹ اتار کر جامِ شہادت نوش کیا۔ عیسائیوں کی کینہ توزی اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ دونی سنت اردونو نے اس بہادر سپہ سالار کا سر کاٹ کر ایک سور کے سر کے برابر قلعے کے پھاٹک پر لٹکا دیا۔[1]

اس کامیابی سے اردونو کا حوصلہ اس قدر بڑھا کہ اس نے سینکو ریفس نارمے کے ساتھ مل کر سرحدی شہروں نخیلہ اور ناجرہ پر یورش کر دی۔ ان کے مضافات کو قتل و غارتگری سے بھر دیا اور حصن بقرہ کی عالی شان جامع مسجد کو نذر آتش کر دیا۔ امیر نے اب ان عیسائیوں کو ایسا عبرت ناک سبق دینے کا تہیہ کر لیا جس کو وہ آسانی سے نہ بھلا سکیں۔ ۳۰۶ھ/۹۱۹ء کے ماہ جولائی میں اس نے اپنے حاجب بدر کو من کی گوشمالی پر متعین کیا اور سرحدی گورنروں کو بھی اس کے ساتھ شامل ہو کر جنگ کرنے کو کہا۔ عیسائی کھل کر مقابلے میں نہ آئے اور پہاڑوں میں حصار قائم کر کے بیٹھے رہے۔ بدر دور تک مرد و طلبیقیرہ میں گھستا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس کو پوری طرح نرغہ میں سمجھ کر وہ پہاڑوں پر سے اتر آئے اور بمقام کرتونیا ایک گھمسان لڑائی کے بعد انہوں نے فاش شکست کھائی۔[2] مسلمانوں نے ابن ابی عبدہ کی شکست کا ہولناک انتقام لیا۔ ڈوزی نے لکھا ہے کہ یہ اتنی فاش شکست تھی کہ "عیسائی اپنے دلوں کو تسکین دینے کے لئے ان اقوال کو یاد کرتے تھے جو حضرت داؤد علیہ السلام نے جنگوں کے غیر متعین نتائج کے بارے

---

[1] ابن عذاری ۲/۲۵۵ [2] ابن عذاری ۲/۲۵۹

...ں فرماتے تھے؟"

...بترہ اور جلیقیہ

...ا امیر کی فوج کشی

اگرچہ دشمنوں کو اچھی طرح ذلیل و خوار کر دیا گیا تھا لیکن اس سے امیر کی پوری طرح تسلی نہ ہوئی چنانچہ ان کو ایک جھلائے ہوئے بادشاہ کا پورا زور محسوس کرانے کی غرض سے وہ خود ...محرم ۲۹۰ھ میں ایک لاکھ فوج کے ساتھ قرطبہ سے نکلا اور مدینہ سالم کی راہ سے لیون کی ...حد میں داخل ہو گیا۔ اردونو نے امیر کی پیش قدمی کو روکنا چاہا لیکن بری طرح شکست ...کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اس شکست سے عیسائیوں پر امیر کا رعب غالب ہوا کہ دشمہ۔ قلمہ۔ شنت ...اشتیبان غرماج اور دیگر اہم قلعات کی محافظ فوجیں اپنے اپنے قلعوں کو چھوڑ کر کوہ و صحرا ...کی طرف نکل گئیں۔ امیر نے ان قلعوں میں داخل ہو کر ان کے استحکامات مسمار کر دیئے۔ یہاں اپنی ...فوج کا تھوڑا سا حصہ اہل لیون کی نگہداشت پر چھوڑ کر وہ نبرہ کی طرف متوجہ ہوا اور ...ابن لب کو در نطلیہ کو بطور ہراول ایک رسالہ دے کر سینکو رئیس نبرہ کی گوشمالی کو روانہ کیا۔ ...سینکو نے قلعہ اونیاط سے نکل کر ابن لب کا مقابلہ کیا لیکن اس کو بھاری جانی نقصان اٹھا کر ...پسپا ہونا پڑا اور اس کے بہت سے رؤسا گرفتار ہوئے اس شکست کے بعد نبرہ کی سپاہ ...نے چھوڑ بیٹھی اور ریاست کے دو مستحکم سرحدی قلعوں حصن قلہرہ اور حصن کرکہ پر بلا ...وار علمائے ابن لب کا قبضہ ہو گیا۔[1]

...جنکیرہ یا نرسلوں کی گھاٹی کی جنگ

سینکو نے اپنے میں شاہی لشکر کے سیلاب کو روکنے کی طاقت نہ پا کر اردونو اور لوا بان فرانس کو اپنی مدد کے لئے بلا بھیجا چنانچہ وہ اپنے جم غفیر کے ساتھ اس کی کمک پر پہنچ گئے۔ اس کے ...عیسائی فوجیں چھپ کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر بیٹھ گئیں جس وقت شاہی لشکر پرنیز کے تنگ ...دشوار دروں دگھاٹیوں میں سے گذرنے لگا تو انہوں نے اوپر سے بڑی بڑی چٹانیں ...لڑھکا کر اور تیروں کی بارش کر کے لشکر کو سخت نقصان پہنچایا۔ مزید برآں وہ اسلامی

---

[1] ابن عذاری ۲
۲۶۳ - ۹۷

لشکر کو خوف زدہ کرنے کے لئے مہیب آوازوں سے نہایت شدّت سے شور و غل کرتے۔ عبدالرحمٰن ان خطرات سے اچھی طرح محسوس کر رہا تھا۔ چنانچہ جیسے ہی وہ بدقت تمام گھاٹیوں سے نکل کر ایک کشادہ میدان میں پہنچا جو جنکیرہ کے نام سے موسوم تھا اور جہاں کثرت سے نرسل اُگے ہوئے تھے۔ اس نے لشکر کو پڑاؤ کرنے اور اسلحہ باندھنے کا حکم دیا۔ عیسائی یہ خیال کر کے کہ مسلمان پوری طرح نرغے میں آچکے ہیں اور وہ انہیں اسی طرح تباہ کر ڈالیں گے جس طرح کبھی ان کے اجداد نے رانس ویلی کے درّے میں شارلیمین کے لشکر کو برباد کر کے رکھ دیا تھا، عبدالرحمٰن کی ترغیب و تحریص پر جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ ڈوزی لکھتا ہے کہ انہوں نے بڑی حماقت یہ کی کہ پہاڑوں پر بیٹھے رہنے کے بجائے نہایت بے باکی و دلیری سے میدان میں اتر آئے اور اس شوخی و جسارت کا انہوں نے پوری طرح مزا چکھا۔ ایک نہایت خوف ناک جنگ واقع ہوئی جس میں دلاورانِ فرانس، نبرہ اور لیون کی کوئی شجاعت و جانبازی کام نہ آئی اور عربی رسالوں نے بجلی کی طرح نقل و حرکت کر کے ان کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ عیسائیوں نے فاش شکست کھائی اور اپنی بے شمار لاشیں چھوڑ کر بدحواسی کے عالم میں اِدھر اُدھر بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے دور دور تک ان کا تعاقب کیا۔ ان کے بہت سے سردار گرفتار ہوئے جن میں شلنکہ اور ٹورٹوز کے دو پادری بھی تھے جو مسلح ہو کر لڑائی میں شریک تھے۔ اس شاندار فتح کے بعد عبدالرحمٰن نے بلا کسی مزاحمت کے ریاست نبرہ کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک کھوند ڈالا اور یہاں کی قلعہ بندیوں و مورچوں کو زمین سے ملا دینے کے بعد جب وہ ماہ جمادی الاول ۳۰۸ھ / ۹۲۰ء میں اپنے دارالخلافہ میں داخل ہوا تو لوگوں نے اس کا شاندار استقبال کیا۔[1]

نبلونہ پر دوبارہ فوج کشی

زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ اردونو اور سینکو پھر جنگی راستوں پر گامزن ہو گئے۔ وہ آگ اور تلوار لے کر ایک سرحدی شہروں پر بڑھے۔ اور ناجرہ و بقیرہ پر قابض ہو کر شدید خونریزی کے مرتکب

---

[1] ابن عذاری ۲ / ۲۴۶-۴۷

مقتولین میں عرب کے بعض بڑے معزز نسب گھرانوں کے افراد بھی شامل تھے ([illegible]) اس خبر سے قرطبہ میں ہلچل مچ گئی اور لوگ امیر سے انتقام کا مطالبہ کرنے لگے۔ امیر اگر جنگ کرنا نہ چاہتا تو بھی ایسا نہ کر سکتا تھا لیکن وہ خود بھی اپنے حدود سلطنت میں شمال کے ان متمرد حیاء قبائل کی وحشیانہ قتل و غارتگری پر غم و غصہ سے بھرپور ہو گیا۔ اور انتقام میں اتنی عجلت کی کہ موسم برسات کی دشواریوں کا خیال کئے بغیر وہ ماہ محرم [illegible] میں ایک لشکر جرار کے ساتھ قرطبہ سے نکلا۔ دشمنوں پر اس کا اتنا رعب طاری ہوا کہ اس کے پہنچنے سے پیشتر وہ اپنے قلعہ چھوڑ کر بھاگ نکلے بسینکو کے لشکر نے یسند کی افواج کے ساتھ مل کر شاہی فوج کے مقدمۃ الجیش کو روکنے کی بہتیری کوشش کی لیکن ہر بار بھاری جانی نقصان کے ساتھ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ بسینکو پر ایسی بدحواسی چھائی کہ وہ اپنے پایہ تخت بنبلونہ سے مع اپنی فوج کے کوہستانوں کی طرف فرار ہو گیا۔ عبدالرحمٰن بلا مزاحمت شہر میں داخل ہو گیا اور بطور تادیب بسینکو کے محل، گرجے اور دیگر عمارات کو مسمار و منہدم کرا دیا[1]۔ اس وقت اہل بشکنس کا رئیس مکمل طور پر مغلوب کیا جا چکا تھا۔ اور کچھ عرصہ تک وہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہا۔

لیون میں خانہ جنگی

عبدالرحمٰن ابھی بشکنس کی پامالی میں مصروف تھا کہ اس کو اردونو رئیس لیون کے انتقال اور اس کے بیٹوں میں تخت کے لئے خانہ جنگی کی مسرت آمیز خبر ملی اس طرح یہ مہم بغیر محنت و مشقت کے سر ہو گئی۔ وہ اہل لیون و جلیقیہ کو اطمینان سے ایک دوسرے کی گلو تراشی میں منہمک چھوڑ کر قرطبہ واپس آ گیا۔ اور ملک میں جہاں جہاں ابھی بغاوت کے شعلے بھڑک رہے تھے ان کو فرد کرنے میں مصروف ہو گیا۔

عبدالرحمٰن کا خلیفہ کا لقب اختیار کرنا

اس وقت تک اموی حکمرانانِ اندلس محض "امیر" کے لقب پر قناعت کئے ہوئے تھے وہ خلافت عباسیہ کو صحیح خلافت سمجھتے تھے۔ کیونکہ عباسی خلیفہ کا حجاز پر تسلط تھا جو اسلام کا گہوارہ تھا۔ آنحضرت صلعم کا مولد اور وحی کا مہبط تھا اور بیعتِ خلافت بھی لی جاتی تھی۔ مسلمانوں کا عقیدہ

---

[1] ابن عذاری ۲/۸۱-۲۶۷، مقری ۱۲۹

تھا کہ خلافت اس وقت تک صحیح نہیں ہوسکتی جب تک حرمین (مکہ و مدینہ) پر خلیفہ کی حکومت نہ ہو۔[1] جب تک یہ دونوں شہر حقیقی معنوں میں بنی عباس کے قبضے میں رہے اور وہاں ان کا خطبہ پڑھا جاتا رہا شاہان اندلس نے "خلیفہ" اور "امیر المومنین" کے معزز القابات اختیار کرنے سے احتراز کیا لیکن جس زمانہ کا ہم بیان ذکر کر رہے ہیں خلافت عباسیہ پستی کی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور ترک غلاموں کے ہاتھوں خلفاء کے اقتدار کا بالکل خاتمہ ہو چکا تھا حرمین پر قرامطہ اور فاطمی خلفاء قابض تھے دوسری طرف فاطمیوں کی طرح مغرب الاقصیٰ کے نو نہاد ادریسی علوی حکمران بھی اپنے کو "امیر المومنین" کہتے تھے عبدالرحمن نے اپنی جانکاہ کوششوں سے اندرونی فتنہ و فساد کا قلع قمع کر دیا تھا۔ وہ بنفس نفیس جہاد پر جاتا تھا اور عیسائیوں پر شاندار فتوحات حاصل کر کے اس نے اسلام کی شوکت و عظمت کا سکہ بٹھا دیا تھا ان وجوہات سے عبدالرحمن نے قدرتی طور پر اپنے کو حق بجانب سمجھا کہ وہ خلافت عباسیہ کے اس ادب و احترام کو یکدم بالائے طاق رکھ دے جس کو اس کے مورثان اعلیٰ نہایت عقیدت مندی سے اب تک محفوظ رکھے چلے آئے تھے۔ علاوہ اس کے خود اس کی رعایا بھی "خلیفہ" کے معزز لقب کو بڑی قدر و منزلت سے دیکھتی تھی چنانچہ اس نے ماہ ذی القعدہ ۳۱۶ھ / ۹۲۹ء میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کر کے "امیر المومنین الناصر لدین اللہ" کا لقب اختیار کر لیا اور فرمان جاری کر دیا کہ اسے اس جدید لقب سے مخاطب کیا جائے اور منبروں پر خطبہ میں اس کا ذکر کیا جائے۔[2] بعد اس کے اس کی آئندہ نسلیں بھی خلیفہ کا لقب اختیار کرتی رہیں۔

[illegible] عیسائیوں کی تاخت و تاراج

۳۰۰ھ / ۹۱۳ء میں لیون میں خانہ جنگی ختم ہونے پر اردونیو ثانی ریاست جلیقیہ کی تخت پر متمکن ہوا۔ اور اس نے اپنے بھائیوں کی آنکھوں میں سلائیاں پھروا دیں۔ اردونیو بڑا بہادر اور لڑاکو حکمران تھا لیکن اپنے اسلاف سے کہیں زیادہ مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا۔ ادھر نبرہ میں سینکو کے انتقال کے بعد اس کا کم سن بیٹا گارشیہ تخت نشین ہوا۔ اور اپنی ماں ملکہ طوطا کی کفالت میں حکومت کرتا تھا۔ ملکہ اسلام دشمنی میں اپنے شوہر سے کسی طرح کم نہ تھی۔ اردونیو نے زمام حکومت سنبھالتے ہی نبرہ کی افواج کے ساتھ مل کر اسلامی سرحد

---

[1] ابن خلدون ۱۹۱/۱۰؛ آدم متز [2] ابن اثیر ۲۱۱/۸؛ ابن عذاری ۲۲۹/۲

لوٹ مار شروع کر دیا

ناصر ۳۲۴ھ/۹۳۶ء میں ملک گوتھ شمال کی غرض سے اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ دارالخلافہ سے نکلا اور ریاست جلیقیہ میں داخل ہو گیا۔ بجائے مقابلے کے رومیر نے اپنی سلامتی اسی میں دیکھی کہ وشمہ میں قلعہ بند ہو کر بیٹھ رہے۔ ناصر نے ایک حصہ فوج اس کے محاصرے پر چھوڑی اور خود شمال میں البہ و قشتالیہ کی جانب روانہ ہو گیا۔ یہ ریاست یون کا باجگزار تھی اور کاؤنٹ ولیز فرڈیننڈ یہاں کا حاکم تھا۔ عیسائیوں نے ناصر کی پیش قدمی روکنے کی بہت کوشش کی مگر ناکام رہے یہاں تک کہ وہ متعدد قلعوں و مورچوں کو مسخر و مسمار کرتا قشتالیہ کے صدر مقام برغش تک پہنچ گیا اور اس کو بھی برباد کر ڈالا۔ رومیر کی اتنی مجال نہ ہو سکی کہ وشمہ سے نکل کر اپنے ملک کو ناصری افواج کی پامالی سے بچا سکتا۔ بعد ازاں اس نے نبرہ کا رخ کیا اور اس کا کوئی چپہ زمین ایسا نہ چھوڑا جس کو اس نے اپنے گھوڑے کے سموں سے نہ روندا ہو بعد ازاں ملکہ طوطہ سے اقرار اطاعت لے کر اس نے قرطبہ کی طرف مراجعت کی۔

عیسائیوں کی عہد شکنی اور ان کی سرکوبی

ابھی اس مہم کی تھکان بھی نہ اتری تھی کہ ناصر کو ملک کی عہد شکنی کی خبر موصول ہوئی نیز اسی زمانے میں صوبہ سرقسطہ کے عرب گورنر محمد بن ہاشم نے خلیفہ سے کسی بات پر ناراض ہو کر سرکشی اختیار کی اور لیون اور نبرہ کے رئیسوں سے گٹھ جوڑ کر لیا۔ اسی طرح پورا شمالی علاقہ خلیفہ عبدالرحمٰن کے مقابل صف آرا ہو گیا اور حالات نے انتہائی خطرناک صورت اختیار کر لی۔ لیکن ناصر کی ہمت میں کوئی جنبش فرق نہیں پیدا ہو سکتی تھی۔ وہ حسب معمول پھر اسی دبدبہ و شان سے باغیوں کی سرکوبی کو اٹھا (۳۲۵ھ/۹۳۷ء) محمد بن قاسم تجیبی نے ایک سخت محاصرہ کے بعد گردن اطاعت جھکا دی۔ ناصر نے اس کی تقصیرات سے درگزر کر کے اس کو گورنری پر بحال رکھا۔ اسی طرح اس نے قلعہ دروقہ اور قلعہ ایوب کو بھی تجیبی باغیوں سے نکال لیا اور صوبہ البہ کے عیسائیوں کی جمعیت کثیر کو جو تجیبیوں کی مدد پر آئی تھی، تلوار کے گھاٹ اتارا۔ بعد ازاں اس نے البہ و قشتالیہ، نبرہ اور لیون کا رخ کیا اور ایک بار پھر ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ تیس سے زائد قلعے صرف البہ میں مسمار کیے گئے[1]۔ ملکہ طوطہ شکست کھانے کے بعد خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر

---

[1] ابن خلدون ۱۰/۵۰–۲۹۶، زمبر ۱۴۹

سانی کی خود مختار ہونی اللہ اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اسی طرح جیلیقیہ میں بھی بہت سی معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ جن کا سپہ سالار خلیفہ ناصر کے سفیر تھا اور ردمیرو جان بچا کر پہاڑیوں میں روپوش ہو گیا[۱]۔ ریاست لیون اور قشتالیہ کے کچھ حصے کو چھوڑ کر جو مقبوضات فرانس سے تھا اس وقت خلیفہ پورے جزیرہ نما اندلس کا واحد بادشاہ تھا۔

اسی زمانے میں ناصر نے اپنے وزیر احمد بن اسحاق کو عیسائیوں سے سازش کے الزام میں قتل کر دیا۔ اس کے بھائی امیہ کو جب شنترین میں اس کی خبر ملی تو وہ علم حکومت قرطبہ سے منحرف ہو گیا۔ ناصر نے اس پر فوج کشی کر دی۔ امیہ میں مقابلہ کی قدرت بھلا کہاں تھی۔ بھاگ کر ردمیرو کے پاس پناہ گزین ہو گیا اور اس کے ساتھ یہ خیر خواہی کی کہ اس کو سلطنت کے وہ کمزور مقامات بتا دیئے جہاں سے دشمن کامیابی کے ساتھ حملہ کر سکتا تھا[۲]۔ چنانچہ نبرہ و جلیقیہ کے عیسائیوں نے پھر مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اٹھا لیے۔

جنگ الخندق

ناصر ایک بار پھر ان کی گوشمالی پر مستعد ہو کر ۳۲۷ھ (۹۳۹ء) میں ایک لاکھ سواروں کے ساتھ قرطبہ سے نکلا۔ اس موقع پر اس نے نہایت مہلک غلطی یہ کی کہ فوج کی سپہ سالاری نجدہ نامی ایک صقلبی امیر کو سونپ دی۔ اس پر عرب افسر غضبناک ہو گئے اور طیش میں آکر انہوں نے قسم کھائی کہ عین وقت پر مقابلہ کا ساتھ چھوڑ دیں گے[۳]۔ اس جنگ کو مختلف مؤرخین نے مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے۔ مقری کے بیان کے مطابق ناصر بلا کسی مزاحمت کے سمورہ تک چلا آیا اور پہنچتے ہی شہر پر محاصرہ ڈال دیا۔ اس شہر کو سات نہایت مستحکم فصیلیں یکے بعد دیگرے گھیرے ہوئے تھیں۔ اور ہر فصیل کے بعد پانی سے لبریز ایک خندق تھی۔ اس اثنا میں ردمیرو دوم شکنس اور جلالقہ کی فوج کثیر کے ساتھ محصورین کی کمک پر پہنچ گیا۔ دونوں فریق میں بہت سی میدانی لڑائیاں ہوئیں جن میں عرب ہمیشہ کامیاب رہے۔ آخر وہ عیسائیوں کو پسپا کرتے دو فصیلیں اور دو خندقیں عبور کر گئے۔ یہاں عیسائیوں نے تیسری فصیل پر سے ان پر تیروں اور نیزوں کی بارش کر دی۔ ایسے نازک موقع پر عربی دستہ فوج خلیفہ کی فوج مقابلہ کو چھوڑ کر پیچھے ہٹ گیا جس سے

---

[۱] ابن خلدون ۱۰/ ۲۵۴-۵۵ [۲] ابن خلدون ۱۰/ ۲۴۸ زمقری ۱۶۴ [۳] اخبار مجموعہ ۱۴

جو خندق کے اندر آ گئے تھے سب کے سب غرق آب ہو گئے۔[1]

گونڈے کے تفصیل کے مطابق عیسائیوں کو شکست خوردہ شخص اور عربوں کے ساتھ چھوڑ دینے کے باوجود مسلمانوں نے حملہ جاری رکھا اور اپنے ساتھیوں کی لاشوں پر سے خندق کو عبور کرتے اس شدت سے حملہ آور ہوئے کہ عیسائیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے "پورے میدان کو مذبح خانہ بنا ڈالا۔ صرف عورتیں اور بچے اس قتل عام سے محفوظ رہے"۔ خندق کی مناسبت سے اس واقعہ کو جنگ الخندق کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ عربوں کے یکایک میدان جنگ سے ہٹ جانے سے نبرہ و جلیقیہ کی سپاہ کو راستہ مل گیا اور وہ بقیہ لشکر کو پسپا کرتی قلب لشکر سے خلیفہ کی فوج تک پہنچ گئی اگرچہ مقابلہ بڑی جانبازی سے لڑے لیکن بجز چند کے ایک ایک کر کے مارے گئے۔ خود عبدالرحمٰن بال بال بچ گیا اور مشکل سے اپنی جان سلامت لے کر صرف ۴۹ آدمیوں کے ہمراہ قرطبہ واپس آ سکا۔ بعد چندے ردمیر نے امیہ سے بے رخی اختیار کی۔ امیہ کو یہ امر ناگوار گزرا اور وہ بلا کسی عہد و پیمان کے قرطبہ چلا آیا اور اپنے کو خلیفہ کے قدموں پر ڈال دیا۔ باوجودیکہ اس نمک حرام کی گردن پر ہزاروں مسلمانوں کا خون تھا خلیفہ نے اس کی خطائیں درگذر کیں اور دوبارہ اس کو اپنی خدمت میں لیا۔[2]

اندلس میں عربوں کے داخلے سے لے کر اب تک اتنا سخت حادثہ ان پر کبھی نہ گزرا تھا۔ ناصر اس واقعے سے اس قدر متاثر ہوا کہ پھر اس نے بذات خود فوج کشی نہیں کی۔ البتہ ان مہموں کا سلسلہ اس نے اس وقت تک بند نہ کیا۔ جب تک کہ شمال سے مخالفت کی جڑ و بنیاد کو نہ اکھاڑ کر پھینک دیا۔ چنانچہ احمد بن یعلیٰ گورنر بطلیوس نے دوسرے ہی سال جلیقیہ میں داخل ہو کر آگ اور تلوار کا طوفان بپا کر دیا اس کے بعد ۳۲۳ھ سے سالانہ مہموں کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوا جو ۳۴۴ھ تک جاری رہا۔ سرحدی سپہ سالاروں نے پے در پے تابڑ توڑ حملوں سے بلاد فرنجہ میں وہ افراتفری ڈال دی کہ اس سے پہلے کبھی نہ پیدا ہوئی تھی اور ایسا ہولناک انتقام لیا گیا کہ الخندق کا واقعہ اس کے سامنے گرد ہو گیا۔ بارہ سال کی اس طویل مدت میں شمال سے جو خبر قرطبہ میں موصول ہوتی تھی وہ مژدہ فتح ہوتا تھا۔[3] ردمیر کا اب یہ حال ہو گیا تھا کہ مسلمان حملے کے بجائے

---

[1] نفح الطیب ۱۶۵ [2] ابن اثیر ۸/۱۳۸ [3] ابن عذاری ۲/۳۰–۳۱۶

اور وہ جان بچاتا پھرے یہاں تک کہ ۳۳۹ھ / ۹۵۰ء میں اس نے وفات پائی اور اس کا بیٹا اردونو ثالث تخت کا وارث ہوا اگرچہ اس کی تخت نشینی لیون میں خانہ جنگی کے بغیر ممکن نہ ہو سکی

اردونو کی درخواستِ مصالحت

اردونو نے پریشان ہو کر ۳۳۹ھ / ۹۵۰ء میں خلیفہ سے بعجز و الحاح صلح کی درخواست کی۔ خلیفہ کا اس وقت چونکہ افریقیہ میں جنگ لڑ رہا تھا۔ اردونو کی درخواست منظور کر لی اور دونوں میں باعزت شرائط پر صلح ہو گئی۔ اردونو نے ناصر کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا۔ دیگر شرائط کے مطابق اردونو نے عہد کیا کہ وہ نہ تو اسلامی اندلس کے عیسائیوں سے اور نہ کسی بیرونی طاقت سے ساز باز کرے گا۔ ایک مقررہ میعاد کے اندر اپنے تمام بڑے بڑے سرحدی مورچے گرا دے گا اور آئندہ اسلامی سرحدوں پر حملے سے باز رہے گا۔ ناصر نے جس لیون اور نبرہ کی خود مختاری کو تسلیم کر کے صرف ان کے مقررہ سالانہ خراج پر اکتفا کیا۔ ایک سال بعد اردونو کی درخواست پر اس عہد نامے میں فرڈیننڈ گانزیلز حاکم قشتالہ بھی شامل کر لیا گیا[1]۔ معاہدے کے مطابق اسلامی سرحدیں دریائے ابرہ تک ہٹا لی گئیں۔ اور اب مسلمانوں کے قبضہ میں صرف وہ حصہ ملک رہ گئے جو مشرق میں طرطوشہ اور تمام بحر روم سے لے کر شمال میں افراغہ اور لاردہ تک چلے گئے تھے[2]۔

دولتِ فاطمیہ کی تاسیس

بنی فاطمہ کو مسلسل کوششوں کے باوجود جب مشرق میں اپنی خلافت قائم کرنے میں مایوسی و ناکامی ہوئی تو انہوں نے سرزمین مغرب کی طرف اپنی توجہ مبذول کی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے داعی اعظم ابو عبداللہ الشیعی کو ضروری ہدایات کے بعد اس طرف روانہ کیا۔ الشیعی اعلیٰ درجے کی تنظیمی و جنگی لیاقت کا حامل تھا۔ اس نے دس سال کے مسلسل جنگ و جدال کے بعد مغرب الاوسط سے اغلبی خاندان کی حکومت کا خاتمہ کر کے اپنے آقاؤں کے لئے ایک نئی سلطنت کی داغ بیل ڈال دی جو آئندہ بڑی عظمت حاصل کرنے والی تھی۔ عبیداللہ المہدی اس نوزائیدہ سلطنت کا پہلا خلیفہ تھا جس نے ۲۹۶ھ / ۹۰۹ء میں قیروان میں لوگوں سے بیعت لی۔ الشیعی نے یہاں شیعی دعوت پھیلانے

---

[1] ابن خلدون ۲/۲۵۹ [2] مقری ۵۱۵

میں اتنی شدید خونریزی کی تھی کہ لوگ خوف سے گونگے ہو گئے تھے۔[1] دولت مروانیہ اندلس کے مشہور باغی ابن حفصون نے بھی اس سے خط و کتابت کر کے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا اور اپنے مقبوضات میں شیعی دعوت کو خوب پھیلایا تھا۔[2] فاطمیوں کے اس خیال نے کہ مسلمانوں کی سیاسی و دینی پیشوائی کا حق تنہا ان ہی کو حاصل ہے عالم اسلام کے دیگر حکمرانوں کو خوفزدہ کر دیا۔ سواحل اندلس کے قریب ایک طاقتور حریف کی موجودگی عبدالرحمٰن کے تخت کے لئے ایک دائمی خطرے اور دھمکی کی حیثیت رکھتی تھی۔ بنی فاطمہ اندلس پر حملہ کرنے کے لئے وقت اور موقع کے منتظر تھے جیسا کہ مشہور عالم جغرافیہ دان ابن حوقل کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "امیرالمومنین (مراد فاطمی خلیفہ) یہ بھی جانتے ہیں کہ وہاں (اندلس) سے بڑا خراج حاصل ہو سکتا ہے اور بیر حاصل آراضیات وہاں واقع ہیں"۔[3] ابن حوقل ایک فاطمی جاسوس تھا جس نے دسویں صدی عیسوی میں اندلس کا سفر کر کے وہاں کے حالات قلم بند کئے ہیں۔ غرضیکہ عبدالرحمٰن کو ایک ہی وقت میں فاطمیوں، عیسائیوں دونوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔

فاطمیوں سے آویزش

عبدالرحمٰن کی حکومت کا ابتدائی زمانہ تھا اور اس وقت تک فاطمیوں کی جانب سے اندلس پر کسی حملے کی تحریک نہیں ہوئی تھی۔ لیکن جب ۳۰۵ھ / ۹۱۷ء میں فاطمی لشکر نے ادریسی ریاستوں کی تسخیر کی غرض سے مغرب الاقصیٰ کی جانب قدم بڑھائے تو عبدالرحمٰن کو تشویش لاحق ہوئی۔ اس پالیسی کے یہ معنی تھے کہ مغرب الاقصیٰ کی تسخیر کے بعد فاطمیین کسی روز اچانک جہازوں کے ذریعہ اپنی فوجوں کو اندلس میں لا کر اتار دیں۔ چنانچہ عبدالرحمٰن نے ضروری سمجھا کہ مذکورہ بالا قبائل کی سرپرستی کی جائے۔ اس نے ادریسیوں اور بربر قبائل کی ریاست کی فوج اور روپیہ سے مدد کی اور یوں مغرب الاقصیٰ کی سرزمین دو حریف طاقتوں کے مابین جولانگاہ بنی رہی۔ کئی سال کے جنگ و جدال کا نتیجہ یہ ہوا کہ فاطمیوں کو مغرب الاقصیٰ میں اپنے بہت سے مقبوضات سے ہاتھ دھونا پڑے۔ ۳۱۷ھ / ۹۲۹ء میں سبتہ اور طنجہ پر اموی پھریرا لہرانے لگا۔ بہت سے ادارسہ و بربر ملوک نے عبدالرحمٰن کو اپنا بادشاہ تسلیم کر کے اپنے مقبوضات میں اس کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ عبدالرحمٰن نے خلعتیں اور دیگر انعامات عطا کئے۔[4] اس کے بعد اس نے باغیان دولت اور عیسائیوں کی سرکوبی میں

---

[1] ابن خلدون ۱۰/۲۲۸ [2] ابن خلدون ۱۰/۲۵۲ [3] اخبار مجموعہ ۲۰۳

مشغول ہونے کی وجہ سے تدبیر سے کام لے کر افریقیہ میں مذہبی فساد کی تخم ریزی کر دی۔ اور مقتدیان دینی نے اس کی خوب ہی آبیاری کی۔ لوگ دولت شیعی کے تشدد سے یوں ہی خون بدل ہو رہے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یزید المخار نامی ایک خارجی سردار کی قیادت میں ایسی زبردست بغاوت پیدا ہو گئی کہ فاطمیوں کا بحر اقبال اکرم حالت جزر میں آ گیا۔ یوں عبدالرحمٰن نے فاطمیوں کو خود ان ہی کے ملک میں الجھا کر ان کو اتنی مہلت نہ لینے دی کہ ان میں اندلس پر حملہ کرنے کی طاقت و جرأت پیدا ہو سکتی۔ اس فرصت میں عبدالرحمٰن نے عیسائیوں کی گوشمال اور امراء اندلس کی خود سریوں کو دور کر کے خلیفہ کا لقب اختیار کر لیا۔

آخر کار یزید المخار کی شکست اور اس کے قتل سے فاطمیوں کو دوبارہ زندگی ملی۔ خلیفہ جب فاطمی تخت و تاج کا مالک ہوا تو اس نے اپنی طاقت کے گھمنڈ میں اندلس کی تسخیر کا قصد کیا۔ اس کے زبردست بحری بیڑے نے پہلے تو قیصر قسطنطنیہ اور شاہ فرانس کو کامیابی کے ساتھ اپنا زور دکھایا۔ بعد ازاں ۳۴۴ھ / ۹۵۵ء میں اندلس پر حملہ کر کے المریہ اور اس کے مضافات کو تاراج کر ڈالا۔ بندرگاہ میں جو چھوٹے بڑے جتنے جہاز کھڑے تھے ان میں بعضوں کو آگ لگا دی اور بعضوں کو گرفتار کر کے افریقیہ لے گیا۔ اسی زمانے میں اردونو ثالث شاہ لیون کا پیام صلح لے کر قرطبہ آیا ہوا تھا۔ خلیفہ ناصر چونکہ پوری توجہ کے ساتھ افریقی محاذ پر جنگ لڑنا چاہتا تھا اس لئے اس نے اردونو کی درخواست کو قبول کر لیا جیسا کہ صفحات ملحق میں بیان ہو چکا ہے لیکن ابھی وہ زبردست جنگی تیاریوں میں مصروف تھا کہ ۳۴۶ھ / ۹۵۷ء میں قرطبہ میں اردونو کی وفات کی خبر موصول ہوئی۔ اور ناصر کی تدابیر نے کچھ اور ہی صورت اختیار کر لی۔

لیون پر فوج کشی

لیون کا نیا تاجدار سینکو سخت متکبر و مغرور حکمران اور مسلمانوں کے خون کا پیاسا تھا تخت نشین ہوتے ہی اس نے اس عہد نامہ کی پابندی سے انکار کر دیا جو اس کے بھائی اردونو ثالث نے ناصر سے کیا تھا۔ چنانچہ وہ فوج جو فاطمیوں کے خلاف تیار کی گئی تھی ناصر کو اسے عیسائیوں کے خلاف استعمال کرنا پڑی۔ یہ مہم احمد بن یعلیٰ حاکم طلیطلہ کو تفویض کی گئی۔ اس نے لیون کی حدود سلطنت میں داخل ہو کر عیسائیوں پر شاندار فتح حاصل کی (۳۴۶ھ / ۹۵۷ء) اس کے تھوڑے عرصہ بعد لیون کے لوگوں نے فرڈیننڈ گانزالیز حاکم قشتالہ کی سازش اور مدد سے سینکو سے بغاوت کر دی اور اس کے عم زاد بھائی اردونو چہارم کو اپنا بادشاہ بنا لیا۔ سینکو پریشان و خستہ حال لیون سے

جا دھمکنے پر آمادہ تھا علاوہ ازیں روم کے پاس بلا دیا گیا۔

افریقیہ میں جنگ

شمالی مہم سے فارغ ہوتے ہی ناصر نے امیر البحر احمد بن یعلیٰ کو ستر جہازوں کے ایک بیڑے کے ساتھ اس تاکید سے افریقیہ روانہ کیا کہ فاطمیوں سے خوفناک انتقام لیا جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اندلسی اور فاطمی بیڑوں میں خوب خوب معرکہ آرائیاں ہوئیں جن میں فاطمی لشکر کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔ اموی لشکر نے ساحل پر اتر کر سوسہ و طبریہ کو لوٹ ڈالا اور مرسی الخرز کو جلا کر خاک کر دیا۔ تونس کے دولت مند یہودیوں نے بے قیاس زر و جواہرات، گھوڑے، قیمتی کپڑوں کے تھان نذر بگزار شہزادے کر کے اپنے شہر کو تباہی سے بچا لیا[1]۔ اس شاندار کامیابی کے بعد احمد بن یعلیٰ نے اندلس کی جانب مراجعت کی۔ فاطمیوں سے ناصر کی یہ آخری جنگ تھی (۳۴۴ھ / ۹۵۸ء)

شہزادہ عبداللہ کا قتل

عبدالرحمٰن نے اپنے بڑے بیٹے الحکم کو اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا لیکن اس کے دوسرے بیٹے عبداللہ نے جو لیاقت علمی اور دینداری میں اپنے بھائی ولی عہد الحکم سے کسی طرح کم نہ تھا اور باپ کو بے حد عزیز تھا، تخت کی لالچ میں بعض نمک حرام امراء کے ورغلانے سے الحکم کے قتل کا منصوبہ بنایا لیکن سازش پکڑی گئی۔ شہزادے کو گرفتار کر لیا گیا اور مجلس شوریٰ نے اس کے لیے سزائے موت تجویز کی۔ الحکم باپ کے قدموں پر گر گیا اور گڑگڑا کر مجلس شوریٰ کے فیصلہ کو منسوخ کرنے کی درخواست کی۔ ضعیف العمر بادشاہ نے جواب دیا کہ "بحیثیت ایک باپ کے میں تمام عمر خون روؤں گا، لیکن علاوہ باپ کے میں ایک بادشاہ بھی ہوں اگر اس معاملہ میں مداخلت کرتا ہوں تو سلطنت پارہ پارہ ہو جائے گی۔" یہ کہہ کر اس نے سزا کے نفاذ کی اجازت دے دی۔ کہتے ہیں اس روز سے عبدالرحمٰن کے چہرے پر کبھی مسکراہٹ نہیں دیکھی گئی۔ اور نہ کوئی تفریح اس کا دل بہلا سکی۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن اپنے زیادہ تر اوقات فقہاء کی صحبتوں میں گزارنے لگا اور کاروبار حکومت الحکم کے سپرد کر دیا۔

۱؎ ابن عذاری ۲/۳۰۳، ابن خلدون ۹/۳۰۳

بیرونی سفارتیں

عبدالرحمٰن کی فہم و فراست، دولت و حشمت اور فوجی صولت و
شوکت کا شہرہ چاردانگ عالم میں بج رہا تھا۔ اس زمانے کے مغرور
سے مغرور بادشاہ اس کے ساتھ مراسم اتحاد و مصالحت پیدا کرنے کے آرزومند
رہتے تھے چنانچہ ۳۳۶ھ ۹۴۷ء میں جرمنی، فرانس، اٹلی اور قسطنطنیہ کے بادشاہوں نے اس کے پاس
قیمتی تحائف کے ساتھ سفارتیں بھیجیں اور خلیفہ نے سب کو شرف قبولیت بخشا۔ عرب مصنفین
نے سفرا قسطنطنیہ کی باریابی کا خاص طور سے تذکرہ کیا ہے جس کو ہم درج ذیل کرتے ہیں۔ ناصر نے
اس سفارت کو شرف حضوری بخشنے میں بڑا اہتمام کیا۔ جب سفارت قرطبہ کے قریب پہنچی تو سپہ سالار
فوج اپنی فوجیں لے کر استقبال کے لئے نکلے اور سفیروں سے ملاقات کی۔ بعد ازاں اعیان
سلطنت اور خواجہ سراؤں کے سرداران سے نہایت احترام سے ملے اور ان کو ولی عہد حکم
کے ایوان خاص میں ٹھہرایا۔ ان سفیروں کے ملنے اور کاغذات سفارت پیش کئے جانے
کے لئے ناصر نے یوم شنبہ ۱۱ ربیع الاول مقرر کیا۔ اس روز ایک عظیم الشان دربار عام
منعقد کیا گیا۔ قصر الزہرا کو دلہن کی طرح سجایا گیا۔ تمام محل میں اندر سے باہر تک قیمتی قالینوں
کا فرش بچھایا گیا۔ دروازوں اور محرابوں پر ریشمی زردوزی کے پردے لٹکائے گئے
قبہ کے نیچے ایوان کے عین وسط میں خلافت مآب سونے کے ایک تخت پر جلوہ افروز
تھے جو ہیرے، لعل اور زمرد سے اس طرح جگمگا رہا تھا کہ اس پر آنکھیں نہ ٹھہرتی تھیں۔ تخت
کے دائیں بائیں جانب پہلے ناصر کے بیٹوں اور اقربا کی حسب ترتیب کرسیاں تھیں۔
شہزادوں کے بعد وزراء، علماء اور فقہاء حسب مراتب دائیں بائیں حاضر تھے۔ پھر
حجاب بعدہٗ وزراء کے لڑکے خدام اور دیگر صف بصف ایستادہ ہوئے۔ قبہ کے پاس
زمین کے گرد شاہی فوج اپنی زرق برق وردیوں میں صف بستہ کھڑی تھی۔ جب بادشاہ
قسطنطنیہ کے سفیر دربار میں داخل ہوئے تو دربار کی شان اور شوکت و جلال
سے حیرت زدہ رہ گئے۔ مگر پھر ذرا سنبھلے اور تخت شاہی کے قریب جا کر اپنے بادشاہ
کا خط پیش کیا۔ یہ خط [illegible]، چاندی کے بکس میں رکھا ہوا تھا جس پر سونے کا پتر چڑھا
ہوا تھا۔ صندوقچہ پر سونے کی مہر لگی ہوئی تھی جس کا وزن چار مثقال تھا۔ مہر کے ایک

طرف مسیح علیہ السلام کی تصویر تھی اور دوسری جانب خود بادشاہ قسطنطنیہ کی تصویر مع اس کے بیٹے کے منقوش تھی اس صندوقچے کے اندر ایک ریشمی لفافے میں یہ خط تھا۔ عنوان خط کے ایک سطر میں طلائی حروف سے قسطنطین و رومانوس دونوں مسیح علیہ السلام پر ایمان لانے والے دونوں روم کے بڑے بادشاہ اور دوسری سطر میں بزرگ قابل تعظیم مفتخر و شریف النسب عبدالرحمٰن خلیفہ و حاکم عرب در ملک اندلس مکتوب تھا۔ اس خط کے ساتھ ایک اور خط نقرئی حروف میں بزبان یونانی لکھا ہوا تھا۔ جو تمام ہدایا و تحائف کی فہرست تھی۔

جب خلیفہ ناصر نے یہ دربار منعقد کیا تو اس کی خواہش ہوئی کہ خطبا اور شعرا حسب موقع و مناسب خطبے جن میں اسلام و خلافت اسلامیہ کی عظمت بیان کی جائے اور ذلت و خواری دشمنانِ دین پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے۔ چنانچہ حاضرین جلسہ جن میں بڑے بڑے نامی خطیب تھے تعمیل حکم پر تیار ہوئے۔ ان میں فقیہ محمد بن عبدالبر تھے جنہیں یہ دعویٰ تھا کہ تالیف کلام میں جتنی قدرت ان کو حاصل ہے۔ دوسرے کو نہیں لیکن جب دربار سلطانی میں آکر کھڑے ہوئے اور وہاں کی شوکت و عظمت کو دیکھا تو مارے رعب خلافت کے ایک لفظ زبان سے نہ نکلا اور غش کھاکر زمین پر گر پڑے۔ اس کے بعد ابوعلی القالی جو عزنی وفد کے ساتھ قرطبہ میں آئے ہوئے خلیفہ کے مہمان تھے اور امیر الکلام و بحر اللغت کہلاتے تھے اس خدمت کے انجام دینے کے لئے کھڑے ہوئے مگر وہ خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا ہی کر رہے تھے کہ ان کی زبان بھی بند ہوگئی اور وہ متفکر کھڑے کے کھڑے رہ گئے حالانکہ ان کو پہلے سے اس کام کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ جب منذر بن سعید بلوطی نے جو اس وقت زمرۂ فقہا میں بیٹھے تھے اور ایک غیر معروف شخص تھے۔ یہ حالت دیکھی تو وہ خود بخود کھڑے ہوگئے اور انہوں نے سلسلۂ کلام کو وہیں سے شروع کیا جہاں سے کہ ابوعلی نے چھوڑا تھا اور اپنے خطبہ کو اس خوبصورتی سے ادا کیا کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ پہلے سے وہ تیار ہوکر درحقیقت آئے ہیں۔ اس وقت ان کا کلام فصاحت و بلاغت کا ایک نمونہ تھا کہ سننے والے نقش حیرت بنے ہوئے تھے خلیفہ ناصر

نے ان کی برجستہ تقریر اور فصاحت و بلاغت پر متحیر اور خوش ہو کر قاضی الجماعۃ کا معزز عہدہ عطا فرمایا۔ قاضی منذر بہت بڑے شاعر اور نہایت فصیح و بلیغ خطیب تھے۔ تصوف، رد بدعت اور احادیث میں وہ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں بغرض یہ دربار مذکور اندلس میں یادگار رہا۔[۱]

خلیفہ سے ملکہ طوطہ کی استمداد

جیسا کہ ہم اوپر تحریر کر آئے ہیں کہ اہل لیون نے فرڈینینڈ کا نز دلیز حاکم قشتالہ کی سازش سے اپنے رئیس سینکو کے خلاف بغاوت کر کے اس کے چچیرے بھائی اردونو چہارم کو لیون کے تخت پر بٹھا دیا تھا جس وقت سینکو لیون سے جلاوطن ہو کر نبرہ پہنچا تو ملکہ طوطہ سے اپنے نواسے کی پریشانی و خستہ حالی نہ دیکھی گئی۔ لیکن خود میں اتنی قدرت نہ تھی کہ اس کی کوئی مدد کر سکتی۔ ناچار اس کی نظریں قرطبہ کی جانب اٹھیں جہاں اس کو ایک زبردست حامی و سرپرست مل سکتا تھا اور جہاں سینکو کے غیر معمولی موٹاپے کا بھی علاج ہو سکتا تھا کیوں کہ ان دنوں قرطبہ ہر علم و فن کے باکمالوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ سینکو اور قومسوں و پادریوں کی ایک جماعت کے ساتھ دربار خلافت میں حاضر ہوئی اور امیر المومنین سے امداد کی طلب گار ہوئی۔ خلیفہ نے ملکہ کا شاندار استقبال کیا اور اپنے حسب منشا اس سے ایک عہد نامہ لکھوا کر اس کی درخواست کو قبول کر لیا۔ قرطبہ کے دوران قیام میں خلیفہ کے یہودی وزیر و طبیب حسدائی بن شپروط نے سینکو کا علاج شروع کر دیا اور تھوڑے ہی دنوں بعد سینکو کلی طور پر صحت یاب ہو گیا۔ اس کے بعد خلیفہ نے ملکہ کو بہت سے قیمتی تحائف دے کر اس کے ملک کو واپس کیا اور اس کے ہمراہ ایک فوج کر دی جس نے سینکو کو دوبارہ لیون کے تخت پر بٹھا دیا اور اردونو شکست کھا کر جلیقیہ کی طرف بھاگ گیا[۲] سینکو نے دوبارہ تخت نشین ہونے کے بعد امیر المومنین کو شکریہ کا خط اور قیمتی تحائف ارسال کیے[۳] اب لیون۔ جلیقیہ۔ قشتالہ اور نبرہ عملی طور پر خلافت عظمیٰ قرطبہ کی باجگزار ریاستیں تھیں۔ اور سلطنت اسلامیہ اندلس کو شہنشاہیت کا درجہ حاصل تھا۔

---

۱ مقری ۱۶۲ – ۱۷۰ ۲ ابن خلدون ۱۰/۵۸ – [illegible] ۳ مقری ۱۷۱

وفات

لیکن یہ عظیم حکمران اپنی اس شاندار کامیابی کا پھل دو سال سے زیادہ نہ کھا سکا اور بہتر
سال ماہ رمضان ۳۵۰ھ میں اس نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اس
کے کاغذات میں ایک بیاض نکلی جس میں اس نے اپنے قلم سے اپنے پوشیدہ حالات لکھے تھے۔ اس
میں ایک عبارت جو انسانی زندگی کی مایوسیوں، انسانی طمع، عظمت و جلال اور شاہی بلند نظری
کو سراب کر کے دکھاتی ہے یہ تھی: "میں نے نہایت امن اور کامیابی کے ساتھ پچاس سال حکمرانی
کی۔ میری رعایا مجھ پر فدا تھی، میرے دشمن مجھ سے لرزاں تھے۔ میرے حلیف اور دوست مجھ
سے خوش تھے۔ دنیا بھر کے بادشاہ میری دوستی کے طلب گار تھے۔ کوئی چیز ایسی نہ تھی کہ جس
کی انسان کے دل کو خواہش ہو جو مجھے میسر نہ ہو۔ شہرت، قوت اور عیش سب کچھ مجھے حاصل تھا
اس طویل زندگی میں میں نے ان دنوں کو گنا ہے جن میں میں بے فکر رہا ہوں اور مجھے حقیقی خوشی
حاصل ہوئی وہ شمار میں صرف چودہ تھے۔ تمام تعریفیں اسی کو سزاوار ہیں جو ہر جگہ حاضر و ناظر
ہے۔"[1]

جائزہ

اندلس کے تمام شاہان بنی امیہ میں عبدالرحمٰن ثالث بلاشبہ سب سے بڑا بادشاہ تھا۔ اس
نے جو کام کیے وہ کام نہ تھے بلکہ قریب قریب معجزے تھے۔ اس کی تخت نشینی کے وقت
سلطنت سوسائٹی کے متضاد عناصر میں بٹ کر عالمگیر بدنظمی و خانہ جنگی کا شکار ہو چکی تھی
شمال کے وحشی عیسائی قبائل الگ سرحدوں پر لوٹ مار اور دراندازی کرتے پھرتے تھے۔ نوبت
اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ شمال کے عیسائی یا جنوب کے بنی فاطمہ کسی وقت بھی اس کو اپنا لقمہ بنا لیں
لیکن ناصر نے انتہائی مشکلات کے باوجود اس کو اس کے دشمنوں سے بچا کر اندرون ملک استحکام
اور بیرون ملک وہ عظمت و وقار بخشا جو اس سے پہلے اس کو کبھی حاصل نہ ہوا تھا۔ اس نے خلیفہ
کا لقب اختیار کر کے اور خطبہ و سکہ کو بدل کر مسلمانوں کی نگاہوں میں ایک خاص امتیاز پیدا کر لیا
ناصر کی ملکی و ملکی پالیسی سے بھی وہی جوہر دماغی ظاہر ہوتے تھے جو ان کی فوجی مہمات
اور سیاسی کارروائیوں سے ظاہر ہوئے۔ سیاح کو حیرت ہوتی تھی کہ سلطنت کے ان دور افتادہ

---

[1] ابن عذاری ۲/۳۴۵؛ ابن اثیر ۸/۲۱۱

علاقوں میں بھی جہاں پہنچنا دشوار تھا، ہر فرقہ و طبقہ کے لوگوں کی جان و مال و حقوق اسی طرح محفوظ تھے
جس طرح خاص دارالسلطنت میں اور یہ سب نتیجہ تھا بہترین پولیس کی بیدار مغزی اور حکام
عدالت پر خلیفہ کی کڑی نگرانی کا۔ سرحدوں پر ہر قسم کی سہولتیں مہیا کی گئی تھیں۔ ایسی
شاہراہیں بنائی گئی تھیں جن سے نہ صرف فوج بلکہ مال تجارت اور مسافروں کی نقل و
حرکت میں بھی آسانی ہو۔ مسافروں کی حفاظت کے لئے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چوکیاں
قائم کی تھیں اور سپاہی پہرے دیتے رہتے تھے۔ بے تعداد برج پہرہ چوکی کے لئے بنے
ہوئے تھے۔ جو اسپین میں اب تک عربی اتالیہ کے نام سے پکارے جاتے ہیں یہ برج
تمام ساحل بحر پر بھی بنے ہوئے تھے ان برجوں کی چوٹیوں سے آناً فاناً دشمنوں
کے جہاز اور دشمنوں کی فوجی جمعیت کی نقل و حرکت کی خبر دارالخلافہ میں پہنچ جاتی تھی

زراعت۔ صنعت۔ حرفت۔ تجارت غرضیکہ کسی علم و فن کی کوئی شاخ ایسی نہ تھی اس
بیدار مغز خلیفہ نے جس کی آبیاری نہ کی ہو۔ آبپاشی کے سائنٹیفک نظام کو حیرت انگیز ترقی دی گئی تھی۔ پورے
ملک کے نشیب و فراز میں نہروں کا ایک جال بچھایا ہوا تھا جس کے ذریعہ انتہائی خشک و بنجر زمینیں بھی
نہایت زرخیز و سیر حاصل بنا دی گئی تھیں۔ اور غیر معمولی سرسبزی و شادابی میں پورا جزیرہ نما مسلسل
ایک باغ معلوم ہوتا تھا ہر طرف حد نظر تک لہلہاتی ہوئی کھیتیوں مہکتی ہوئی پھلواریوں۔ انواع
و اقسام کے پھلوں اور میووں سے لدے ہوئے باغوں اور جا بجا شاندار و پر تکلف بنگلوں اور
بارہ دریوں کو دیکھ کر سیاح کا دل باغ باغ ہو جاتا تھا۔ المریہ، اشبیلیہ، قرطبہ اور اسی طرح
دوسرے شہر بھی مختلف صنعتوں کی وجہ سے مالا مال ہو رہے تھے۔ فروغ تجارت کا یہ عالم تھا
کہ کثرت کاروبار سے بندرگاہوں پر دم مارنے کو جگہ نہ ملتی تھی۔ خلیفہ کے تجارتی بیڑے میں ایک
ہزار سے زائد جہاز تھے۔ اور دنیا کے بہت کم بندرگاہ ایسے ہوں گے جہاں جہازوں پر اندلسی
پرچم لہراتے نہ دکھائی دیتے ہوں۔ محکمہ سائر کے افسر اعلیٰ نے اپنی کیفیت میں لکھا ہے کہ اشیاء
درآمد و برآمد پر محصول لیا جاتا تھا اس کی رقم ملک کے مجموعی مالیہ کا ایک بڑا حصہ تھی۔ خراج سے جو
رقم حاصل ہوتی تھی وہ دو کروڑ چون لاکھ اسی ہزار دینار سرخ تھی۔ بازار و گذروں کی آمدنی
سات لاکھ ۶۵ ہزار دینار تھی۔ غنیمت کے خمس شمار سے باہر تھے۔ خلیفہ تمام اس خراج کو تین حصوں

پر تقسیم کرتا تھا۔ ایک ثمث سلطنت کے مصارف کے لئے کفایت کرتا تھا۔ دوسرا حصہ تعمیرات پر صرف ہوتا تھا اور تیسرا حصہ بیت المال میں جمع رہتا تھا۔ خلیفہ کی وفات پر مختلف بیت المالوں میں پانچ خراب دِرہم موجود تھے[1]۔ دولت مندی میں اس سے بڑھا ہوا دنیا میں کوئی شخص نہ تھا اس کی آمدنی تمام یورپ کے بادشاہوں کی مجموعی آمدنی سے بھی بڑھی ہوئی تھی[2]۔

خلیفہ علماء و فضلاء کا نہایت قدردان تھا وہ خود بھی ایک اعلیٰ درجہ کا ادیب تھا۔ جس زمانے میں مروانیوں میں سے احمد بن اسحاق سرقسطہ میں محمد بن ہاشم سے جنگ میں مصروف تھا تو ناصر نے اس کو ایک خفگی کا خط لکھا جس سے اس کا کمال انشا پردازی ظاہر ہوتا ہے اور یہ خط تاریخ نے محفوظ رکھا ہے[3]۔ قصر شاہی اندلس کے تمام جوہر دماغی کا مرکز بنا ہوا تھا۔ خلیفہ علمی مجالس منعقد کرتا ان میں حکم بنتا۔ اور علما کو بھاری بھاری انعامات و اکرامات سے نوازتا۔

عبدالرحمن ثالث کے باعظمت و شان زمانہ سلطنت نے اندلسی عربوں میں لیسا انتہا مسرفہ الحالی پیدا کر دی تھی۔ وزیر سلطنت احمد بن شہید نے جو قیمتی نذرانہ خلیفہ کی خدمت میں پیش کیا تھا وہ نہ صرف اندلس کی بے پایاں دولت و حشمت کا مظہر ہے بلکہ سر حشمتی کا بھی ایک نمونہ ہے اس پیش کش میں پانچ لاکھ مثقال خالص سونا۔ چار سو رطل خالص چاندی۔ دو سو توڑے خالص چاندی کے سکّے دو سو رطل عود ہندی دعزل۔ ایک سو اوقیہ خالص مشک۔ چھ سو اوقیہ اصل عنبر اشہب۔ تین سو اوقیہ اعلیٰ قسم کا کافور۔ تیس ریشمی تھان جن پر سونے کا کام تھا۔ دس نفیس پوستین خنک خراسانی۔ چھ زریں عراقی پردے۔ اڑتالیس ریشمی زرتار بغدادی جھولیں گھوڑوں پر ڈالنے کے لئے۔ تیس جھولیں اونٹوں کے لئے۔ دس قناطیر سمور جن میں سو کھالیں تھیں۔ چار ہزار رطل کاتا ہوا ریشم۔ ایک ہزار رطل بغیر کتا ہوا ریشم۔ ایک ہزار ایک سو پینتالیس مختلف اقسام کی ریشمی قالین۔ غالیچے اور جا نمازیں۔ ایک لاکھ سلطانیہ ڈھالیں۔ ایک لاکھ عمدہ تیروں کے پھل۔ آٹھ سو جوڑے جن قیمت زرہ بکتر اور سونے سے خیمہ و خرگاہ۔ پندرہ راس عربی اصیل گھوڑے شاہی سواری کے لئے۔ بیس راس سواری کے خچر با ساز و یراق۔ ایک سو راس جنگی گھوڑے۔ ساٹھ غلام و کنیزیں جو لیاقت و حسن

---

[1] مقری ۱۷۹ [2] اخبار الاندلس ۱/۱۴۲ [3] اخبار مجموعہ ۲۰۵

ذاتی رکھتی تھیں عمدہ و نفیس پتھر کے ستون جن کی تیاری پر ایک سو ہزار دینار سرخ لاگت آئی تھی بیس ہزار کمان بنانے کی اعلیٰ قسم کی لکڑیاں جن کی قیمت پچاس ہزار دینار سرخ تھی اور ایک مزروعہ گاؤں جس میں بیس ہزار درخت تھے۔ اس ہدیہ کے بھیجنے میں ۵۴ ہزار دینار صرف ہوئے تھے[1]۔ اس عجیب و غریب نذرانہ نے نہ صرف تمام امراء سلطنت بلکہ خود امیر المومنین کو بھی حیران کر دیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے خوش ہو کر احمد بن شہید کی قدر و منزلت تمام وزرا سے زیادہ کر دی اور اسی ہزار دینار سرخ اس کی تنخواہ مقرر کر کے اس کو "ذوالوزارتین" کے لقب سے سرفراز کیا۔ یہ پہلا شخص ہے جو بنی عباس کے وزیر صاعد بن مخلد کی طرح اندلس میں اس عہدے پر پہنچا[2]۔

خلیفہ کی مملکت میں اسی شہر اول درجہ کے تین سو شہر دوم درجہ کے اور بے شمار قصبے اور قریے تھے۔ بارہ ہزار گاؤں صرف وادی الکبیر کے کنارے آباد تھے۔ ملک ایسا آباد تھا کہ ایک مسافر ایک دن کے سفر میں کم از کم تین شہروں میں سے ہو کر گذرتا تھا۔ المریہ۔ اشبیلیہ۔ غرناطہ مالقہ۔ بلنسیہ اور طلیطلہ وغیرہ میں سے ہر ایک کی آبادی لاکھوں میں۔ بے شمار خوبصورت عمارتیں ہر شہر کی زیب و زینت بنی ہوئی تھیں۔ سلطنت کے تمام شہروں میں صفائی و صحت عامہ کے جو مہذب قوانین و قواعد رائج تھے وہ زمانہ حال کے مطابق تقریباً مکمل تھے کے کاموں میں بے تعداد پل، سڑکیں، سرائیں، مساجد، مدارس، کتب خانے، حمام، مختلف فرنے اور شفاخانے تعمیر کیے گئے تھے۔ یتیموں کی پرورش اور تعلیم کا خرچ خلیفہ اپنے صرف خاص سے کرتا تھا۔

یوں تو مسلمانوں کی درخشاں تہذیب و تمدن کے آثار ملک کے گوشے گوشے سے نمایاں تھے لیکن اس تمام محیر العقول تہذیب کے سرچشمہ یعنی دارالخلافہ قرطبہ کی عظمت و طاقت کا مقابلہ ملک بھر کا کوئی دوسرا شہر نہ کر سکتا تھا۔ یہی شہر تمام تمدن کا خزینہ۔ تجارت کا مرجع انام اور اقصائے زمانہ لوگوں کا مسکن بنا ہوا تھا۔ اور تمام یورپ و افریقہ کی عنان سیاست اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھا۔ اس عہد میں قرطبہ ایک دلہن کی طرح آراستہ و پیراستہ تھا۔ دنیا کے علوم و فنون

---

[1] ابن خلدون $\frac{1}{244}$ [2] مقری ۱۷۴

مرکز بنا ہوا تھا۔ ہر ملک و قوم کے طلباء دور دراز ملکوں سے تحصیل علم کو یہاں آتے تھے۔ جغرافیہ
الٰہیات، قانون، فلسفہ، طب، نباتات اور طبیعیات غرض ہر شاخ کی تعلیم یہاں ہوتی تھی۔ شہر
کی آبادی پانچ لاکھ تھی۔ ایک لاکھ بیس ہزار عالیشان مکانات اور ہزاروں مسجدیں، مدرسے، حمام اور
دیگر عمارتیں تھیں اور اتنے ہی مضافات تھے۔ یہ سب اتنے تھے کہ سوائے بغداد کے کسی سے
اہل قرطبہ فخریہ اپنا مقابلہ کرتے تھے۔ اور کہیں نہ پائے جاتے تھے۔ ارزانی اشیاء اس درجہ بڑھی
ہوئی تھی کہ لذیذ سے لذیذ پھل اور کھانے برائے نام قیمت پر مل سکتے تھے۔ ہر شخص کے لباس
میں صفائی اور بانکپن ہوتا تھا۔ ہر شخص کے پاس سواری کے لیے خچر تھے۔ کوئی شخص پیدل
نہ چلتا تھا۔ کوئی شخص بھیک مانگتا نظر نہ آتا تھا۔

ناصر نے جامع مسجد کے پہلے مینار کی جگہ جو زلزلے سے گر گیا تھا ایک نہایت شاندار مینار
کا اضافہ کیا لیکن قرطبہ سے چار میل کے فاصلہ پر شمال مشرق میں اس نے جو شہر تعمیر کیا تھا، وہ
بھی کچھ کم تعریف کے قابل نہ تھا۔ اس شہر کو عدیم المثال بنانے میں اس نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اس نے
ہر اس شخص کو جو اس میں آباد ہوتا تھا، چار سو درہم دینے کا حکم دیا تھا۔ اس طرح صدہا آدمی یہاں
آکر مکان بنوانے لگے۔ اس میں جو وسیع قصر شاہی تعمیر کیا گیا اس میں مشرق و مغرب کے عجائبات
موجود تھے۔ اس کی وسعت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس میں چھ ہزار مستورات رہتی تھیں
قصر کے صدر دروازے پر خلیفہ کی محبوب ملکہ زہرہ کا حسین مجسمہ نصب تھا جس کی فرمائش پر یہ
شہر تعمیر کیا گیا تھا۔ اور اسی کے نام سے موسوم کیا گیا مدینۃ الزہرا کی تعمیر کے بعد خلیفہ یہیں کاروبار
سلطنت انجام دینے لگا کہتے ہیں کہ اس شہر کی تعمیر میں خلیفہ اس درجہ منہمک ہوا کہ متواتر
تین جمعہ کی نمازیں قضا ہو گئیں جس پر قاضی منذر بن سعید نے سخت تنبیہ کی۔ خلیفہ خاموش
سنا کیا۔ وہ سخت شرمندہ ہوا لیکن قاضی صاحب کے جانے کے بعد اس نے اپنے ولی عہد الحکم سے
شکایت کی کہ قاضی صاحب نے سب کے سامنے میری ذات پر حملہ کرنے میں سیاست ملکی کا بھی
خیال نہ کیا۔ اب میں نے قسم کھائی ہے کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھوں گا چنانچہ وہ مدینۃ الزہرا کی
شاہی مسجد میں نماز پڑھنے لگا۔ بعد چندے الحکم نے امیر المومنین سے عرض کیا۔ کہ اگر آپ قاضی صاحب

سے ناراض ہیں تو ان کو معزول کر دینے میں آپ کو کون سا امر مانع ہے۔ یہ سن کر خلیفہ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ اور جھڑک کر جواب دیا کہ یہ ہو سکتا ہے کہ تم کو علاحدہ سے معزول کر دوں لیکن اپنے نفس کی خاطر منذر بن سعید جیسے صاحب علم و فضل کو معزول نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا اور قاضی صاحب کے پیچھے بدستور نماز پڑھنے لگا۔ یہ تھا سلوک علماء کا بادشاہوں کے ساتھ اور بادشاہوں کا علماء کے ساتھ۔ قرطبہ کی شہرت کے غلغلہ سے ایک عالم گونج رہا تھا جرمن راہبہ ہیروس ویتھا جو دسویں صدی عیسوی میں اپنی تصنیف کردہ نظموں اور قصوں کی وجہ سے شہرۂ آفاق تھی۔ خلیفہ اعظم کے دارالخلافہ کو دیکھنے کی خاطر اندلس آئی۔ وہ کہتی ہے کہ بلاشبہ قرطبہ دنیا کا ایک گوہر آبدار ہے۔

خلیفہ کی سطوت فی الحقیقت بڑی عظیم الشان ہو گی۔ اس نے جو خاذار بحری بیڑہ تیار کیا۔ وہ بقول حتی "دنیا بھر میں اپنا نظیر نہ رکھتا تھا"۔ اس کی وجہ سے بحیرۂ روم میں فاطمیوں کے مقابلہ پر ناصری عمل دخل ہو گیا۔ اور سبتہ پر قبضہ کرنے سے تمام مغرب الاقصیٰ کی حکومت کی کنجی اس کے ہاتھ لگ گئی۔ اس کی باقاعدہ فوج کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی۔ اور بے قاعدہ فوج کا شمار نہیں کیا جا سکتا یہ اعلیٰ تربیت یافتہ فوج اس زمانے کے بہترین آلاتِ حرب سے مسلح تھی۔ اس کی محافظتی فوج کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ جن میں آٹھ ہزار سوار تھے یہ چیدہ فوج اپنی شجاعت، نظم و ضبط اور قیمتی آلات حرب کی وجہ سے شہرۂ آفاق تھی۔ ان کی وردیاں بہترین ریشم کی ہوتی تھیں۔ ان کے گھوڑوں کے ساز و یراق شان و شوکت میں بے نظیر تھے۔ ان کی تلواروں کے دستوں میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اور ان کی پیٹیاں اور کمر بند خالص سونے کے ہوتے تھے۔ خلیفہ کی فوجی طاقت سے تمام مسیحی دنیا کانپ اٹھتی تھی۔ نہ صرف عیسائی سلاطین لیون۔ نبرہ و قشتالہ وغیرہ قرطبہ آ کر امیر المومنین کے ہاتھ چومتے تھے ان کے رضا جو ہوتے تھے۔ اور ان سے مدد کے خواستگار ہوتے تھے۔ بلکہ اس زمانے کے مغرور سے مغرور بادشاہ بھی ان کے ساتھ مراسم دوستی رکھنے کے آرزومند رہتے تھے۔ اس غرض سے اٹلی، فرانس، جرمنی و قسطنطنیہ کے بادشاہوں نے تحائف کے ساتھ ان کے پاس سفارتیں بھیجیں۔

غرض اس زمانے میں کسی ملک کا کوئی ایسا خطہ نہ تھا جہاں پر خلیفہ ناصر کی سطوت د

جبروت اپنی مہیب و خوفناک شکل دکھا رہی ہو۔ اس کی عقل و دانش اور دولت و عظمت کا شہرہ
تمام براعظم یورپ اور افریقہ میں عام ہو رہا تھا۔ فاضل مورخ ڈلمورزی اس عظیم المرتبت کے عہد
حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے پر جوش الفاظ میں لکھتا ہے کہ "اس فرنگی حکومت کی عظمت میں کس کو
کلام ہو سکتا ہے لیکن اس عہد کی تاریخ پڑھنے والے کو جو چیز سب سے زیادہ متعجب و حیرت کن معلوم
ہوتی ہے وہ عمارت نہیں عدالت کا معیار ہے۔ کس بلا کا مجموعہ ہونا چاہئے ہوگا جو چھوٹی سے چھوٹی
چیزوں سے لے کر اعلیٰ سے اعلیٰ منصوبوں کو سوچنے اور اطلاق کرنے پر قادر تھا۔ اس شخص نے اپنی عقل
و ذہانت سے قوم کے افراد کو متحد کیا۔ وسائل دولت و ثروت کو مجتمع کیا اور مختلف سلطنتوں
سے اتحاد پیدا کر کے توازنِ قوت قائم کر دیا۔ مذہبی رواداری سے کام لے کر اپنی سیاسی مجلسوں
میں غیر مذہب کے لوگوں کو شریک کیا۔ ایسا شخص عہد وسطیٰ کا خلیفہ نہیں بلکہ زمانہ موجودہ
کا ایک عاقل و دانش مند بادشاہ معلوم ہوتا تھا"۔ اس کے مقابلہ میں عرب مصنفین کے تمام جائزے
پھیکے اور بے کیف نظر آئیں گے۔

الحکم ثانی ۔ المستنصر باللہ

۳۵۰ھ تا ۳۶۵ھ

۹۶۱ء تا ۹۷۶ء

تخت نشینی

خلیفہ ناصر کی وفات کے دوسرے روز ان کے بیٹے الحکم کی رسم تخت نشینی جس تزک و
احتشام سے عمل میں آئی، خلافت مغرب کے قیام سے لے کر اب تک نہیں دیکھی گئی تھی
ایک مؤرخ نے اس کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے: "اعلیٰ درجے کے عہدیداران بد
نہایت فاخرہ لباس پہنے ہوئے نئے خلیفہ سے بیعت کے لیے حاضر ہوئے۔ جب اراکین خا
شاہی، عہدہ داران بالادست، وزراء سلطنت، قاضی اور عرض بیگیوں نے بیعت کر لی
انہوں نے دکا نا قصر شاہی کے خدمت گاروں وغیرہ سے بیعت لی۔ جو جاہ و حشم اس موقع
ظاہر کیا گیا تھا۔ وہ واقعی ایک نہایت قوی، نہایت دولت مند نہایت پر تکلف سلطنت بدر
کے شایان شان تھا۔ رسم تخت نشینی قصر زہرا کے صدر کمرے میں ادا ہوئی۔ اور اس کی
زیبائش کا سامان دھوپ میں ایسا چمکتا تھا کہ آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ وزراء سلطنت اپ
اپنے قلمدان لیے اپنے اپنے عہدے کا لباس پہنے ہوئے امراء دولت و اراکین خاندان شاہی کے
پیچھے جو دونوں طرف سے تخت خلافت کو گھیرے ہوئے تھے، کھڑے تھے۔ ان کے پیچھے غلام گر
میں بلکہ خالی کمروں میں بھی ملک محروسہ کے دیوانی و فوجداری کے حکام، فوج کے سپہ سالا
صوبہ جات کے گورنر اور دارالخلافہ اور بڑے بڑے صوبوں کے عہدیداران بالادست امیر الم
کے حضور میں اپنی نذر پیش کرنے اور کورنش بجا لانے کے لیے حاضر تھے ہزاروں کی تعداد میں خواج
موجود تھے ان کی قطاریں بلحاظ ان کی ترتیب، درجہ اور ان خدمات کے جن پر وہ مقرر تھے لگا
تھیں۔ ان میں سب سے زیادہ آدمی سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے جن کے حاشیوں پر سنہرا کام

بزنطیہ میں عاتی لباس کا رنگ سفید تھا۔ حرم سرائے سلطانی کے خدمت گار اس کمرے میں کھڑے
ڑے تھے۔ جن میں سے ہر کو دربار عام کا آراستہ جامہ تھا۔ یہ گورے بھی تھے اور کالے بھی۔

ب کے چمکدار ہتھیار لگے ہوئے تھے جن پر سونے چاندی کا کام تھا۔ اور جن کے دستے
جواہرات سے رنگ رہے تھے۔ سنگ مرمر کے اس زینے پر جو سراپردہ سلطانی کے نیچے تھا[1] صقلبی
راد کھڑے ہوئے تھے ان کے ہتھیار قیمتی اور کاری ہونے میں ان لوگوں سے کم نہ تھے جو
ی قطاروں کے سپاہیوں اور خدمت گاروں کے پاس تھے۔ ان کے بعد شہر کے پھاٹک تک
ی تیرانداز۔ غلام اور مختلف دستہائے فوج اس طرح ساکت اور بے حرکت کھڑے تھے
بت ہیں زندہ آدمی نہیں ہیں۔ جب یہ پرجلال رسم تخت نشینی ادا ہو چکی تو ناصر لدین اللہ
کر دیا گیا۔"

عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد الحکم نے اپنے والد کے تمام وزراء کو بحال رکھا اور
ر افتادہ صوبوں کے والیوں سے بیعت لینے کی غرض سے سفراء بھیجے اور ملک محروسہ
ام افواج کا معائنہ کیا۔ اور جعفر المصحفی صقلبی کو اپنا حاجب مقرر کیا۔ مراسم خلافت کی پابندی
جو بیش بہا تحائف جعفر المصحفی نے خلیفہ کی خدمت میں پیش کئے۔ ان میں قیمتی لباس پہنے
ئے سو فرانسیسی سواروں کا رسالہ۔ تین سو مختلف اقسام کی زرہ بکتر، تین سو فولادی خود
س خود اعلیٰ درجہ کی لکڑی کے۔ تین سو فرانسیسی تلواریں، ایک سو سلطانی ڈھالیں، دس
بکتر خالص چاندی کے جن پر طلائی کام کیا ہوا تھا اور ۲۵ طلائی سنگینیں شامل تھیں[1]۔ جعفر
حفی ایک اعلیٰ درجہ کی انتظامی قابلیت کا حامل تھا۔ اس نے بہت جلد اپنی حسن قابلیت سے سلطنت
خزانے کو بھر دیا۔

سائیوں کی سرکشی
دران کی سرکوبی

ناصر کے آخر زمانہ حکومت میں سلطنت کے اکثر امور الحکم ہی کے ہاتھوں انجام پذیر ہوتے تھے۔ چنانچہ اس کی عقل و دانش انتظامی قابلیت اور دیانت علمی کی شہرت دور دور تک پھیل گئی

---

[1] ابن خلدون ۲/۲۶۳

تھی، لیکن فی الحقیقت اس کا طبعی میدان خاموشی کے ساتھ اس درخشاں شعبۂ علمی کی طرف مائل تھا جس کو ادب کہتے ہیں۔ شمال کے عیسائی حکمرانوں کا دستور تھا کہ وہ ہر نئے خلیفہ کے جلوس کے آغاز میں دولت قرطبہ سے سرکشی اختیار کر کے اسلامی سرحدوں پر تاخت و تاراج شروع کر دیتے تھے انہوں نے اپنے ذہنوں میں یہ خیالِ خام پکایا کہ ناصر تو اب مر چکا ہے اور اس کا بیٹا محض ایک کتابی کیڑا ہے نوبت اگر جنگ تک پہنچی تو اس کو اپنے باپ کی طرح کامیابی حاصل نہ ہو سکے گی۔ چنانچہ جشنِ خلافت کی گرمجوشیاں ابھی سرد نہ ہوئی تھیں کہ عیسائی سلاطین و امراء باغی ہو گئے۔ اہل جلیقیہ نے سابقہ معاہدہ کے برخلاف سرحدوں پر نئے قلعوں کی تعمیر شروع کیا اور قشتالہ کے حکمران گانسز دلیز کے لشکر کے ساتھ مل کر اسلامی سرحدی شہروں پر حملہ کر کے مسلمانوں کو ایذائیں پہنچائے[1] لیکن بہت جلد الحکم نے عیسائیوں کی غلط فہمی دور کر دی اور ان کو دکھلا دیا کہ وہ ناصر کا بیٹا ہے اور کتابی کیڑے کے ساتھ ساتھ وہ ایک شمشیر زن سپاہی بھی ہے اور معاہدوں کی پابندی کرانے میں اپنے نامور والد ہی کی طرح قدرت و طاقت رکھتا ہے۔ چنانچہ وہ خود ایک لشکر عظیم کے ساتھ جلیقیہ کی طرف روانہ ہوا اور قشتالہ کی ریاست میں داخل ہو کر قلعہ شنت اشتیبان غرماج کو فتح کر کے مسمار و منہدم کر دیا اور ریاست کے ایک وسیع علاقے کو پامال کر دیا۔ ہزاروں عیسائی قتل و اسیری کی مصیبتوں میں گرفتار ہوئے۔ بعد ازاں وہ گانسز دلیز سے دوبارہ اقرار اطاعت لے کر قرطبہ واپس آ گیا[1] اور مدینہ سالم کے حکمران امیر غالب کو حکم دیتا آیا کہ وہ عیسائیوں کی خبر لیتا رہے غالب اس زمانہ کا سپہ سالار تھا۔ کہ جس کا نام سے سرحد کانپ اٹھتی تھی۔ وہ فوجیں آراستہ کر کے جلیقیہ کے علاقے داخل ہو گیا اہل جلیقیہ بھی اس کے مقابلے پر آ گئے۔ ایک وادی میں دونوں حریف ایک دوسرے سے گتھ گئے اور سخت خونریز جنگ ہوئی بالآخر افواج اسلامیہ نے عیسائیوں کو ہزیمت دی اور ان کی لشکرگاہ کو لوٹ کر مظفر و منصور مال غنیمت لئے ہوئے مراجعت کی[2]

---

[1] ابن عذاری $\frac{2}{250}$ [2] ابن خلدون $\frac{10}{265}$

نارمنوں کی یورش

اس واقعہ کے کچھ عرصہ بعد نارمن بحری قزاق اٹھائیس جہازوں میں اندلس کے مغربی ساحل پر نمودار ہوئے۔ اور شہر اشبونہ پہ اتر کر اس کے نواحی علاقوں کو تباہ و برباد کرنے لگے اس خبر کے مسموع ہوتے ہی الحکم ایک فوج کثیر کے ساتھ قرطبہ سے روانہ ہوا۔ لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی اشبونہ اور دیگر شہروں کے لوگوں نے مل کر ایسا سخت مقابلہ کیا۔ کہ قزاقوں کو ہزیمت ہوئی۔ اور وہ اپنی متعدد لاشیں چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ الحکم نے یہاں پہنچ کر امیر البحر عبدالرحمٰن بن رماحس کو ایک جنگی بیڑے کے ساتھ نارمنوں کے تعاقب میں روانہ کیا لیکن مقابلہ کی نوبت نہ آئی۔ کیوں کہ نارمنوں نے جہاں بھی اترنے کی کوشش کی وہاں کے لوگوں نے انہیں مار بھگایا۔ اس کے بعد الحکم نے متاثرہ علاقوں کا دورہ کر کے وہاں کے باشندوں کے نقصانات کی تلافی کی اور مزید دفاعی اقدامات کی غرض سے اس نے جا بجا ساحل پر قلعہ و بروج تعمیر کر کے ان میں محافظ فوجیں مقرر کیں اس کے بعد اس نے قرطبہ کی جانب مراجعت کی[1]

اردونو قرطبہ میں

ہم اس سے قبل ذکر کر آئے ہیں۔ کہ خلیفہ ناصر کی اعانت سے سبنکو لیون و جلیقیہ کے تخت پر متمکن ہو گیا تھا اور اس کا چچیرا بھائی اردونو چہارم جو سبنکو کا حریف سلطنت تھا۔ معزول ہو کر اپنے خسر گونز ولیز کے پاس قشتالہ چلا گیا تھا۔ تاکہ اس کی مدد سے دوبارہ حصول تخت کی سعی کرے۔ گونز ولیز میں بھلا اتنی تاب و طاقت کہاں تھی کہ وہ ناصر کا مقابلہ کرتا اور اپنے داماد کو تخت پر بٹھاتا۔ اس وقت اردونو چہارم کو خیال پیدا ہوا کہ مبادا الحکم بھی اپنے باپ کی طرح سبنکو کا حامی و سرپرست نہ بن جائے اس خیال کے پیدا ہوتے ہی وہ اپنے بیس سرداروں کے ساتھ الحکم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بکمال عاجزی خلیفہ سے درخواست کی کہ سبنکو کے مقابلے میں اس کے حقوق کو مرجح سمجھا جائے اور تخت پر بحال و قائم رکھنے میں اس کی مدد کی جائے۔ مقری نے اس سفارت کا تفصیلی حال اس طرح بیان کیا ہے کہ ابن غالب گورنر مدینہ سالم اردونو کو مع اس کی جماعت کے اپنے ہمراہ لئے ہوئے

---

[1] ابن عذاری ۲/ ۲۵۶-۷۰ و ابن خلدون ۱۰/ ۲۶۶

زہرا کی جانب روانہ ہوا۔ جب اردونو قرطبہ کے قریب پہنچا تو الحکم نے امیر ہشام بن المصحفی کو ایک باضابطہ فوج کے ساتھ اس کے استقبال کا حکم دیا۔ امرا و فوج کی شان و شوکت۔ فوج کی کثرت اور اس کے اعلیٰ نظم و ضبط اور آراستگی کو دیکھ کر اردونو اور اس کے ہمراہیوں کے حواس جاتے رہے وہ اس تمام فوجی شان و تجمل کو بنظر حیرت دیکھتے تھے۔ اردونو کی یہ کیفیت تھی کہ وہ خوف و ہراس سے ہر امیر کے سامنے گھوڑے سے اتر کر اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا تھا۔ جب وہ اپنے مصاحبوں کے ساتھ شہر پناہ کے اندر داخل ہو کر قصر الزہرا کے باب الجنان کے پاس پہنچا تو اس نے ایک امیر سے دریافت کیا کہ خلیفہ الناصر لدین اللہ کا مزار کہاں ہے؟ اشارہ سے بتلایا گیا کہ قصر خلافت کے اسی حصے میں مدفون ہیں یہ سنتے ہی اردونو نے سر سے ٹوپی اتار لی اور قبر پر تھوڑی دیر جھک کر دعا کرتا رہا بعد ازاں وہ دار النورہ کی طرف روانہ ہوا جس کو الحکم نے اس کی رہائش کے لئے مخصوص کیا تھا اور اس کو قیمتی ریشمی قالین اور غالیچوں اور بہترین فرنیچر سے مکلف کیا تھا۔

عظیم الشان دربار کا انعقاد

الحکم نے عیسائیوں کے دلوں پر سلطنت اسلامیہ کی شان و شوکت و عظمت کا سکہ بٹھانے کے لئے قصر الزہرا کے مجلس شرقی میں ایک ایسا عالیشان دربار منعقد کیا کہ جس کی ہیبت و جلال سے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے پورا ایوان شرقی مثل دولہن کے آراستہ کیا گیا۔ فرش پر قالین و غالیچہ بچھے ہوئے تھے اور در و دیوار مختلف رنگوں کے نہایت بیش قیمت ریشمی پردے لٹک رہے تھے۔ جن میں نہایت خوشنما طلائی نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ فرنیچر آبنوس۔ صندل اور دیگر اعلیٰ قسم کی لکڑیوں کا تھا۔ اور ان پر ہاتھی دانت، گھونگھے کی کھپریوں اور قیمتی جواہرات کا دیدہ زیب کام کیا ہوا تھا۔ دیگر آرائشی ساز و سامان خالص سونے۔ چاندی۔ بلور اور ہاتھی دانت کا تھا۔ ایوان کے وسط میں الحکم ایک طلائی تخت پر رونق افروز تھا اور سر پر ایک چتر زرنگار سایہ فگن تھا۔ تخت شاہی اور چتر کے بے بہا جواہرات کی چمک دمک نگاہوں کو خیرہ کیے دیتی تھی خلیفہ کے دائیں بائیں شہزادگان والا تبار۔ علماء۔ فقہا۔ امراء۔ وزراء اور ان کے بیٹے لباس فاخرہ پہنے اعلیٰ قدر مراتب اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے تھے۔ ان میں قاضی منذر بن سعید کو نمایاں مقام حاصل تھا۔ محافظین تن کا رسالہ اور فوج دورویہ صف بستہ کھڑی تھی۔ اس پرشکوہ دربار میں خلافت مآب نے ماہ صفر بروز سنیچر

سنہ ۳۵۱ھ / ۹۶۲ء اردونو کو شرف باریابی عطا کیا گیا۔ محمد بن قاسم بن طیس اردونو کو لئے ہوئے قصر زہرا میں داخل ہوا۔ اندلس کے عیسائی رؤسا کا ایک گروہ بھی اس کے ساتھ تھا۔ انہی رؤسا میں قرطبہ کے عیسائیوں کا قاضی ولید بن خیزون اور طلیطلہ کا مطران عبداللہ بن قاسم بھی تھے۔ اردونو دونوں صفوں کے درمیان ہو کر گذرا۔ صفوں کی ترتیب، زرق برق وردیاں، ہتھیاروں کی چمک دمک اور کثرت فوج سے ایسا متحیر ہو گیا کہ آنکھیں اوپر نہ اٹھتی تھیں۔ اور گھبراہٹ میں بار بار اشارے سے صلیب کا نشان اپنے سینے پر بناتا۔ رفتہ رفتہ باب الاقباء تک پہنچے جو قصر الزہرا کا پہلا دروازہ تھا۔ جہاں امرا اور امرائے اردونو کو لانے گئے تھے۔ سواریوں سے اتر پڑے۔ بادشاہ اردونو اور اس کے خاص خاص سردار سواری ہی پر رہے۔ تا آنکہ باب السدہ پر پہنچے جہاں شاہی ملازمین نے اردونو کے سرداروں کو پیادہ پا چلنے کا اشارہ کیا۔ صرف اردونو محمد بن طیس کے ہمراہ سوار رہا۔ آخر قصر میں پہنچ کر دارالجند کے پاس یہ بھی اتر پڑا۔ یہاں ایوان کے وسط میں ایک سنگی چبوترہ تھا جس پر ایک نقرئی کرسی رکھی ہوئی تھی۔ اردونو اس کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے ہمراہی بھی اس کے گرد و پیش بیٹھ گئے۔ یہ وہی مقام تھا جہاں پر اس سے پہلے اس کا رقیب سلطنت سینکو جبکہ وہ بطور وفد خلیفہ ناصر کے دربار میں حاضر ہوا تھا بٹھایا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد خلافت مآب کے دربار سے اردونو کو حاضری کا حکم ملا اردونو بہ ادب تمام خاص دربار کے کمرے کی طرف چلا اس کے پیچھے پیچھے اس کے کل ہمراہی آہستہ آہستہ چلے۔ جب وہ مجلس شرقی تک پہنچا جہاں خلافت مآب متمکن تھے تو اس نے ٹوپی اتار لی اور اسی طرح دو صفوں کے درمیان میں سے جو وہاں مرتب تھیں آگے بڑھا اور بلا تامل سجدہ میں گر پڑا پھر سر اٹھایا اور چند قدم چل کے پھر سجدہ کیا۔ مکرر سہ کرر سجدے کرتا ہوا سریر خلافت کے قریب پہنچا۔ خلافت مآب نے ہاتھ بڑھایا۔ اردونو دست بوسی کر کے الٹے پاؤں لوٹ کر اس مسند پر آیا جو تخت شاہی سے دس گز کے فاصلے پر بچھی ہوئی تھی۔ یہ مسند دیباج کی تھی اور سنہرے کام سے مزین تھی۔

اردونو خلافت مآب کے اشارے سے اس پر بیٹھ گیا۔ بعد ازاں اس کے اور ہمراہیوں نے اسی طرح خلافت مآب کی دست بوسی کی اور الٹے پیروں لوٹ کر اردونو کے پیچھے آکر دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ اردونو کی کی نظروں سے اس شان و دبدبہ کی محفل کبھی نہ گذری تھی۔ شاہی رعب و داب سے اس کے حواس مختل ہو رہے تھے۔ اس کے بعد ولید بن خیزون آیا اور اس نے اردونو اور خلیفہ کے درمیان میں ترجمان کا

کلام کیا۔ خلیفہ الحکم تھوڑی دیر تک خاموش رہے تاکہ اردونو پر جو اثر ان کے سامنے بیٹھنے سے ہوا تھا وہ زائل ہو جائے اور اس پر سے رعب اتر جائے۔ جب خلیفہ نے یہ دیکھ لیا کہ اس کو ایک قسم کی تسکین ہو گئی ہے تو انہوں نے کلام کا افتتاح کیا اور کہا۔ "تمہارا ہمارے حضور میں آنا باعث کامیابی ہوا اور تمہاری امیدیں بر آئیں تم دیکھو گے کہ ہم تمہارے اچھے مشیر ہیں اور جتنا تم مانگو گے اس سے زیادہ پاؤ گے۔" اردونو کا چہرہ ان فقروں کے سننے سے فرط مسرت سے چمکنے لگا جوش میں آ کے فرش کو چوم لیا جو تخت شاہی کے نیچے بچھا ہوا تھا اور عجز و الحاح سے عرض پرداز ہوا "میں امیر المومنین کا غلام ہوں اور امیر المومنین کے فضل و احسانات سے امید رکھتا ہوں کہ جہاں پر اور جس خدمت پر امیر المومنین اپنے احسانات و افضال سے اس بندۂ درگاہ کو مامور کریں گے نہایت سچائی اور ارادتمندی سے اس کو انجام دے گا۔" خلیفہ الحکم نے جواب دیا "تم ہمارے خیال کے نزدیک اس مرتبہ و عزت کے لائق ہو جس پر ہماری عنایات مبذول ہو سکتی ہیں عنقریب ہمارے احسانات اور افضال تم پر اس قدر ہوں گے کہ تمہارے اہل ملت اور اہل خاندان تم پر رشک کریں گے اور تم دیکھ لو گے کہ ہمارے ظلِ عاطفت میں آجانے سے کس قدر آرام اور آسائش پاؤ گے۔" اردونو یہ سن کر فرط مسرت سے سجدے میں گر پڑا اور تھوڑی دیر سربسجود رہنے کے بعد گزارش کی کہ "سینکو خلیفہ سابق کی خدمت میں فریادی بن کر حاضر ہوا تھا اس کی بڑی عزت افزائی ہوئی تھی۔ وہ حقیقت میں بمجبوری حاضر ہوا تھا، اس کو اس کی رعیت نے بوجہ ظلم و تعدی معزول کر دیا تھا اور بجائے اس کے مجھے سرداری کے لئے منتخب کیا تھا۔ حالاں کہ میں نے اس کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ چنانچہ میں نے اس کو سریر حکومت سے اتار دیا اور وہ بحال پریشاں مرحوم خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مرحوم خلیفہ نے اس کی عزت و توقیر کی اور اس کی خواہش کے مطابق اس کی مدد کی۔ مگر اس نے اپنے منصبی فرائض نہ ادا کئے اور نہ احسانات شاہی کا شکریہ ادا کیا اور نہ ان حقوق کی نگہداشت کی جو اس پر مرحوم خلیفہ اور بعدہٗ امیر المومنین کے تھے۔ یہ ارادتمند بلا کسی ضرورت اور حاجت کے در دولت کی آستانہ بوسی کو حاضر ہوا ہے۔ محض شاہی عنایت کا امیدوار اور خلافت پناہی کے لطف و کرم کا خواستگار ہے۔ اس وقت تک میری جانب سے میری رعایا کے

لات اچھے ہیں اور وہ بدل و جان میری حکومت کے خواہاں ہیں۔" الحکم نے یہ سن کر جواب دیا کہ
ہمارا مطلب سمجھ گئے۔ تم کو چند روز میں ہماری عنایات شاہانہ اپنی خصوصیت کے ساتھ معلوم
ہوں گی اور ہمارا احسان تم کو اس سے زیادہ معلوم ہوگا جتنا کہ ہمارے والد ماجد کا تمہارے
ت پر تھا۔ اگرچہ اس کو تم پر پہلے حاضر ہونے کی فضیلت حاصل ہے لیکن اس کے یہ معنیٰ نہیں
کہ تم ہمارے احسانات میں پیچھے رہ جاؤ۔ یا جو انعامات ہماری طرف سے تم کو پہنچنے والے ہیں۔ ان
میں کمی آ جائے۔ ہم تم کو تمہارے شہر کی طرف کامیابی سے واپس کریں گے اور تمہارا ملک جس
کے پہلے حکمراں تھے تم کو واپس دیں گے۔ جو لوگ تمہاری مخالفت کریں گے ہم ان کو اس مخالفت کا
مزہ چکھائیں گے۔ اور اس معاملے میں تم کو ایک تحریر عطا کریں گے جو تمہارے پاس رہے گی اور اس کی
رو سے تمہارے اور تمہارے چچیرے بھائی کے درمیان میں حد فاصل قرار دیں گے اور جتنا تمہارا
ملک اس کے تصرف میں ہے وہ بھی دلا دیں گے اور ان کے علاوہ ہمارے احسانات تم پر اور ظاہر
ہوں گے ہم جو کچھ کہتے ہیں اس پر خدا تعالیٰ کو گواہ کرتے ہیں۔"

جب ترجمان نے اس تقریر کا مطلب اردو نو کو سمجھایا تو اس پر شادی مرگ کی سی
کیفیت طاری ہو گئی۔ اس نے پھر نہایت ادب سے زمین کو بوسہ دیا اور دست بستہ اسی جگہ کھڑا
رہا۔ خلیفہ نے دربار کے برخاست ہونے کا اشارہ کیا۔ اردو نو خلیفہ کی طرف اپنی پشت نہ کر کے الٹے
پیروں واپس ہوا۔ دو خواجہ سرا اردو نو کے دونوں بازو پکڑ کر مجلس غربی کے صحن میں لائے۔ اب
اس کے ہوش و حواس درست ہو گئے تھے۔ اس نے آنکھیں اٹھا کر پھر مجلس شرقی کی طرف
دیکھا۔ تو تخت شاہی کو خالی پایا۔ اس نے پھر شاہی تخت کی طرف سجدہ کیا اور تھوڑی دیر تک
اسی طرح زمین بوس رہا جیسے کہ خود خلیفہ تخت پر جلوہ افروز ہے بعد ازاں وہی دونوں خواجہ سرا
اس کو اس کمرے میں لائے جو مجلس غربی سے ملا ہوا تھا۔ اور اس کو ایک مخملی گدے پر جس پر طلائی
کام بنا ہوا تھا بٹھایا اتنے میں حاجب جعفر آ پہنچا۔ اردو نو اس کو دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور
عجز و الحاح دست بوسی کو بڑھا جعفر نے اس کو دست بوسی سے روک دیا۔ اور معانقہ کیا اور
اس کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگا اور اس کو خلافت مآب کے ایفاء وعدہ کا اچھی طرح یقین دلایا
جس سے اردو نو کی مسرت اور خوشی دو چند ہو گئی۔ بعد ازاں اس نے اردو نو کو شاہی خلعت

عطا کی جس میں ایک طلائی زرہ اور جواہرات سے مرصع ایک ٹوپی تھی جس کے یاقوتوں کی چمک
دمک سے آنکھیں چوندھیائی جاتی تھیں۔ اردونو اس خلعت کو دیکھ کر پھر سجدے میں گر گیا
اور بہت دعائیں دیں۔ اردونو کے علاوہ حاجب جعفر نے اس کے تمام ہمراہیوں کو بھی ا
کے درجوں کے مطابق شاہی خلعتیں عطا کیں۔ جب سب کچھ ہو چکا تو سب نے سجدہ کیا او
شکر گذار ہوئے۔ غرض امیر المومنین نے اردونو کی درخواست ان شرائط پر منظور کر لی کہ وہ
قرطبہ کا مطیع رہے گا۔ اپنے بیٹے کو بطور یرغمال قرطبہ میں رکھے گا۔ اور گانزولیز سے قطع تعلق
کر لے گا۔ اس دربار کی یاد مدتوں اہل اندلس کے دلوں کو گرماتی رہے ۔ اس کامیا
کے بعد اردونو اپنے ملک کو واپس چلا گیا۔

سینکو کی سفارت

سینکو نے جب یہ کیفیت دیکھی تو اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی او
کو اپنا تخت و تاج متزلزل نظر آنے لگا۔ اسی نے خیریت اسی میں دیکھی کہ
کو خلیفۃ الحکم کے حلقۂ اطاعت میں لے آئے چنانچہ اس نے بعجلت
عیسائی رؤسا اور پادریوں کی ایک جماعت قرطبہ بھیج کر خلیفہ سے عفو تقصیرات چاہی م
معاہدہ کی تکمیل کا وعدہ کیا اور درخواست کی کہ امیر المومنین بھی ان کو اسی طرح اپنے سا
عاطفت میں لئے رہیں۔ جیسا کہ ان کے نامور والد کا دستور تھا۔ سینکو نے اس وفد کے
بھیجنے کے ساتھ ساتھ ان قلعوں کے مسمار کر دینے کا بھی حکم دے دیا جو عیسائیوں نے
کی سرحد پر بنائے تھے۔ غرض الحکم نے سینکو کی درخواست کو قبولیت کا درجہ دیا لیکن
واقعے کے چند ماہ بعد اردونو کے اچانک فوت ہو جانے سے سینکو برشلونہ اور نبرہ کے
حکمرانوں کے بل بوتے پر پھر باغی ہو گیا۔ ادھر گانزولیز حاکم قشتالہ نے بھی سرحد پر چھیڑ چھ
شروع کر دی۔ اہل قشتالہ کی تقلید میں قلوریہ اور نبرہ کی سپاہ نے بھی بلاد اسلامیہ کی جا
پیش قدمی شروع کر دی۔

عیسائیوں پر فوج کشی

اب الحکم مجبور ہو گیا کہ عیسائیوں کے خلاف اعلان جنگ کر د
اور لڑائی سے اس وقت تک ہاتھ نہ کھینچے جب تک کہ دشمن
بجز پناہ مانگنے کے اور کوئی چارہ نہ رہ جائے چنانچہ اس

حملے عساکرِ اسلامیہ نے عیسائی علاقہ جات میں گھس کر ایک آفت برپا کردی۔ یحییٰ بن تجیبی حاکم سرقسطہ نے جو ایک لشکر عظیم کے ساتھ سینکو کی گوشمالی پر مقرر کیا گیا تھا، دارالحرب میں داخل ہو کر نبرہ اور جلیقیہ کی متحدہ سپاہ کو ایک گھمسان لڑائی کے بعد فاش شکست دے کر ان کے خیمے و خرگاہ کو لوٹ لیا اور ہزاروں عیسائیوں کو قتل و گرفتار کیا۔ بقیۃ السیف نے بھاگ کر قوریہ میں پناہ لی۔ یحییٰ نے جی کھول کر سینکو کے ملک کو تاراج کیا اور بہت سا مال غنیمت لے کے مراجعت کی[۱]۔ انہی دنوں امیر غالب اور ہذیل بن ہاشم بغرض جبار عیسائی مقبوضات پر گئے اور بہت سے مال غنیمت کے ساتھ مظفر و منصور واپس آئے۔ اس مہم میں سب سے نمایاں فتح قلہرہ کی تھی جو غالب کے ہاتھ پر ہوئی۔ الحکم نے اس قلعہ کو از سرِ نو مرمت کرا کے وہاں محافظ فوجیں متعین کردیں تاکہ نبرہ کے عیسائیوں کی مؤثر طریقے سے روک تھام کی جا سکے۔ اس کے بعد قلوبیہ کی فتح تھی جس کا سہرا گورنر دنشقہ کے سر باندھا گیا۔ اس مہم میں بہت سا مال غنیمت از قسم غلہ و آذوقہ، مولیشی، آلات حرب اور لونڈی غلام مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ ۳۵۴ھ / ۹۶۵ء میں امیر غالب نے فوج کثیر کے ساتھ بلاد قشتالہ پر چڑھائی کی۔ اس مہم میں یحییٰ بن تجیبی اور قاسم بن مطرف وغیرہ نامی نامی کارآزمودہ سپہ سالار بھی شریک تھے۔ عساکرِ اسلامیہ نے پہلے قلعہ غرماج پر بزورِ تیغ قبضہ حاصل کیا بعد ازاں حریف کے بلاد میں تاخت و تاراج کرتا ہوا گھس پڑا اور کامیابی کے ساتھ بے قیاس مال غنیمت لئے ہوئے واپس لوٹا۔ اور عیسائیوں کو اپنے بہت سے شہروں اور قلعوں سے ہاتھ دھونا پڑا[۲]۔ ادھر شمال مشرقی اندلس میں احمد بن یعلیٰ گورنر طرطوشہ نے اپنی فوج کے ساتھ قطلونیہ کی طرف کوچ کیا اور اپنے پرزور حملوں سے برشلونہ کے گرد و نواح کو زیر و زبر کر ڈالا۔ اس مہم میں بھی بے حد مال غنیمت فتح مند لشکر کے ہاتھ لگا۔ الحکم خود بھی ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ رئیس برشلونہ کی گوشمالی کی غرض سے قطلونیہ کی طرف روانہ

---

[۱] ابن خلدون ۱۰/۲۶۵ [۲] ابن خلدون ۱۰/۲۶۵

ہوا تھا کہ المیرو پہنچنے پر اس کو احمد ابن یعلیٰ کی طرف سے فتح کی خوشخبری ملی۔ چنانچہ وہ المریہ چلا گیا۔ وہاں جنگی بیڑے کا معائنہ کیا اور اس کی تجدید کا حکم دے کر قرطبہ واپس آ گیا۔[۱] غرض تمام سرحدی ملکوں میں الحکم کی فتوحات کی دھوم مچ گئی اور عیسائیوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا۔ اس زمانے میں شمال سے جو خبر قرطبہ میں موصول ہوتی تھی، وہ فتح کا مژدہ ہوتا تھا۔

قرطبہ میں عیسائی رئیسوں کے وفود۔

غرض عیسائی سلاطین و امراء نے حکومتِ قرطبہ کا جوا اتار پھینکنے کا جو سودا اپنے دماغوں میں پکایا تھا۔ اس سے باز آئے۔ سب نے گردنِ اطاعت جھکا دی اور الحکم کے شاہی اقتدار کو تسلیم کر لیا۔ لیون و جلیقیہ۔ نبرہ۔ قشتالہ اور قطلونیہ کے حکمرانوں نے یکے بعد دیگرے پیش بہا تحائف کے ساتھ اپنے اپنے وفد خلیفہ کی خدمت میں بھیج کر سابقہ عہدناموں کی تجدید کی درخواست کی۔ انہی وفود میں جلیقیہ کے ایک طاقتور رئیس راڈریگو و لاکیز کی ماں بھی تھی جو اپنے بیٹے کی اطاعت و فرمانبرداری کی درخواست کے ساتھ امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئی تھی۔ امیر المومنین نے ان سب کی درخواستیں ان شرائط پر منظور کر لیں کہ وہ مسلمان تاجروں کی ایذا رسانی و مزاحمت سے باز رہیں۔ اسلامی سرحدوں پر جتنے قلعے انہوں نے تعمیر کر لیے ہیں انہیں مسمار کر دیں۔ اگر کوئی عیسائی بادشاہ خلافت مآب سے جنگ کرنے کا قصد کرے تو اس کو حتی الامکان اس ارادے سے باز رکھیں اور اس کو کسی طرح کی امداد و اعانت نہ پہنچائیں۔ خلیفہ نے واپسی کے وقت تمام وفود کو انعام و اکرام سے نوازا۔ اس نے راڈریگو کی ماں کے استقبال میں جو عظیم الشان دربار منعقد کیا تھا وہ بھی مدتوں اندلس میں یادگار رہا۔ خلیفہ نے اس کو زر و جواہرات کے علاوہ سواری کے لیے ایک خچر بھی مرحمت فرمایا جس کی زین و لگام سونے کی تھی اور جھول دیباج کی تھی۔[۲]

---

[۱] ابن الخطیب $\frac{1}{77-79}$ [۲] ابن خلدون $\frac{10}{268}$

...ر تقسیم
...س جنگ

۳۵۸ھ / ۹۶۹ء میں فاطمیہ سالار جوہر صقلی کے ہاتھوں مصر کی تسخیر کے بعد
خلیفہ معز نے شہر قاہرہ کی بنیاد ڈال کر اپنے دارالخلافے کو وہاں
منتقل کر دیا اور افریقیہ کی حکومت پر بلکین نامی ایک طاقت ور بربر
...ں کو بطور اپنے نائب کے مقرر کیا۔ اگرچہ نیل کے کنارے آباد ہو جانے کے بعد اندلس
...اطمیوں کی جانب سے حملہ کا خوف جاتا رہا لیکن بلکین کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے
...ب الاقصیٰ میں اندلسی مقبوضات کو برابر گھن لگتا رہا اور بہت سے بربر ملوک
...ادریسی والیانِ ریاست نے اپنے علاقوں میں خلیفہ اندلس کا سکہ و خطبہ موقوف
...ے دوبارہ خلیفہ مصر کی فرمان کی اطاعت قبول کر لی۔ الحکم ثانی نے شمال کے عیسائیوں
...رصت پانے کے بعد ۳۶۲ھ / ۹۷۲ء میں اپنا بہترین لشکر امیر غالب گورنر مدینہ سالم کی
...حکم کے ساتھ مغرب الاقصیٰ روانہ کیا کہ ملک کی تسخیر کے بغیر واپس نہ آئے۔ غالب نے
...یہ میں قدم رکھتے ہی طنجہ کی دیواروں کے نیچے حسن بن کنون ادریسی کو فاش شکست
...کر شہر پر قبضہ کر لیا۔ ابن کنون اپنے ہزیمت خوردہ لشکر کے ساتھ بھاگ کر
...نسر میں قلعہ بند ہو گیا۔ یہ قلعہ ایک بہت بلند چٹان کی چوٹی پر واقع تھا۔ لیکن غالب
...س کا محاصرہ کر کے ایسی سخت ناکہ بندی کی کہ ابن کنون اپنے بلند آشیانے سے اترنے
...ر ہو گیا۔ غرض ایک برس کے سخت معرکوں کے بعد غالب نے پورے ملک
...حت کو دوبارہ بحال کر دیا۔ اس کے بعد وہ مع ابن کنون سات سو ادریسی شہزادوں
...کے اندلس روانہ ہو گیا اور جس وقت وہ نواح قرطبہ میں پہنچا تو الحکم نے قرطبہ
...کر اس کا ایسا استقبال کیا کہ اس سے پیشتر کسی کی نظر سے نہ گزرا تھا۔ خلیفہ نے
...کشادہ دلی سے اپنے شاہی قیدیوں کی خطاؤں سے درگزر کیا اور ان کو انعامات
...ت ہائے فاخرہ سے سرفراز کیا۔ کچھ عرصہ بعد ابن کنون کو اس شرط پر تیونس میں
...کی اجازت دے دی گئی کہ وہ مغرب الاقصیٰ میں اپنے موروثی حقوق سے باز
...ن وہ تھوڑے ہی عرصہ بعد خلاف معاہدہ بھاگ کر فاطمیوں کے پاس اسکندریہ

چلا گیا[1]۔ الحکم نے مغرب الاقصیٰ کا انتظام یہیں کے دو رئیسوں جعفر اور یحییٰ کے سپرد کر دیا۔ جو علی بن حمود کے بیٹے تھے اور بربریوں پر جن کی شجاعت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔

علمی و ثقافتی سرگرمیاں

میدانِ کارزار کی کامیابیاں اور سطوت و شکوہ خواہ کتنے ہی عروج پر پہنچ گئے ہوں مگر وہ ان مشاغلِ علمی کے مقابلے میں بالکل ہیچ نظر آتے ہیں جنہوں نے الحکم کے زمانۂ سلطنت کو خصوصیت کے ساتھ ممتاز بنا دیا۔ اگرچہ اس کے تمام پیشرو فرمانروایانِ اندلس خود بڑے ذی علم اور علم و فن کے نہایت قدردان اور قلمی کتابوں کے جمع کرنے کے شائق تھے۔ لیکن اس خصوص میں الحکم سے زیادہ سربلند کوئی نہیں گزرا۔ اس کا اکتسابِ علمی اور اس کا عظیم الشان کتب خانہ عجائباتِ روزگار سے تھے۔ الحکم نے قرطبہ میں علم و فضل کا بازار لگا دیا تھا۔ اس کے زمانے کو "عربی ادب و سائنس کا عہدِ زریں" کہا گیا ہے۔ اس نے عام اعلان کر دیا تھا کہ جو مصنّف کوئی نئی کتاب امیر المومنین کی خدمت میں پیش کرے گا۔ اسے بیش بہا انعام دیا جائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مشرق کے دور دراز ممالک کے مصنّفین کی کتابیں ان ممالک میں شائع ہونے سے قبل اصل کتاب قرطبہ پہنچ جاتی پھر یہاں سے شائع ہو کر کتابیں دیگر ممالک میں پھیلتیں۔ چنانچہ امیر المومنین نے "کتاب الاغانی" کے مصنّف علامہ ابو الفرج اصفہانی اور "المختصر" مصنّفہ ابن عبد الحکم کے شارح ابو بکر المالکی کو ایک ایک ہزار دینار سرخ بھیج کر ان کی تصنیفات حاصل کی تھیں[2]۔

امیر المومنین کے گماشتے بڑی بڑی رقمیں لئے دمشق، بغداد، اسکندریہ اور قاہرہ میں جو اس وقت علوم و فنون کے معدن بنے ہوئے تھے ہمیشہ موجود رہتے تھے کہ نادر قلمی کتابیں خواہ قدیم ہوں یا جدید خرید کر یا نقل کر کے قرطبہ بھیج دیں۔ اس طرح ایشیا، افریقہ اور یورپ کے تمام علمی کمالات قرطبہ میں سمٹ آئے۔ اور شاہی کتب خانے میں ہر علم و فن پر مختلف زبانوں کی چھ لاکھ کتابیں جمع ہو گئیں۔ صرف دواوین کی فہرست چوالیس جلدوں میں تھی۔

---

[1] ابن عذاری $\frac{۲}{۳۷۴-۷۰}$ ، مقری ۸۴ - ۱۸۳ [2] ابن خلدون $\frac{۴}{۱۴۶}$

جیسی جیسی اوراق تھے[1]۔ کتب خانہ کا فرش نہایت قیمتی سنگ مرمر کا تھا۔ دیواریں اور چھتیں رنگین سنگ رخام کی تھیں، اور ان پر سنگ سبز کی پچی کاری تھی۔ الماریاں خوشبودار لکڑیوں کی تھیں جن پر کچھوے کی کھوپریاں، سیپ، ہاتھی دانت اور قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے۔ و کتابت میں باکمال خطاطوں، خوشنویسوں اور جلد سازوں کی ایک فوج مقرر تھی رین کتابوں پر سونا چڑھایا جاتا تھا اور ان کو نقش و نگار سے مزین اور جواہرات سے مرصع جاتا تھا۔ اس کتب خانے کا نگران خاندانِ شاہی کا فرد ہوا کرتا تھا۔ یہ کتب خانہ علماء و فضلا کے لئے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔

خلیفہ نے کتابیں محض نام و نمود کی خاطر جمع نہ کی تھیں۔ دنیا کا کوئی بادشاہ اس کے ر جامع علوم نہیں گزرا۔ وہ بہت کی زبانوں کا ماہر تھا۔ اور ہر فن پر نہایت فصاحت غت کے ساتھ بلا تکان لکھ سکتا تھا۔ اس نے اپنے کتب خانے کی ہر کتاب کا مطالعہ کیا ۔ اور اس پر حواشی لکھے تھے جس کی وجہ سے یہ کتابیں بڑی بیش قیمت ہو گئی تھیں علاوہ وہ ہر کتاب کے نسخہ اولیں پر کتاب اور مصنف کا نام و نسب، اس کے مختصر تِ زندگی، تاریخ پیدائش و وفات لکھ دیتا تھا۔ وہ خود ایک بڑا مورخ تھا۔ اندلس مفید تاریخ اس نے لکھی تھی اور جو دنیا کی بدقسمتی سے گم ہو چکی ہے۔ صحت واقعات اور کثرتِ ات کے لحاظ سے نہایت مشہور اور بہت ہی متداول کتاب تھی۔ یوں تو وہ ہر فن میں ثقہ سمجھا تھا مگر فن تاریخ و رجال اور انساب میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا[2]۔ اس کے زمانے کا کوئی عالم اس تِ نظر اور ہمہ دانی کو نہ پہنچتا تھا۔ اس کی لکھی ہوئی شرحیں اور حواشی علماء میں مستند مانے تے تھے۔ وہ فن موسیقی میں بھی بڑی مہارت رکھتا تھا۔ اس نے برتی کو جو منہ سے بجایا جاتا بڑی ترقی دی تھی[3]۔ کتب بینی سے اس قدر شغف و انہماک کا نتیجہ آخر یہ ہوا کہ اس کی بینائی نے جواب دیا۔

خلیفہ کی علم دوستی نے ہر خاص و عام کے دلوں میں ایک ایسا علمی مذاق پیدا کر دیا تھا کہ

---

[1] ابن خلدون ج۴ ص۱۴۶ [2] ڈوزی ص۱۹۳ و ابن اثیر ج۸ ص۲۶۸-۶۹ [3] میراث اسلام ص۵۰۴

لوگ کتب خانہ رکھنے کو باعثِ شان سمجھتے تھے۔ ہر خوشحال گھرانے میں کتب خانے کا رکھنا شانِ ریاست سمجھا جانے لگا۔ علامہ مقری کے قول کے مطابق رئیسوں کا ذکر ان الفاظ میں کیا جاتا کہ "فلاں صاحب کے یہاں ایسا ایسا کتب خانہ ہے اور فلاں صاحب کے کتب خانے میں ایسی ایسی کتاب ہے اور فلاں فلاں رئیس نے فلاں خوشنویس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب ایسی گراں قیمت پر خریدی ہے"۔ اس زمانے میں بیس ہزار سے زائد تاجرانِ کتب قرطبہ میں پائے جاتے تھے۔ اندلس کے دو بڑے شہروں کا فرق مقری کے قول کے مطابق اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر اشبیلیہ میں کوئی عالم انتقال کرتا تو اس کی کتابیں منافع کے ساتھ فروخت ہونے کے لئے قرطبہ آیا کرتی تھیں اور اگر کوئی موسیقار قرطبہ میں مرتا تو اس کے آلاتِ موسیقی اشبیلیہ جا کر بڑی قیمت پاتے تھے۔ خلیفہ نے ادب و سائنس کی ترقی کے لیے عوام الناس کو ہر طرح کی آسانیاں بہم پہنچائی تھیں۔ اس غرض سے ملک بھر کے تمام بڑے شہروں میں کتب خانے قائم کیے گئے۔ اس کے برعکس مسیحی یورپ میں کتب خانے مفقود تھے۔ اگر کسی عیسائی کو کتب خانہ کا لفظ استعمال کرنا ہوتا تو اس کی مراد صرف انجیل سے ہوتی تھی۔ الحکم کے تبحرِ علمی اور علوم و فنون کی قدردانی کی شہرت تاجروں اور سیاحوں کے ذریعے اقطاعِ عالم میں اس کی تخت نشینی سے قبل ہی پھیل چکی تھی۔ چنانچہ اس کی کششِ مقناطیسی سے کھنچ کر عراق، شام اور مصر وغیرہ سے بہت سے کامل الفن علماء معہ اپنے خزائنِ علمی کے جو سالوں کی محنت اور تحقیقات کا نتیجہ تھے اندلس چلے گئے۔ اس کے دربار و دربار میں علماء و فضلاء کا ایک جمگھٹا لگا رہتا تھا اور علمی مباحثے اور مناظرے ہوتے رہتے تھے۔ خلیفہ سب کی قدر افزائی کرتا تھا، ان کو بھاری بھاری وظائف عطا کرتا اور مناصبِ جلیلہ پر فائز کرتا۔ علماء کے ساتھ خواہ اندلس کے ہوں یا باہر کے، اس کی فیاضیاں اتنی بڑھی ہوئی تھیں کہ خزانۂ شاہی اس کے لیے تنگ ہو گیا تھا۔ خاص کر علم الہیئت اور طب کو جو ترقی قرطبہ میں ہوئی تھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اندلس میں فلسفہ کا پڑھنا معیوب سمجھا جاتا تھا لیکن یہ روشن خیال فرمانروا علماء فلسفہ کو بھی اپنے سایۂ عاطفت میں لئے ہوئے تھا اور ان کو اظہارِ خیال کی کامل آزادی دے رکھی تھی

ابوالقاسم خلف الزہراوی جو جدید سرجری کا باوا آدم کہلاتا ہے اسی خلیفہ کا شاہی طبیب
تھا۔ لبانا جو فلسفہ اور ریاضی میں ماہر تھیں خلیفہ کی پرائیویٹ سکریٹری تھیں۔ قرطبہ جیسے
عالم خیز دارالخلافہ میں مذاکرات علمی کے چرچے قصر شاہی، شہزادوں اور امراء و روٴسا
کے محلات اور علماء کے مکانات ہی تک محدود نہ تھے بلکہ سوسائٹی کا ہر طبقہ اور ہر گروہ خواہ مرد
ہو یا عورت سب کے سب علمی اور ادبی مذاق میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی لگن اپنے
دلوں میں لئے ہوئے تھے۔ کہیں سائنسی تحقیقات ہوتی تھیں تو کہیں مناظرے اور مشاعرے
کہیں تنقید صنعتوں کا زور تھا تو کہیں علمی تقریریں کی جاتی تھیں۔ کہیں بدیہہ گوئی کی مشق کی
جاتی تھی۔ تو کہیں موسیقی کے جلسے منعقد کئے جاتے تھے۔ قرطبہ کے گلی کوچوں میں دنیا بھر
کے ہر مذہب و ملت کے طالب علم نظر آتے تھے۔

فاضل مورخ ڈوزی دارالخلافہ کی علمی اور ادبی سرگرمیوں کے متعلق لکھتا ہے کہ
"قرطبہ میں ہر قسم کے علوم و فنون کی تعلیم دی جاتی تھی۔ ابتدائی مدارس اعلیٰ درجہ کے بکثرت
موجود تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ مسیحی یورپ میں سوائے پادریوں یا ایسے لوگوں کے جو حکومت
کے بڑے عہدوں پر مامور تھے۔ سب ناخواندہ ہوتے تھے۔ لیکن اندلس کے مسلمانوں میں
تقریباً ہر متنفس لکھا پڑھا ہوتا تھا۔ نحو، معانی و بیان کی تعلیم تمام مدارس میں دی جاتی تھی
باوجود اس کے خلیفہ الحکم کو اس بات کا یقین تھا کہ تعلیم کی جس قدر اشاعت ہونی چاہیئے۔
نہیں ہے اسی خیال سے اس نے ۲۷ مدارس غریبوں کے بچوں کے لئے کھلوا دئے۔ جن میں مفت
تعلیم دی جاتی تھی اور مدرسین کی تنخواہیں خلافت مآب کے صرف خاص سے ادا کی جاتی تھیں۔ قرطبہ
کا دارالعلوم دنیا میں سب سے زیادہ مشہور تھا۔ اساتذہ جامعہ میں بیٹھ کر طلبہ کو پڑھاتے تھے
ان میں علامہ ابوبکر بن معاویہ القریشی حدیث کا درس دیتے تھے۔ علامہ ابو علی القالی البغدادی
ایام جاہلیت (اسلام سے قبل کے عربوں کے حالات، ان کی زبان و مثل اور شاعری پر خطبے دیتے
تھے۔ انہیں خطبوں کا مجموعہ بعد کو کتاب الامالی کے نام سے شائع ہوا۔ ابن القوطیہ نحو پڑھاتے
تھے۔ علامہ القالی ان کی نسبت فرماتے تھے کہ اندلس میں ابن القوطیہ سے بڑھ کر کوئی نحوی نہیں
علوم کے علاوہ دیگر علوم کے درس دینے والے بھی اپنے زمانے کے نہایت مشہور لوگوں میں تھے۔

طلبہ کی تعداد ہزاروں تھی۔ ان میں اکثر فقہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے کیونکہ مناصب جلیلہ پہ پہنچنے کا ذریعہ اس زمانے میں یہی علم تھا۔ غرناطہ، اشبیلیہ، طلیطلہ، شلمنکہ اور بہ بغیرہ کے دارالعلوم بھی مشہور تھے۔ اور ان میں ادب و سائنس کے ہر شعبہ میں مفت تعلیم دی جاتی تھی۔ محکمہ تعلیم کے الگ قانون اور قاعدے بنائے گئے تھے اور خلیفہ نے اس محکمہ کی افسری پر اپنے بھائی منذر کو مقرر کیا تھا۔

الحکم بہت نیک، دیندار، منکسر اور عادل فرمانروا تھا۔ مسعودی نے اس کی نسبت لکھا ہے کہ: "وہ بلحاظ عدل و انصاف اور دیگر خصائل حسنہ اپنے زمانے کا ممتاز ترین شخص تھا۔ اس نے اپنی رعایا پروری کا ثبوت اس طرح دیا کہ تخت نشین ہوتے ہی رعایا پر سے نقد چھٹے حصہ کے محصولات معاف کر دیئے۔ صرف خاص کی اس آمدنی کو جو قرطبہ کے زین سازی کے بازار سے حاصل ہوتی تھی دارالخلافہ کے غرباء کی تعلیم کے لئے وقف کر دی تھی۔ فراوانی دولت اور عام خوشحالی کی وجہ سے اہالیان اندلس کی اخلاقی حالت اس قدر گر گئی تھی کہ مے نوشی صرف امراء و رؤساء تک محدود نہ تھی بلکہ یہ عیب علماء دین اور مرد و عورت سب میں سرایت کر گیا تھا چنانچہ الحکم نے شراب کشید کرنے اور پینے کی سخت ممانعت کر دی اور حکام کو سختی سے تاکید کی کہ وہ شرعی حدود جاری کرنے میں امیر و غریب کا کوئی امتیاز نہ کریں[1]۔ یہ نیک دل خلیفہ اپنے ہاتھ سے باغبانی کا کام کرتا تھا۔ اس کو دیکھ کر امراء اور دوسرے حکام بھی اس کی تقلید کرنے لگے۔

الحکم نے دارالخلافہ کی عمارتوں کی تعمیرات اور ان کی تزئین میں انتہائی عالی حوصلگی سے کام لیا۔ جامع مسجد کی عمارات میں مقصورہ، محراب، قبلہ اور منبر کی تعمیر اس کے پیشرو، اضافوں میں سے تھیں۔ مدینۃ الزہراء اور جامع مسجد کی عالیشان عمارتیں اس بات کو ظاہر کرتی ہیں کہ قرطبہ کے صناعوں اور کاریگروں کو اپنے پیشوں میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ اس نے علاوہ دارالخلافہ کے اپنے پیشرو فرمانرواؤں کی طرح ملک کے دوسرے شہروں، قصبوں اور چھوٹے چھوٹے قریوں میں رفاہ عامہ کی بہت سی نشانیاں چھوڑیں۔ پرانی سڑکوں کی مرمت کرائی۔ مسافروں اور سامان تجارت

---

[1] مقری ۱۹۳

نقل و حمل کی سہولت کے لئے نئی نئی سڑکیں بنوائیں۔ پل تعمیر کئے۔ سرائیں بنوائیں جہاں مسافروں کے لئے کھانے پینے کا انتظام ہوتا تھا۔ جگہ جگہ مدارس، شفاخانے، غریب خانے اور کتب خانے وغیرہ قائم کئے۔ زراعت کی سائنس کو اس قدر ترقی دی گئی کہ اس زمانے میں اس سے زیادہ ممکن نہ تھا۔ غرناطہ، مریہ، جنیبہ اور ارغون کے علاقوں میں بڑے بڑے بند تعمیر کئے گئے اور چوڑی چکلی نہریں نکالیں۔ جن سے تمام علاقے انتہائی زرخیز اور سیر حاصل بنا دیئے گئے۔ تمام سلطنت میں ہر قسم کے درخت لگائے گئے۔ سلاطین کی دلچسپی کی وجہ سے امراء و دولت بھی اس میں خاص دلچسپی لینے لگے۔ انہوں نے بھی باغات لگائے۔ نرم بالوں والی مرینو بھیڑوں کی نسل کشی کی طرف خلیفہ نے خاص توجہ مبذول کی جو لاکھوں کی تعداد میں پالی جاتی تھیں۔ ان کے قیمتی اون سے تیار کیا ہوا کپڑا مرینو کہلاتا تھا۔ دنیا بھر میں ہاتھوں ہاتھ بکتا تھا۔ ان بھیڑوں کی داشت و پرداخت کے قوانین اس زمانے میں وضع ہوئے تھے۔ اہل اسپین اب تک اس پر عمل کر رہے ہیں۔ ملک میں قیمتی دھاتوں مثلاً سونا، چاندی، تانبا، لوہا، پارا وغیرہ کی کانوں کی کمی نہ تھی۔ علاوہ اس کے سنگ مرمر یاقوت اور دیگر قیمتی پتھر کی کانیں المریہ، بیجا، مالقہ اور غرناطہ میں تھیں۔ سواحل اندلس سے مونگا اور طرکونہ سے موتی نکلتا تھا۔ چنانچہ ان وسائل سے اعرابی تجارت و صنعت کے لئے کام لیا گیا۔ قرطبہ کے چمڑے کے پٹے اور ہاتھی دانت کا کام۔ المریہ کے ریشمی خنجر، طلیطلہ کی تلواریں۔ مرسیہ کے قالین مالقہ کے چینی کے برتن۔ غرناطہ کے زیورات دنیا میں مشہور تھے۔ اسی طرح اور شہر بھی اپنی مخصوص صنعتوں کی وجہ سے مشہور تھے۔ مختصر یہ کہ الحکم کے زمانہ امن و عافیت میں علوم و فنون کی ہر شاخ و شعبہ نے اس قدر ترقی کی تھی کہ اس کے تصور سے حیرت ہوتی ہے۔

وفات

امور سلطنت اور کثرت مطالعہ کی وجہ سے الحکم کی صحت روز بروز گرتی گئی یہاں تک کہ یہ عالم و عالم نواز، نیک اور دیندار اور رعایا پرور فرمانروا ماہ صفر ۳۶۵ھ / ۹۷۶ء میں بعمر ۶۳ سال اپنے مولائے اعلیٰ سے جا ملا۔ وہ اپنے مشہور و معروف خاندان کا آخری درخشندہ گوہر تھا۔ بنی امیہ کی شان و شوکت بھی گویا اسی کے ساتھ دفن ہو گئی۔

قرطبہ دسویں صدی میں

الناصر المستنصر اور حاجب المنصور کے زمانے میں سلطنت اسلامیہ اپنے نقطۂ کمال پر پہنچ گئی اور قرطبہ اس عظیم الشان سلطنت کا شایانِ شان دارالخلافہ بن گیا۔ ایک صدی کامل تمام یورپ و افریقیہ کی عنانِ سیاست اسی شہر کے ہاتھوں میں رہی۔ قدیم رومی عہد کا یہ شہر زمانۂ گاتھ میں ایک معمولی سا قصبہ تھا لیکن عرب سلاطین نے اس کو چمکا کر آفتاب عالمتاب بنا دیا۔ اگرچہ والیانِ اندلس نے بھی یہاں بہت سی عالی شان عمارتیں تعمیر کی تھیں لیکن باقاعدگی سے وسیع پیمانے پر دارالخلافہ کی تزئین کا کام عبدالرحمٰن الداخل کے عہد سے ہوا۔

یہ خوب صورت شہر سیرا مورینا کے سلسلے کے ایک پہاڑ کے دامن میں ایک وسیع اور پُرفضا میدان میں وادی الکبیر کے دونوں جانب آباد تھا۔ دونوں حصے ایک پُل کے ذریعے ملے ہوئے تھے۔ ایک قدیم مورخ لکھتا ہے کہ شہر ایک طرف ۲۴ میل اور دوسری طرف چھ میل تک پھیلا ہوا تھا اور پورے علاقے میں دریا کے کنارے کنارے محلات و قصور۔ مکانات۔ بنگلے۔ بارہ دریاں۔ مسجدیں، حمام۔ باغات اور سیرگاہیں چلی گئی تھیں۔ ایک اور قدیم مؤرخ کے مطابق "ایک راہرو مسلسل دس میل تک چراغوں کی روشنی میں سفر کر سکتا تھا"۔ خاص شہر کے گرد ایک مستحکم فصیل تھی۔ اس کے سات عالیشان پھاٹک تھے جن پر چمکدار پیتل کی چادریں چڑھی ہوئی تھیں اور ان پر خوشنما مینا کاری ہو رہی تھی۔ ہر ایک دروازہ شہر سے ایک چوڑی چکلی پکی سڑک سلطنت کے سات سرحدی شہروں یعنی اشبیلیہ۔ جزیرۃ الخضراء۔ طلیطلہ۔ طلبیرہ۔ سرقسطہ۔ بطلیوس اور ماردہ کو جاتی تھی۔ یہ دروازے انہی شہروں کے نام سے موسوم تھے۔ بیرونِ شہر اس کے مضافات تھے جو مدینۃ الزہرا اور مدینۃ الزاہرہ

بہت سے حصوں پر مشتمل تھے ہر حصے کی جامع مسجد، بازار، مسجدیں اور حمام الگ الگ تھے اور ایک حصے
رہنے والا دوسرے حصے کے رہنے والوں کا محتاج نہ تھا۔ جب قرطبہ میں فتنہ و فساد نے سر اٹھایا
تو ان میں سے ہر حصے کے گرد فصیلیں اور برج بنا دیئے گئے تاکہ ایک حصے کے لوگ دوسرے حصے کے
لوگوں کو نہ ستا سکیں۔ تمام سڑکوں اور گلی کوچوں پر سنگی یا خشتی فرش بچھے ہوئے تھے جنہیں
ہزاروں قندیلیں منور کیے رہتی تھیں۔ صفائی کے لیے نگراں مقرر تھے اطراف میں کئی کئی میل تک نارنگی
کے باغات چلے گئے تھے جن کی عنبر بیز بھینی بھینی خوشبو سے سارا شہر مہکا رہتا تھا۔ دارالخلافہ کے ماتحت
وادی الکبیر کے کنارے تین ہزار گاؤں تھے۔ جن کی طرف سے تیس لاکھ دینار سرخ سالانہ اس کے
بیت المال میں داخل کیے جاتے تھے ہر گاؤں میں خطیب اور امام مقرر تھے۔ جنہیں لوگوں کو فقہی مسائل
بتلانے کے علاوہ فوجی و دیوانی اختیارات بھی حاصل تھے۔ یہ لوگ ہر جمعہ کو قرطبہ آکر خلیفہ کے ساتھ
نماز پڑھتے اور اس کو اپنے یہاں کے حالات سے مطلع کرتے تھے۔

دارالخلافہ کا آب رسانی کا انتظام اندلس کے تمام شہروں پر سبقت لے گیا تھا۔ عبدالرحمٰن
الداخل نے تخت نشینی کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ قرب و جوار کے پہاڑوں سے ایک نہر کاٹ کر قرطبہ لایا
تھا۔ اس کے بعد [illegible] جانشین برابر نہروں کی تعداد میں اضافہ کرتے رہے۔ پانی جست کے نلوں
کے ذریعے لایا گیا تھا اور بعد از [illegible] شہر کے مختلف حصوں میں پہنچایا گیا تھا۔ حوض یا تو سنگ مرمر
کے تھے جن کو کھود کر خوبصورت نقش و نگار بنائے گئے تھے۔ یا پیتل پر جن کی چادریں چڑھی ہوئی تھیں
بعض محلات میں یہ حوض سونے چاندی کے تھے۔ صحرا نشینوں کو پانی کی ہر شکل سے لگاؤ تھا کوئی
معمولی سے معمولی مکان ایسا نہ تھا جس میں پائیں باغ شفاف پانی کی نہر اور فوارے نہ ہوں۔

خلیفہ ناصر نے ۳۲۹ھ میں جبال قرطبہ سے کاٹ کر جو چوڑی چکلی نہر تعمیر کی تھی، اس نے
سابقہ سلاطین کے اس قسم کے کارناموں کو گرد کر دیا تھا اس کو سائنٹیفک طریقہ سے محرابوں پر ایک پل
قائم کر کے تعمیر کیا گیا تھا۔ یہ پانی ایک وسیع اور عریض حوض میں گرایا گیا تھا جس کے وسط میں تانبے
کے ایک بہت بڑے شیر کا مجسمہ تھا جس کے اوپر سونے کا پتر چڑھا ہوا تھا اور آنکھوں میں یاقوت
جڑے ہوئے تھے۔ [illegible] اس کے پیٹ سے داخل ہو کر منہ سے موٹی دھار سے گرتا رہتا تھا۔ اس کے پہلو

میں ایک لحیم و شحیم آدمی کا خوبصورت مجسمہ تھا جس کو بادشاہ فیننان پر پانی انڈیلتا ہوا دکھلایا گیا تھا۔
شہری ضروریات کے بعد فاضل پانی واپس دریا میں جا پہنچتا تھا جو خوشنما باغات دارالخلافہ کی رونق
کو بڑھاتے ہوئے تھے ان میں قدیم ترین باغ عبدالرحمٰن الداخل کا لگایا ہوا مشہور باغ رصافہ تھا
اس میں اس نے دنیا بھر کے پھلوں، پھولوں، میووں اور دواؤں میں کام آنے والی جڑی بوٹیوں کے
منتخب اور نادر پودے منگا کر سائنٹیفک طریقہ سے ان کی کاشت کرائی تھی عربی طرز تعمیر کی طرح یہ باغ
بھی زمانۂ مابعد میں مہذب ممالک یورپ کے لئے نمونہ بنا۔ شاہی سیرگاہوں کے علاوہ سلاطین نے
عوام الناس کی تفریح کے لئے بھی کثرت سے باغات اور نزہت گاہیں بنوائی تھیں۔

دارالخلافہ کی آبادی دس لاکھ نہایت آسودہ حال باشندوں پر مشتمل تھی۔ عوام الناس
کے ایک لاکھ تیرہ ہزار مکانات تھے۔ امراء۔ وزراء۔ سرداران فوج۔ تاجروں اور عمائدین کے
مکانات کی تعداد ساٹھ ہزار تھی۔ مکانات سنگ مرمر اور دیگر قیمتی عمارتی پتھروں کے تھے۔ یہ سب نہ صرف
تعداد میں کثیر بلکہ فن تعمیر اور دلکش پچیکاری کے بہترین نمونے اور شان و شوکت میں آپ اپنی نظیر
تھے۔ شہر میں سات سو مسجدوں کے خوبصورت بلند و بالا مینار اندلس کے نیلگوں آسمان میں اپنے
سر اٹھائے ہوئے تھے۔ نو سو حمام۔ آٹھ سو مدرسے۔ ستر کتب خانے۔ پچاس شفا خانے
بے شمار سرائیں و منڈیاں اور اسی ہزار گودام تھے جن میں مال تجارت بھرا رہتا تھا۔ مکانات
محلات و قصوروں۔ بنگلوں و بارہ دریوں۔ مسجدوں و حماموں۔ باغوں و سیرگاہوں اور سڑکوں و
چوکوں میں اس کثرت سے فوارے اچھلتے رہتے تھے کہ قرطبہ کو فواروں کا شہر کہا جا سکتا تھا۔ دنیا بھر
کے تاجروں و دلالوں کے مارے یہاں راستہ چلنا دوبھر ہو جاتا تھا۔ ہر ملک و قوم کے لباس
اور سکے یہیں نظر آتے تھے۔ ڈوزی لکھتا ہے کہ بھڑک دار سے بھڑکدار لباس۔ نادر سے نادر اور بیش
قیمتی سے قیمتی جواہرات یہاں کے بارونق بازاروں میں دستیاب ہو سکتے تھے۔ ہر علم و فن کے یگانے
یہاں پائے جاتے تھے۔ بے مثل تصنیفات و تالیفات یہیں ہوتی تھیں۔ بلبلوں و طوطیوں
کا شور یہیں سننے میں آتا تھا۔ شہر کی خوبصورتی و دلکشی اور عظمت کے بارے میں فاضل
مصنف جے۔ بی۔ ٹرینڈ اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "دسویں صدی میں قرطبہ یورپ

میں سب سے زیادہ مہذب شہر تھا، دنیا بھر کے لوگ اس پر حیرت و استعجاب کا اظہار کرتے تھے اور اس کی مدح و ثنا میں رطب اللسان ہوتے تھے۔ یہ گویا ریاستہائے بلقان میں ایک ویانا کی مانند تھا شمال کے سیاح اس شہر کا حال سن کر مرعوب ہو جاتے تھے۔ جب کبھی لیون، نبرہ اور برشلونہ کے حکمرانوں کو کسی ماہر طبیب و سرجن، کسی ماہر تعمیرات، کسی اعلیٰ درجہ کے خیاط یا کسی استادِ موسیقی کی ضرورت پیش آتی تو وہ قرطبہ ہی کی طرف رجوع کرتے۔"

جامع مسجد

جزیرہ نما میں عربی کمالات کا ابتدائی نمونہ جامع مسجد عروس البلاد قرطبہ کے ان حسین و جمیل زیورات سے تھی جس کی تعمیر و آرائش پر یورپ کے سب سے بڑے روشن دماغ و غیرت مند اور بے حد فیاض و دولتمند بادشاہوں نے بے جگر ہو کر سونا، چاندی اور قیمتی جواہرات صرف کیا تھا۔ وادی الکبیر کے داہنے کنارے پر جہاں یہ مسجد ہے وہاں زمانۂ گاتھ میں سینٹ ونسنٹ کا بڑا گرجا تھا۔ مسجد کے بانی عبدالرحمٰن اول نے گرجے کو نصاریٰ سے ایک لاکھ دینار سرخ کے عوض خرید کر مسجد کی تعمیر شروع کی۔ اس کا نقشہ جامع دمشق کے نمونے پر خود اس نے تیار کیا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ اس میں ایسی گلکاریاں دکھلائے جو ہیکل سلیمانی کو بھی مات کردے۔ جسے رومیوں نے برباد کر دیا تھا۔ عبدالرحمٰن کی تعمیر کردہ مسجد ایک چھوٹی سی مسجد تھی آہستہ آہستہ جب قرطبہ کی آبادی بڑھنے لگی اور نمازیوں کے لئے جگہ تنگ ہو گئی تو اس کے جانشین اردگرد کے مکانات کو خرید کر مسجد کی عمارت میں برابر توسیع کرتے رہے۔ آخری اور سب سے بڑا اضافہ حاجب المنصور نے کیا۔ یہ مسجد کعبہ شریف کے بعد مسلمانان اندلس و افریقیہ کی نگاہ میں سب سے زیادہ مقدس تھی۔ اس مسجد نے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ رومی ستون، اونچی مرغولے، شامی محرابیں، بیزنطینی پچیکاری اور ایرانی فصیل قلعہ کو اگر ایک موزونیت و لطافت کے ساتھ ملا دیا جائے تو وہ محیر العقول کیفیت پیدا کر سکتی ہے اس نے مسلمانانِ اندلس کی دماغی ترقی اور وحشی یورپ کی تہذیب میں اتنی مدد کی ہے کہ جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی تعمیر کے لئے سنگ مرمر، سنگِ سماق اور زبرجد المریہ

اور عرفا طرے لایا گیا تھا اور آبنوس ۔ صندل ۔ بقم ۔ شوحطہ ۔ صندنگ اور عرعر کی بیش قیمت لکڑیاں ۔ یہ پہاڑیوں کے جنگل سے لائی گئی تھیں یہ لکڑیاں عرصہ دراز تک قائم رہ سکتی تھیں اور ان میں دیمک نہ لگ سکتی تھی ۔ مسجد کی تعمیر پر تقریباً ڈیڑھ کروڑ دینار سرخ لاگت آئی تھی ۔

عالم اسلام میں اس سے بڑی اور اس سے زیادہ با صنعت مسجد کہیں اور نہ پائی جاتی تھی اس کے مسقف حصہ کا طول شرقاً غرباً ۴۰۰ فٹ اور عرض شمالاً جنوباً ۴۴۰ فٹ تھا ۔ صحن کی لمبائی شرقاً غرباً ۳۰۰ فٹ اور عرض شمالاً جنوباً ۱۸۴ فٹ تھا ۔ ایک وسیع حصہ پر اس کا نادر بجستان تھا جس میں گلاب ، چنبیلی ، مورپنکھی اور انار کے علاوہ کثرت سے نارنگیوں کے درخت لگے تھے ۔ ایک مستحکم فصیل مسجد کو احاطہ میں لئے ہوئے تھی جس میں خوبصورت بروج اور مورچے بنے ہوئے تھے ۔ شمالی فصیل کی اونچائی تیس فٹ تھی لیکن جنوب میں قبلہ کی جانب بوجہ نشیب اس کی بلندی ستر فٹ ہو گئی تھی ۔ اس خانۂ خدا کی مقدس چھت کو سرخ ۔ سفید ۔ سیاہ ۔ سبز ۔ گلابی اور نیلگوں رنگ کے سنگ مرمر کے ۱۲۹۳ نہایت سبک و جلا ستون معتقدانہ ادب سے اپنے سروں پر لئے کھڑے تھے ۔ یہ ستون شطرنجی مربعوں میں نصب تھے اور ہر مربع میں پانچ پانچ ستون تھے ۔ ان پر ۲۰۰ دوہری دوہری نعل ایسی محرابیں اس طرح قائم کی گئی تھیں کہ ان کے تقاطع سے طول میں ۱۹ اور عرض میں ۲۹ دالان در دالان بن گئے تھے اور جس رخ سے ان پر نظر ڈالئے ایک ماہی جال سا نظر آتا تھا ۔ محرابیں چمکدار سنگ رخام اور سنگ سماق کی تھیں جن پر کھدائی میں قسم قسم کے خوبصورت نقش و نگار بنے ہوئے تھے ۔ دالانوں پر منقش حریر کے خوشنما پردے لٹکے رہتے تھے ۔ ستونوں کا بیشتر حصہ سونے کے پتروں سے ڈھکا ہوا تھا اور ان پر نیلم و دیگر رنگین قیمتی نگینوں کا جڑاؤ کام طرح طرح کی خوشنما گلکاریوں میں تھا ۔ چھت میں لاجورد استعمال کیا گیا تھا جس میں ازاش و اقسام کے طلائی و نقرئی خوش گل بوٹے بنائے گئے تھے محرابوں اور چھتوں پر جگہ جگہ سونے اور چاندی سے آیات قرآنی اور طغرے لکھے ہوئے تھے ۔ شہتیروں پر بیش قیمت نازک سنہری و زرنگاری کام تھا ۔ چھت کہیں شش پہل کہیں ہشت پہل کہیں گول تھی یہ ایک دوسرے سے ملحق اور ملی ہوئی تھی

وئی تھیں لیکن رنگ و روغن اور سجاوٹ کے اعتبار سے ایک کو دوسرے سے کوئی تعلق نہ تھا
ن چھتوں سے جھاڑ اور فانوس لٹکے رہتے تھے چراغوں کی روشنی میں گنگا جمنی کام کی
جھلاہٹ آنکھوں کو چندھیانے لگتی تھی۔ فرش ہفت رنگوں کے پتھروں سے بنا ہوا
تھا ان کا نقشہ اگرچہ سادہ تھا مگر نہایت خوش آئند و لطیف۔ فرش سے چھت کی بلندی
۳ فٹ تھی جس کی وجہ سے مسجد میں قرون وسطیٰ کے گرجوں کی سی تاریکی نہیں جاتی تھی۔
الیاں زبرجد کی تھیں۔ ان کی کھدائی عجیب و غریب تھی۔ ایک کے پھول بوٹے دوسرے سے
لتے تھے ان میں سے چھن چھن کر ہوا آتی تھی لیکن روشنی نظروں کو خیرہ نہ کرتی
تھی۔ نارنجستان سے خوشبو کی لپٹیں ان ہی سے آ آ کر نمازیوں کے دماغوں کو معطر کرتی
رہتی تھیں۔ اہل عرب اس مسجد کی محرابوں کی خمیدگی کو دیکھ کر نجد و یمن کے نخلستانوں اور
ان کی کھجوروں کی شاخوں کی خمیدگی کو یاد کرتے تھے ان جگمگاتے ہوئے ستونوں
محرابوں کی کثرت بقول ایک یورپین مصنف کے ایک دلفریب نخلستان کا منظر پیش کرتی تھی کہ
س میں ہزار ہا کھجوروں کے درخت کھڑے ہیں مگر ان کے تنوں اور زرملیدہ شاخوں کو کسی ساحر
نے اپنے سحر سے یک لخت پتھر کا بنا دیا ہے۔" انتہائی سمت جنوب میں محراب تھی جس کا رخ
لہ شریف کی طرف تھا۔ یہ ہفت پہل کمرہ ۱۳×۱۵ فٹ تھا اور اس کی اونچائی ۲۳
فٹ تھی اور دودھ سے زیادہ اجلا اور برف سے زیادہ چکنے سنگِ مرمر سے بنا ہوا تھا۔ اس پر
ک برج قائم تھا جو سنگِ مرمر کی ایک سالم چٹان کو کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ محراب میں داخل ہونے
کے لئے ایک سہ درہ پڑتا تھا جس کے نیچے کے ستون نہایت قیمتی سبز سنگ مرمر کے تھے اور
پر کے دو ستون سنگ لاجورد کے تھے اور ان پر تین صفیں نہایت خوبصورت نعلی
محرابوں کی قائم تھیں۔ برج کی اندر کی گولائی سے لے کر باہر کے چاروں ستونوں و محرابوں
ک تمام ہندسی اصولوں سے کام لے کر سنگ تراشی میں ایسی بے مثل گلکاریاں دکھلائی گئی تھیں جن
انسان عش عش کر اٹھتا ہے۔ محراب کے فرش میں سنگ مرمر کی جو سلیں لگی ہوئی تھیں۔ ان میں
نقش و نگار تھے اور جگہ جگہ سونے کا کام تھا۔ دہلیز اور دیواروں میں ستونوں اور قبہ میں سبز نیلی
پچیکاری تھی۔ کوفی خط میں جتنے کتبے تھے وہ سب خالص سونے کے تھے۔ یہ خط ایسا ہے

کربلا کسی قسم کے تصنع کے ابھرے ہوئے دیواروں کی سجاوٹ اور پھول بوٹوں کا کام دیتا تھا زمین مختلف
رنگوں مثلاً قرمزی، سیاہ، نیلی، سرخ اور سبز دی ہوئی تھی اور ان میں ایسا اسلوب اور موزونیت پیدا کی
گئی تھی کہ آنکھوں کو بہت ہی بھلی معلوم ہوتی تھی۔ پچی کاری میں جو خم دیے گئے تھے وہ خطِ کوفی کے حروف
کے مختلف زاویوں میں کھپ کر نہایت لطیف صورت پیدا کرتے تھے۔ شیشے کے ایسے چھوٹے چھوٹے
ٹکڑے جو ایک انچ مربع بھی کم ہوں گے تھے اس کام کے لئے مسدس الاضلاع تراشے گئے تھے۔ غرض یہاں
اپنے گنگا جمنی کام، خوشنما نقش و نگار اور قیمتی رنگین نگینوں کی چمک دمک سے جواہر خانہ بنی ہوئی
عمارت اور اس کے حسن کی نسبت ایک یورپین مصنف لکھتا ہے کہ "اس محراب کی حیرت انگیز خوبی
کو بیان کرنے کے لئے کہ اس کے حسن کا اندازہ ناظرین کو ہو سکے نہ الفاظ کام دیتے ہیں اور نہ فنی تعمیر
کی اصطلاحات کچھ سودمند ہیں، بجز اس کے کہ دیکھے اور دنگ رہ جائے انسان کے لئے اور کوئی چارہ
نہیں۔ لیبان رقمطراز ہے کہ "اس کی پرتکلف آرائش اور اس کا دلربا انداز کسی قدیم یا جدید عمارت
عالم میں نہیں پایا جاتا"۔ اسی محراب میں قبلہ کی دیوار سے لگا ہوا مسجد کا بے بہا خزانہ وہ منبر تھا۔ جو
عجوبۂ روزگار تھا۔ اس میں نو سیڑھیاں تھیں اور ہاتھی دانت و بیش قیمت اور خوشبودار لکڑیوں
کے ۳۶ ہزار ٹکڑوں سے تیار کیا گیا تھا جن کو ضرورت کے وقت الگ الگ کیا جا سکتا تھا ہر ٹکڑے
کو سونے اور چاندی کے پھولوں اور جواہرات سے مرصع کر کے طلائی و نقرئی کیلوں سے جڑا گیا تھا اس
پر امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا وہ قرآن مجید رہتا تھا جس پر آپ
کے خون کی افشاں تھی۔ اس کی جلد سونے کی تھی اور اس پر یاقوت جڑے ہوئے تھے جزدان دیبا
کا تھا اور رحل عود کی تھی جس پر سنہری نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ بارھویں صدی میں جب
اندلس الموحدین کی افریقی سلطنت کا ایک حصہ بنا تو سلطان عبدالمومن اس قرآن مجید کو اپنے ہمراہ
مراکش لے گئے۔

مقصورہ جو امیر المومنین اور ان کے امراء کے لئے مخصوص تھا اس طرح بنا گیا تھا۔
محراب والا کمرہ بھی اس کے وسط میں شامل کر لیا گیا تھا۔ اس کا طول شرقاً غرباً ۲۲۳ فٹ عرض
فٹ اور اوپر جا کر اس میں نہایت خوبصورت طلائی برج نکالے گئے تھے اس میں داخل ہونے
کے لئے تین دروازے تھے۔ ایک ایک دروازہ مشرق و مغرب کی سمت اور ایک جنوب کی سمت

جس محراب والے کمرے میں کھلتا تھا اس کا فرش خالص چاندی کی اینٹوں کا تھا اور جس دروازے
سے امیر المومنین داخل ہوتے تھے اس کے کواڑ سونے کے تھے۔ اس کی دیواروں پر جڑاؤ
کام بلور کے ٹکڑوں اور قیمتی رنگین نگینوں کا کیا گیا تھا۔ ان بلور کے ٹکڑوں اور نگینوں پر
بھی سونے کی مینا کاری تھی اور خوبصورتی کے لئے ایک ستون کی جگہ چار چار ستون کھڑے
کر کے ان پر ایک ہی تاج قائم کیا گیا تھا۔ ان پر اوپر سے نیچے تک فیروزے جڑ کر سونے کے
پھول بوٹے بنائے تھے۔ مقصورہ کی دیوار سے تھوڑے سے فاصلہ پر اس کو نہایت
قیمتی لکڑیوں کی جالیوں سے گھیرا ہوا تھا جن پر سونے کا نازک کام تھا اور جگہ جگہ رنگ
برنگ کے قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے۔ قریب ہی شاہی محل تھا اس کے اور مسجد کے درمیان جو گلی
تھی اس میں ہر طرف سے چھتا ہوا ایک پل تھا۔ اس پر سے گذر کر امیر المومنین ایک چور راستے
سے داخل ہوتے تھے جو مسجد کی جنوبی دیوار پر ختم ہوتا تھا [illegible] یہاں سے ہوتے ہوئے
وہ اپنے مقصورہ میں داخل ہوتے تھے۔ اس چور راستے کے آٹھ دروازے تھے ہر دروازہ پر ایک
سپاہی بطور چوکیدار کھڑا رہتا۔ یہ دروازے یکے بعد دیگرے مغرب اور مشرق کی طرف کھلتے تھے اس سے
مقصود یہ تھا کہ اگر کسی سپاہی کے دل میں بے ایمانی آ جائے تو اس کی دغا بازی پورے طور پر کارگر نہ ہو سکے اگر ان
میں سے ایک بھی وفادار رہا تو وہ اکیلا سات آدمیوں کو روک سکتا تھا جب امیر المومنین مسجد میں داخل ہو
جاتے تھے تو ان کی جاہ و حشم کی نمائش کی جاتی تھی ایک ریشمی پردہ جس میں روپہلا کام بنا ہوتا تھا محل شاہی کے
دروازہ سے لیکر مقصورہ تک کھول دیا جاتا تھا۔ کالے اور گورے غلام قیمتی لباس پہنے ہوئے بادشاہ کے آگے اور
پیچھے ہوتے تھے۔ اس وقت محافظ فوج کا کام اراکین خاندان شاہی کرتے تھے وہ ننگی
تلواریں لئے اور زرہ بکتر پہنے ہوئے ساتھ ہوتے تھے شاہی مقصورہ کے علاوہ دو اور
مقصورے خواتین کے لئے مخصوص تھے۔

صحن نارنج کے شمال میں فن تعمیر کا بہترین نمونہ ایک مینار تھا جو دنیا بھر میں اپنا نظیر
نہ رکھتا تھا۔ یہ ۲۷ فیٹ مربع اور ۱۲۶ فیٹ بلند ریختہ کئے ہوئے سنگ رخام کا بنا ہوا تھا
ہر کنارے پر نہایت خوبصورت نقش و نگار کھود کر بنائے گئے تھے اور اس کی زمین لاجورد اور
چمکتے ہوئے سرخ پتھر کی تھی۔ ہوا اور روشنی کے لئے کھڑکیاں تھیں جن میں نہایت خوبصورت

محرابیں تھیں اور یہ محرابیں نہایت نازک اور خوبصورت ستونوں پر قائم تھیں جو کہ سرخ و سفید سنگ سے بنے ہوئے تھے۔ ان محرابوں کی کھڑکیاں کچھ دو طرف کھلتی تھیں اور کچھ تین طرف۔ مختلف قسم کی دلآویز زیبائش کے ساتھ ایک عجیب لطف انگیز سماں ان سے پیدا ہوتا تھا۔ اندر کی طرف دو زینے بنائے گئے تھے جن میں سے ہر ایک میں ۱۰۰ سیڑھیاں تھیں ان میں خصوصیت یہ رکھی گئی تھی کہ اگر ایک ہی وقت میں دو اشخاص اس پر چڑھ اور اتر رہے ہوں تو ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکتا تھا۔ زمین سے تقریباً ۹۵ فٹ کی بلندی پر مینار کے چاروں طرف ایک غلام گردش نکالی گئی تھی۔ اس پر ستون قائم کر کے ایک برج بنایا گیا تھا۔ یہاں مؤذن کھڑے ہو کر اذان دیتا تھا۔ برج کے کلس میں سیب کی شکل کے تین گولے ایک کے اوپر ایک قائم کئے گئے تھے بیچ کا گولا چاندی کا تھا باقی دو سونے کے تھے ہر ایک کا دور تقریباً ۶ فٹ تھا اور ان کے اوپر سونے کا چھ پنکھڑیوں والا سوسن کا ایک پھول تھا اور اس پھول کے اوپر ایک سونے کا نہایت بدیع الصنعت انار بنا ہوا تھا جو اوپر کے گولے سے تقریباً ۱½ فٹ اونچا تھا جب سورج کی شعاعیں ان گولوں پر پڑتی تھیں تو یہ شعلے کے مانند چمکنے لگتے تھے۔

مسجد میں نمازیوں کے وضو کے لئے متعدد حوض تھے جن میں جست اور پیتل کی ٹونٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ دو حوض خواتین کے لئے مخصوص تھے دو حوض بہت بڑے تھے جو سنگ مرمر کی دو سالم چٹانوں کو کاٹ کر پہاڑ کے اوپر تیار کئے گئے تھے اور گاڑیوں میں صدہا باربرداری کے جانور لگا کر کئی دن میں ان کو مسجد تک لایا گیا تھا اور صحن کے ان گوشوں میں جہاں دو عمارتی چھتوں اور محرابوں کی امداد کے لئے تیار کی گئی تھیں۔ ان کے نیچے قائم کئے گئے تھے۔ یہ حوض اب تک مسجد میں موجود ہیں۔ حوضوں میں پانی ایک نہر کے ذریعے پہنچایا گیا تھا جو وادیٔ قرطبہ سے کاٹ کر لائی گئی تھی۔ دھوپ سے محفوظ رہنے کے لئے نمازیوں کے لئے صحن مسجد میں بانات کے شامیانے نصب کئے جاتے تھے۔ مسجد میں روشنی کے لئے سونے چاندی اور پیتل کے ۲۸۰ جھاڑ تھے جن میں تقریباً گیارہ ہزار چراغ روشن کئے جاتے تھے سب سے بڑے جھاڑ میں جس پر سونے کا طلع تھا اور جو محراب قبلہ کے برج سے لٹکا رہتا تھا ۱۴۵۴ چراغ تھے اس کا دور ۳۸ فٹ

اس کی روشنی کو منعکس کرنے کے لئے چاندی کے ۳۶ ہزار چمکدار ٹکڑے بڑی خوبصورتی
ساتھ سونے کی کیلوں سے ان میں جڑے ہوئے تھے چونکہ جگہ جگہ آئینے لگے ہوئے تھے
لئے روشنی اصل سے دوگنی زیادہ ہو جاتی تھی۔ چراغوں میں لوبان عود و عنبر اور دیگر
خوشبودار مسالوں میں بسا ہوا تیل جلایا جاتا تھا۔ چراغوں کے علاوہ موم بتیاں بھی
روشن کی جاتی تھیں۔ سب سے بڑی موم شمع جو امام کے قریب محراب میں روشن کی جاتی
تھی اس کا وزن تقریباً ۴۰ سیر ہوتا تھا۔ یہ رمضان شریف کے پورے مہینے میں رات
کو روشن رہتی تھی اور اس طرح بنائی جاتی تھی کہ عید والی چاند رات کو ختم ہو جائے۔ مقصورہ
نیچے تہہ خانہ تھا۔ جہاں جھاڑ فانوس رکھے جاتے تھے۔ بڑے بڑے جھاڑ صرف
ین کے موقعوں پر نکالے جاتے تھے۔ مسجد کے چھوٹے بڑے ملازمین کی
اد تین سو تھی۔

مسجد کے اندر جانے کے لیے دو نعلی شکل کے محرابوں کے اکیس عالی شان دروازے
ے۔ تین دروازے صحن مسجد میں کھلتے تھے اور نو نو دروازے مشرق و مغرب کی
نب تھے۔ ان میں سے دو دروازے مستورات کے لیے مخصوص تھے۔ ان دروازوں
زرد اور سرخ چینی کا کام تھا۔ سرخ اور نیلی زمین پر جگہ جگہ سنہرے کتبے تھے۔
اڑوں پر تانبے اور پیتل کی مجلا چادریں چڑھی ہوئی تھیں۔ ان میں جگہ جگہ بہت ہی
نما کڑے لگے ہوئے تھے جو دستک دینے کے سامان تھے۔ مسجد کے مغرب کی طرف
ہی محل کے سامنے ایک دارالصدقہ تھا جہاں امیرالمومنین کی طرف سے خیرات و مبرات
سیم کی جاتی تھی۔ اس میں کئی عمارتیں تنگ دست علما اور طلبا کے قیام کے لیے بنوا دی تھیں
اندلس کے مختلف اضلاع سے فقہ پڑھنے کے لئے قرطبہ میں آتے تھے۔ ان کے کھانے پینے،
نے سینے اور ہر قسم کا ضروری سامان اس سرمائے سے مہیا کیا جاتا تھا جو خلیفہ نے اس کام کے لئے
صوص فرما رکھا تھا۔ بڑے درجے کے ادیبوں، شاعروں، خطیبوں اور مورخوں کو بھی یہاں سکونت
اجازت تھی اور ان کی خاطر مدارات بہت کی جاتی تھی۔

رمضان کے مہینے میں جو شان و شوکت قرطبہ میں پائی جاتی تھی وہ اسلامی دنیا کے کسی

شہر کا حاصل دیتھی۔ قرطبہ میں آفتاب غروب ہونے کے بعد میناروں اور برجوں پر چراغ ج
جاتے تھے۔ ارغنوں اور بانسریوں کی آوازیں رہ راتوں سے سنائی دیتی تھیں۔ امراء کے محلوں
آدھی آدھی رات تک کھانے پینے کا چرچا رہتا تھا۔ لوگ زرق برق کپڑے پہن کر گھومتے پھرتے
بازاروں کے چوکوں وغیرہ میں جہاں لیموں اور نارنج کے ہرے بھرے درخت ہوتے تھے۔ رزمیہ او
قصہ خوانوں کے گرد ہجوم ہوتا تھا۔ لوگ ناچ دیکھنے یا قصہ سننے میں محو رہتے تھے۔ ہر طرف خوش
خرمی، بے فکری اور عیش و نشاط کا دور دورہ تھا۔ روشنی میں مسجد کو دیکھ کر طلسم کا دھوکہ ہوتا تھا۔
چراغوں سے منور، چمکتی ہوئی دیواروں، چھت اور اس کے سنہرے اور روپہلی کتبوں پر، ہزاروں ستو
کی سنہری چادروں پر اور مقصورہ کے جواہرات پر جب یہ روشنی پڑتی تو چار چاند لگ جاتے تھے
وہاں عود و عنبر کی خوشبو سے دماغ معطر ہو جاتا تھا۔ ستونوں کے جنگلوں سے ہو کر بہت فاص
پر نظر بے ساختہ محراب سے ٹکراتی تھی جس کا چمکدار فرش ہر قسم کے رنگوں، بالتعداد جواہرات کی ضو
اسی روشنی میں اور بھی جگمگا اٹھتا تھا۔

تیرھویں صدی میں قرطبہ پر عیسائیوں کے قبضہ کے بعد سے اہل کلیسا کے مجنونانہ تعص
نے مسجد کو باقاعدگی سے مسخ کرنے کا کام شروع کیا اس میں ایک گرجا کی تعمیر کی گئی اور وقتاً فوقتاً اس
اولیاء کی یادگاریں قائم کی جاتی رہیں۔ اس مقصد کے لئے پادریوں نے اس کی دیواروں، چھتو
ستونوں اور جالیوں کو جہاں سے جی چاہا توڑ پھوڑ ڈالا۔ اس کی اندرونی و بیرونی زیبائش
چونے کی سینکڑوں تہوں کے نیچے اس طرح دبا دیا۔ جس طرح کسی حسینہ کو تہ خاک کرتے ہیں۔ ا
کے فنی نوادرات مقصورہ و منبر کو سونے چاندی و جواہرات کے لالچ میں تہس نہس کر ڈالا اور ا
کی قیمتی لکڑیاں بیچ کھائیں۔ سولھویں صدی میں مسجد کی چھت کو ایک جگہ سے اکھاڑ کر اس میں ایک
نشیمن تیار کیا گیا جس پر مسیحی معماروں و صناعوں کو ناز تھا کہ انھوں نے اس کو عربی طرز تعمیر ا
صنعت سے ملا دیا ہے چنانچہ اس کی داد و تحسین حاصل کرنے کے لئے انہوں نے اس وقت کے
بادشاہ چارلس پنجم کو اس کے ملاحظہ کے لئے بلا بھیجا۔ بادشاہ نے جب اس عمارت کو دیکھا تو
اسقف اعظم نے جو اس کے ہمراہ تھا چیں بجبیں ہو کر کہا کہ " افسوس ہے کہ جو چیز تم نے یہاں بنائی
وہ دوسری جگہ بھی بن سکتی تھی مگر جس چیز کو تم نے بگاڑا ہے اس کا مثل اب کبھی میسر نہ ہ

محفوظ دو دستبرد سے محراب قبلہ محفوظ رہ گئی ہے۔ اسکاٹ لکھتا ہے کہ "اگرچہ مسجد کو بہت کچھ مسخ کر دیا ہے مگر جو کچھ بھی باقی ہے اس سے ایشیائی شان و شوکت اور رعب و داب ٹپکتا ہے اور ایک مٹی ہوئی قوم کی تہذیب کی تصویر ہے" لین پول پرجوش الفاظ میں رقمطراز ہے کہ "اس موجودہ حالت میں بھی جب کوئی سیاح اس کے ستونوں کے بیچ میں کھڑے ہو کر کسی ہیبت ناک بن کے خود رو درختوں کی طرح ان کو چاروں طرف حد نظر تک پرے باندھے دیکھتا ہے تو حیرت و استعجاب سے خود نقش دیوار ہو جاتا ہے۔ سنگ مرمر، زبرجد اور سماق کے پھول جو دیواروں میں بنائے گئے تھے ابھی تک گل چینیوں کے ہاتھوں سے محفوظ ہیں چمکدار شیشوں کے پھول پتیاں رنگ برنگ کی خوشنما گلکاریاں در و دیوار میں ہیروں کی طرح چمک چمک کر حسرت سے وہ متبرک ہاتھ یاد دلا رہی ہیں جو ان کو بنانے کے لئے آئے تھے۔ خاص درجہ کی بے مثال صناعی اس کی خوب صورتی اور اس کی محرابوں کی وضع اور بناوٹ اور پاکیزگی کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے گویا ابھی تعمیر ختم ہوئی ہے۔ احاطہ بھی ابھی تک زمانے کی نظر بد سے محفوظ ہے اور چاروں طرف نارنگی کے درختوں نے جو ستونوں کے ساتھ ساتھ چلتے گئے ہیں ان کو اپنے قدرتی دامنوں میں چھپا لیا ہے۔ غرضیکہ اس خانہ خدا کی دلفریب فضا عالی شان عمارت اور صنعت ہر شوقین سیاح سے بحرمت اس عظمت کا تقاضہ کر رہی ہے کہ چند قطرے آنسوؤں کے اس پر بہائے"۔ ایک ہزار سال گزر جانے کے باوجود اس کے نقش و نگار آج بھی اسی طرح چمک رہے ہیں جیسا کہ اس روز جبکہ یہ بنائے گئے تھے۔ کوئی عالم دین، صناع، مصور، شاعر، طالب علم یا زمانۂ قدیم کے اشیاء کا شوقین جتنی دفعہ اس مقدس مقام میں جاتا تھا۔ اتنی ہی مرتبہ ایک نیا شرح صدر ہوتا تھا۔

اسپین کے ایک عیسائی ماہر آثار قدیمہ نے اپنے متعصب مسیحی بھائیوں کی اس جاہلانہ حرکت پر اظہار افسوس کیا ہے کہ انھوں نے عربی طرز تعمیر کے ایسے حسین و جمیل نمونے جس کی نظیر دنیا میں نہ تھی، کس کس طرح بگاڑنا چاہا۔ پھر بھی اسلام اور عربیت کے جو جوہر اس میں موجود تھے ان کو مٹائے نہ مٹ سکے۔ یہی مصنف دردمندانہ الفاظ میں لکھتا ہے کہ "نہ تو آپ کا یہ مکلف مفتخر مطرانی کلیسا جو آج مسجد کی بے شمار ستونوں والی چھت کو توڑ کر اپنا سر سب سے اونچا کئے ہے۔ ورنہ اعلیٰ صنعت اور کاریگری کے وہ خزانے جو سولھویں صدی کے مشہور عیسائی صناعوں

نے اس پر لٹائے ہیں اور نہ وہ عہد رفتہ کی قربان گاہوں کا لامتناہی سلسلہ جو مسجد کی
دیواروں کے سہارے بنایا گیا ہے۔ مسجد کی اصل شکل و صورت کو بگاڑ سکتا ہے اور نہ آپ
جو شکل اور بھدے پتھر اور مٹی کے فرشتے جو معلوم ہوتا ہے اڑتے اڑتے رک کر قربان گاہ پر
لگے ہیں کہ عابدانِ مسیح پر اپنا نور برساتے جائیں اور نہ اس مسند روح القدس سے آپ کے
انجیل کے خطیبانِ اسلام کی شاہانہ عظمت و نیرنگی میں سرمو کمی کر سکتے ہیں جو آج محراب
مسجد میں اس مصحفِ پاک کو ڈھونڈھ رہی ہیں جس کے اوراق پر حضرت عثمان شہید کے خو[illegible]
کی افشانی تھی۔ یہ وہ مقام ہے جہاں واقعات سابقہ انسان کے دل پہ ہجوم کرتے ہیں جبکہ اف[illegible]
و ملال کے ساتھ وہ ان مسیحی عمارتوں کو دیکھتا ہے جو مسجد کی بے حرمتی کے لئے بنائی گئی ہیں۔
عمارتیں وہ ہیں جن کو ہمارے متعصب مگر خوش عقیدہ بزرگوں نے اس نسبت سے بنوا[illegible]
کہ جس مسجد کو انہوں نے مسیحی مذہب کے لئے پاک کیا ہے وہاں سے مسلمانوں کی روحیں جو ا[illegible]
میں بھٹکتی پھرتی ہیں، ہمیشہ کو دفع ہو جائیں گی۔ مگر یہ خیال غلط تھا اس مسجد کے چپے چپے
میں ان کی روح ہمیشہ موجود رہے گی۔ کیوں کہ باوجود ان تبدیلیوں اور قطع و برید کے جو مس[illegible]
نے پتھر کا کلیجہ کر کے سہی ہیں، اس کے سینے پہ ایک ایسے قانون کے مطابق جس کو کوئی نہیں م[illegible]
سکتا اس صنعتِ عالیہ کا نقشِ خاتم ثبت ہے جو اس کو وجود میں لایا تھا اور اس قوم کی طبیعت
اس کے در و دیوار سے ظاہر ہے جس نے اس کا نقشہ ڈال کر اس کو تعمیر کیا تھا۔

مدینۃ الزہراء

یہ چھوٹا سا شہر جبل مرینا کے وسیع و پرفضا دامن میں آباد تھا جس کو عہد اسلام میں جبل [illegible] کہتے تھے۔ اس کو شہر قرطبہ
سے قریبی تعلق تھا جو لال قلعہ کو شہر دہلی سے تھا۔ مدینۃ الزہرا [illegible] کی ترتیب
اس طرح تھی کہ ٹھیک پہاڑی کے ڈھلوان پر قصر شاہی تھا۔ نشیب [illegible] آخر میں
کی طرف محافظین فوج، خواجہ سراؤں اور دیگر ملازمین شاہی کے [illegible] مکانات تھے
اس کے بعد امراء دولت، تاجروں اور دیگر عمائدین کے [illegible] تھے۔
سے آخر میں [illegible] باغ تھے۔ شہر کی آبادی پھیلتی ہوئی [illegible] مسجد قرطبہ تک
چلی آئی تھی۔

مدینۃ الزہرا کی خاص عمارتوں میں بادشاہی محل کی عمارت سب سے زیادہ پرتکلف
اور وسیع تھی۔ اس جنتِ ارضی کے احاطے میں جو نفیس و نادر چیزیں جمع کی گئی تھیں خواہ حسنِ
قدرت کی دکھانے والی ہوں یا انسان کی مصنوعات ان کا شمار کرنا مشکل ہے۔ پورا قصرِ شاہی
سفید، سیاہ، سبز، گلابی، سرخ اور نیلگوں رنگ کے قیمتی چمکدار سنگ مرمر سے بنا ہوا تھا۔
چار ہزار بوقلموں ستونوں کا ایک جنگل اس کی چھت کو اپنے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے
تھا۔ ستونوں کی مناسب وضع اور صفائی دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ گویا خراد پر
اترے ہیں۔ اس میں پندرہ ہزار دروازے تھے۔ جن پر صیقل کئے ہوئے لوہے اور پیتل کی
چادریں چڑھی ہوئی تھیں اور ان پر خوبصورت مینا کاری تھی۔ قصر کے صاف و شفاف
سنگ مرمر کے بالاخانے ان میں وسیع اور سراپا طلا کمرے۔ قبہ دار اور مدور نشست گاہیں
جن میں ہر قسم کی صناعیاں کمال کو پہنچائی گئی تھیں۔ اس کی اعلیٰ درجہ کی ساخت و تجویز۔
مکانات کی مناسبت و ترتیب۔ اس کے رنگ برنگ کے خوشنما سراپردے۔ اس کی بیش بہا زیبا رنگ
اس کے خالص طلائی اور سفید سنگ مرمر کے لوازمات آرائش و زیبائش۔ رنگ سازی
کی اعلیٰ درجہ کی کاریگریاں جنہوں نے تمام در و دیوار کو الوان رنگارنگ سے ایک دلفریب
قدرتی منظر بنا دیا تھا۔ دیواروں پر لٹکے ہوئے اس کے زرتار پردے جن پر کلفی دار
پرندوں اور چوپایوں کی تصویریں اس عمدگی سے بنائی گئی تھیں کہ جب ہوا میں پردے
ہلتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چوپائے چل رہے ہیں اور چڑیاں اڑ رہی ہیں۔ اس کی چھتوں
کے بیش قیمت خوشبودار لکڑیوں کے تختوں اور شہتیروں پر نازک و زرنگاری کام۔ اس
کے فرش کی خوبصورت پچیکاری۔ اس کی پاکیزہ جھیل جو نہایت صنعت سے ایک پوری
چٹان کو تراش کر بنائی گئی تھی۔ اس کے خوبصورت آبدان جو ہر وقت صاف و شفاف پانی
سے لبریز رہتے تھے۔ اس کے عجیب خوشنما حوض جن میں سونے اور چاندی کی بنی ہوئی مرغابیاں
مرغابیں اور بطخیں تیرتی پھرتی تھیں۔ اس کے بڑے بڑے مرمریں حوض جن میں تمام
سمندروں کی عجیب المخلقت رنگ برنگ کی مچھلیاں تیرتی پھرتی تھیں۔ اس کے سرسبز و
شاداب باغات جن میں انواع و اقسام کے پھولوں اور پھلوں کے درخت لگے ہوئے تھے

کہیں سرسبز و شاداب صنوبر کے جھنڈ بڑے سلیقے سے نظر آتے تھے۔ کہیں رنگا رنگ پھولوں کی
کیاریاں تھیں۔ سنگ مرمر کی روشوں پر مختلف رنگوں کے پتھروں سے دلفریب گل بوٹے بنے
ہوئے تھے۔ سنگ مرمر کی نہروں کے شفاف پانی میں درختوں کی ٹہنیاں بڑے لطف کے ساتھ
منعکس رہتی تھیں۔ کہیں کنج بنے تھے کہ جن کے تکلفات پر جنت نثار ہوتا تھا۔ کہیں خوشنما
رواق نظر آتے تھے جن پر سدا بہار بیلیں چڑھی ہوتی تھیں۔ کہیں مختلف جھاڑیوں سے
مصنوعی قلعے بنائے گئے تھے جن میں فصیلیں بھی تھیں مورچے بھی اور بروج بھی
صدہا خوبصورت فوارے تھے کہ جن میں کسی نامعلوم خزانۂ آب سے پانی آآ کر ایک شان
دلربائی کے ساتھ اپنے چھوٹنے کی بہار دکھلاتے رہتے تھے۔ بعض فواروں کے گرد
چھوٹی چھوٹی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں جن پر چھت جڑی ہوئی تھی۔ ایوان میں
مختلف رنگ کے شیشے لگے ہوئے تھے۔ ان فواروں سے جب پانی اچھلتا تھا تو ان
شیشوں سے قوس و قزح کے تمام رنگ اس پانی پر عجیب لطف کے ساتھ منعکس
ہو کر ایک محیر العقول سماں پیدا کر دیتے تھے۔ باغات سے ملحق قصر شاہی کے عجائب
گھر تھے۔ جن کے وسیع و عریض احاطوں میں ملک ملک کی چڑیاں اور جانوران صحرائی
قدرتی حالت میں رہتے تھے۔ تماشائیوں کے لیے یہ مقامات بہت دلچسپ تھے۔ یہ سب
اس قسم کے عجائبات و غرائب ہیں کہ انسانی خیال و عقل میں بمشکل آسکتے ہیں۔

مورخوں نے قصر الزہرا کے دو حصوں کا ذکر خاص طور پر کیا ہے ایک
مجلس مونس اور دوسرے قصر الخلفاء۔ مجلس مونس شاہی محل کا مشرقی ایوان تھا
اس میں دو حوض نصب تھے جو ملک شام کی صنعت کے بہترین نمونے تھے۔ ان میں
سے ایک حوض برنجی تھا اور اس پر ہر طرف سونا چڑھا تھا۔ اور آدمیوں کی ابھری ہوئی
تصویریں نہایت صنعت سے بنائی گئی تھیں۔ یہ حوض ناصر کو شاہ قسطنطنیہ نے بطور
تحفہ بھیجا تھا۔ دوسرا حوض جو سبز سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا۔ اس ایوان میں شاہی خوابگاہ
کے قریب نصب تھا اگرچہ یہ حوض بذات خود بہت خوبصورت تھا۔ ناصر نے اس کے
تکلفات میں مزید اضافہ کر کے اس کو اور بھی خوبصورت بنا دیا۔ اس کے چاروں

چالیس سونے کی جانوروں کی مورتیاں نصب کی گئی تھیں جو فسقیہ کے دارالصنعہ میں تیار کی گئی تھیں۔ یہ مورتیں شیر، ہرن، ہنس، عقاب، ہاتھی، کبوتر، مور، مرغ، شکرہ، مرغی، چیل اور کرگس کی تھیں ان سونے کی مورتیوں میں جواہرات جڑے ہوئے تھے اور ان کے منہ سے پانی کی دھاریں نکل کر حوض میں گرتی رہتی تھیں۔

قصر شاہی کا وہ ایوان جو قصر الخلفاء کہلاتا تھا اور باہر سے اپنے بانی کی دولت معنوی کو ظاہر کرتا تھا فن تعمیر کے بہترین مذاق اور اعلیٰ درجے کے کمال کو ظاہر کرتا تھا اور اپنی مثال آپ تھا۔ یہ عمارت مدور تھی اور سنگ مرمر کے ایک چبوترے پر بنی ہوئی تھی ممالک غیر کے سفیروں کو یہیں شرف باریابی بخشا جاتا تھا۔ یہیں سونے کا وہ تخت شاہی رکھا تھا جس پر جڑے ہوئے الماس، لعل اور زمرد کی جگمگاہٹ پر نظریں نہ ٹھہرتی تھیں۔ خلفاء اس پر جلوہ افروز ہو کر ایسی صولت و شوکت کا اظہار کرتے تھے کہ شاہان بغداد، قسطنطنیہ و ایلا قیصل کو خواب میں بھی اس کی ہمسری میسر نہ تھی۔ ان ایوان کی چھت اور دیواریں سپید اور شفاف سنگ مرمر کی تھیں جن کے بوقلموں نقش و نگار آنکھوں کے سامنے ایک گلزار دکھلاتے تھے۔ بیچ میں چھت سے لٹکا ہوا وہ گوہر نایاب تھا جسکو بادشاہ قسطنطنیہ نے ناصر کو تحفہ میں بھیجا تھا۔ ایوان کے قبہ کی چھت کو اوپر سے یکے بعد دیگرے سونے اور چاندی کی اینٹیں لگا کر گنگا جمنی بنا دیا گیا تھا۔ سورج کی شعاعیں جب اس پر پڑتی تھیں تو وہ شعلے کی مانند دمکنے لگتا تھا۔ ایوان کے عین وسط میں سنگ سماق کا ایک خوشنما حوض تھا۔ جس میں پارہ بھرا رہتا تھا۔ ایوان کے ہر ضلع میں آٹھ آٹھ محرابوں دار در تھے جن میں کواڑ لگے تھے۔ محرابیں اعلیٰ درجے کے جوہر دار سنگ سلیمانی اور بلوریں ستونوں پر قائم تھیں۔ جن کے سنہری گل بوٹوں میں زیبا رنگ مینا کاری تھی اور ان پر جگہ جگہ جواہرات کی ترصیع تھی۔ پیشانی پر خط کوفی میں جس قدر کتبے تھے۔ سب سونے کے حروف سے لکھے تھے۔ کواڑ آبنوس اور ہاتھی دانت کے تھے جن پر سنہری کام کر کے جواہرات جڑے تھے جس وقت دھوپ ان ایوان کے اندر آتی تھی تو چھت اور دیواریں اس طرح چمکنے لگتی تھیں کہ دیکھنے والوں کی نظریں خیرہ ہو جاتی تھیں۔ ناصر جب حاضرین پر رعب طاری کرنا چاہتے تھے تو کسی صقلبی غلام کو اشارہ کر دیتے تھے اور وہ کسی نامعلوم

اختراع سے پارے کو ہلا دیتا تھا، پارے کے ہلنے سے دھوپ کی شعاعیں بجلی کی طرح تمام کمرے میں کوندنے لگتی تھیں اور حاضرین یہ سمجھ کر کہ تمام کمرہ گردش کر رہا ہے خوف سے کانپنے لگتے تھے جب تک پارے کی جنبش رہتی تھی سب پر یہی حالتِ خوف و ہراس طاری رہتی تھی۔ سیماب کی حرکت اور شعاعوں کے تڑپنے سے بعض لوگ کہتے تھے کہ یہ ایوان آفتاب کے ساتھ ساتھ اس طرح گردش کرتا ہے کہ اس کا رخ ہمیشہ آفتاب کے سامنے رہتا ہے یا یہ کہ پارے کا حوض ایک محور تھا جس کے گرد کل ایوان چکر کھاتا تھا۔

غرض قصر الزہراء کیا تھا سنگ مرمر کا کوئی طلسم تھا یا کوئی خوش نما رنگین پہاڑ۔ کہتے ہیں۔ کہ قصر شاہی کی تعمیر کے بعد جب ملکہ اس کو دیکھنے آئیں تو ایک طرف تو سنگ مرمر کے محل اور اس کا دلفریب حسن نظر آیا مگر دوسری طرف جانب شمال مورینا کے سیاہ و بدنما پہاڑ نظر آئے یہ دیکھ کر وہ خلیفہ سے کہنے لگیں "کیا آپ اس کنیز کو باوجود اس کے حسن و جمال کے ایک زنگی کی گود میں نہیں دیکھتے؟"۔ الناصر نے اتنا سنتے ہی حکم دیا کہ اس کالے پہاڑ کو یہاں سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ یہ تو خیر ممکن نہ ہو سکتا تھا لیکن اس کا تدارک اس طرح کیا گیا کہ پہاڑ کے تمام جنگلی درختوں کو کاٹ کر جگہ جگہ میوے دار درختوں کے باغ لگا دیئے گئے۔ اور کل پہاڑ کو درختوں کی زیبائش سے ایک دلہن بنا دیا چنانچہ اسی دن سے اس پہاڑ کا نام جبل العروس ہو گیا، ہرے بھرے پہاڑ کے دامن میں قصر الزہراء اب ایسا دلکش معلوم ہونے لگا۔ جیسے زمرد کی پیالی میں رنگ برنگ کے موتی جڑے ہوئے ہوں۔

مدینۃ الزہراء کی جامع مسجد بھی شان و شوکت کے لحاظ سے قصر شاہی سے کچھ کم نہ تھی۔ یہ ایک چھوٹی سی مسجد تھی جس میں پانچ دہن والے دالان تھے۔ مسجد کا مجموعی طول محراب کو چھوڑ کر ۱۶۹ فٹ تھا اور مجموعی عرض شرقاً غرباً ۱۰۳ فٹ تھا۔ مسجد کے صحن میں گلابی رنگ کا پتھر لگایا گیا تھا۔ وسط صحن میں ایک حوض اور فوارہ تھا جس سے نہایت صاف پانی نمازیوں کے لئے ہر وقت جاری رہتا تھا۔ مسجد میں ایک طرف ایک جرجہل مینار تھا جس کے قاعدے کا ہر ضلع ۱۰ فٹ تھا اور مینار کی بلندی ۲۰ فٹ تھی۔ مسجد کا

مقصورہ دیوار کلہ سے ملا ہوا جو صنعت سے بنایا گیا تھا اور بیش قیمت ساز و سامان سے اس کی دیواروں پر پھول بوٹے بنائے گئے تھے۔ مقصورہ کے لئے جو منبر تعمیر کیا گیا وہ بھی نہایت خوبصورت اور خوش وضع تھا۔

اس عدیم المثال شہر کی تعمیر چالیس سال میں جا کر مکمل ہوئی۔ یعنی ۲۵ سال ناصر کے اور ۱۵ سال الحکم کے عہد حکومت کے۔ حقیقت یہ ہے کہ مدینۃ الزہرا کی عالی شان عمارتیں اس کے فضا افزا باغات۔ اس کی صاف ستھری نہریں اور چوڑی چکلی سڑکیں جن کے دونوں طرف میوے دار درخت سایہ کئے رہتے تھے۔ اس کے پر رونق و کشادہ بازاروں میں زریں لباس سرہنگوں، خوش پوش غلاموں اور خواجہ سراؤں کے جھرمٹ۔ پھر قصر شاہی میں ہر وقت امرا، وزرا۔ فقہا و قضاۃ کی آمد و رفت۔ غرض یہ سب چیزیں کچھ عجیب دلکش منظر پیش کرتی ہوں گی۔ اس زمانے میں اکثر لوگ باہر سے اس غرض سے اندلس میں آتے تھے کہ مدینۃ الزہرا اور اس کے قصر شاہی کو ایک نظر دیکھ لیں تاکہ اس کے عجائب و غرائب کا تذکرہ کر سکیں۔ چنانچہ ہر قوم و ملک کے ذہین و نطین لوگوں، سرداروں اور سفیروں اور تاجروں و سیاحوں کی یہ متفقہ رائے تھی کہ باعتبار دلکشی جامے و وسعت۔ ساخت و تجویز اور تعمیری حسن مادر گیتی نے کوئی جگہ مدینۃ الزہرا کے مقابلے کی دیکھی ہے نہ دیکھے گی۔

ادب و سائنس ایام عروج خلافت یا زمانہ ما بعد میں ادب و سائنس کو قرطبہ میں جو ترقی ہوئی تھی۔ اس کی مثال نہیں ملتی۔ قرطبہ یونیورسٹی تمام یورپ میں نہایت حیرت و عظمت کے ساتھ دیکھی جاتی تھی۔ یہ مسلمانوں کے ایجاد کردہ فنونِ داخلی سے چلنے والے ایسے عجیب و غریب آلاتِ سائنس سے لیس تھی جو قرونِ وسطیٰ کے وہمی و جاہل عیسائیوں کے فہم و ادراک سے باہر تھے۔ انہیں دیکھ کر وہ یہ سمجھتے تھے۔ کہ ان میں شیطان کام کرتا ہے۔ اسی یونیورسٹی نے جناب پوپ کے تخت کو رونق بخشی تھی۔ ایک فرانسیسی راہب خیالاتِ ممنوعہ سے شرابور دسویں صدی میں اندلس آیا اور وہ مسلمانوں کے علوم سے مستفیض ہونے کی غرض سے قرطبہ یونیورسٹی میں داخل ہو گیا۔ یہاں سے فارغ التحصیل

ہو کر وہ اپنے وطن کو واپس لوٹ گیا اور اپنے ہمراہ بہت سے آلات سائنس اور کتابیں بھی لے گیا۔ یہ شخص بعد میں سلویسٹر ثانی کے لقب سے تخت پاپائی پر متمکن ہوا۔ لیکن اہل کلیسا بہت جلد اس کی آزاد خیالی کے دشمن ہو گئے۔ انہوں نے بوہیو را قیع امگی میں اس کی تجربہ گاہ پر ہلہ بول دیا۔ اس کو تباہ کر ڈالا اور پوپ کو ہلاک کر دیا (۱۰۰۳ء) اس طرح یورپ میں تحقیق و تفحص کی جو کرن چھوٹی تھی وہ تاریکی میں گم ہو کر رہ گئی اور دنیائے مسیحی مزید چار سو سال تک خواب جہالت میں پڑی خراٹے لیتی رہی۔ لیکن اس پورے عرصے میں علوم کی ضیائے اندلس سے نکل کر برابر آہستہ آہستہ اس تاریکی میں نفوذ کرنے میں سرگرم عمل رہیں۔

یونیورسٹی میں علم کی ہر شاخ کی تعلیم دی جاتی تھی اور اس کی معلمی پر صرف انہیں لوگوں کا تقرر ہوتا تھا جو وحید عصر ہوتے تھے۔ فرانس کا ایک فاضل ریبان رقمطراز ہے کہ دسویں صدی عیسوی تک ادب و سائنس کا مذاق دنیا کے اس امتیازی گوشے میں پیدا ہو چکا تھا۔ مذہبی رواداری جیسی کہ یہاں پائی جاتی تھی۔ زمانۂ حال مشکل ہی سے اس کی نظیر پیش کر سکتا ہے۔ مسلمان، یہودی اور عیسائی سب ایک ہی زبان بولتے ایک ہی گیت گاتے تھے اور ایک ہی ادبی و سائنسی مجالس میں شریک ہوتے تھے۔ رنگ و نسل کے تمام امتیازات مٹا دیئے گئے تھے۔ تہذیب و تمدن کے کاموں میں سب ایک جان ہو کر کام کرتے تھے۔ قرطبہ کی مسجدیں جن میں طلبا کی تعداد ہزاروں تک گنی جا سکتی تھی علوم سائنس و فلسفہ کا سرگرم مرکز بن گئیں"۔ اسی طرح ایک اور مصنف لین پول لکھتا ہے کہ " قرطبہ کے باغوں کی نظارت اور تر و تازگی اس کے مکانات کی رفعت و خوبصورتی جس قدر زیادہ تھی اسی قدر علوم و فنون میں بھی اس کا مذاق بڑھا ہوا تھا اس کی روح بھی ویسی ہی حسین و دلکش تھی جیسا کہ اس کا جسم۔ اس کے پروفیسروں کے علمی کمالات نے اس کو یورپ بھر کا مرکز علوم و شائستگی بنا دیا تھا۔ یورپ کے ہر حصے سے طالبان علم اس کے نامور اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرنے آتے تھے۔ ہر شاخ علم کی تعلیم و تدریس پر کامل توجہ دی جاتی تھی۔ بالخصوص علم طب کو اندلس کے سرجنوں اور ڈاکٹروں کی تحقیقات سے اس قدر وسعت و ترقی ہوئی کہ تمام گذشتہ صدیوں میں بہ استثنائے عہد جالینوس نہیں ہوئی تھی۔ چنانچہ ابو القاسم خلف جو گیارھویں صدی میں اس فن کا نہایت مشہور استاد تھا۔ اس کے بعض طبیا

بعینہ زمانۂ حال کے عملیات سے مطابقت رکھتے ہیں۔ علم ہیئت، جغرافیہ، کیمیا، علم طبیعیات غرضیکہ کوئی شاخِ علم ایسی نہ تھی جس کی بطریقِ احسن تعلیم نہ دی جاتی تھی۔ بلحاظ شعر و سخن مقبول انام ہونے کے شاید یورپ بھر میں یہ سب سے پہلا زمانہ تھا۔ ہر کس و ناکس عام باتیں بھی نظم ہی میں کرتا تھا اور کوئی چھوٹا بڑا ایسا نہ تھا جس کو تلمیذ الرحمٰن ہونے کا دعویٰ نہ ہو۔ اسپین کے بھاٹوں نیز اٹلی اور پروونس کے شاعروں نے بعد کو زیرِ نظم اور گیت گڑھنے میں شاید انہیں عرب تصانیف کو سرمشق بنایا ہے۔ کوئی خطبہ کوئی تقریر اس وقت تک مکمل نہیں سمجھی جاتی تھی جب تک کہ اس میں ایک دو شعر بطور چاشنی ہوتے خواہ متفرد، یا خطیب کے حسب موقع برجستہ تصنیف سے یا کسی اور شاعر کی طبع زمائی سے۔ گویا اس وقت تمام اسلامی اسپین میوز (شعر و سخن کی دیوی) کی پرستش کر رہا تھا۔ خلیفہ سے لے کر ایک ادنیٰ ملاح تک قصیدے اور غزلیں تصنیف کرتے تھے۔"

شجاعت — قرطبہ محض ادب و سائنس، آرٹ و کلچر، صنعت و حرفت اور تجارت ہی کا گہوارہ نہ تھا بلکہ یورپ کا یہی وہ پہلا گہوارہ تھا جس میں فنِ شجاعت و سپہ گری نے آنکھیں کھولیں، پرورش پائی اور پروان چڑھا۔ اس کے میدان شہسواروں سے بھرے رہتے تھے۔ شجاعت عربوں کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ ریناد اور ڈانٹے وغیرہ اس کے ستقریں کو ناصر۔ المستنصر اور حاجب المنصور ہی کے زمانے میں اس فن کے تمام اصول و قواعد مثلاً زیر دستوں کی حمایت، صنفِ نازک کے لئے فداکاری بلند پایہ اخلاق کا ارفع و اعلیٰ تصور وغیرہ وضع ہوئے جنہیں بعد میں مغربی اقوام نے اختیار کر لیا۔ جس کی وجہ سے نظام الاقطاعی یورپ کی وحشیانہ گنوارانہ کھیر لطافت سے بدل گئی۔ بیرونی ممالک کے شہسوار حفظ امان کی پوری ضمانت کے ساتھ مسلمان شہسواروں سے نیزہ بازی، شمشیرزنی اور تیر اندازی کا مقابلہ کرنے میدان میں آتے تھے۔ اپنے خود یا کاندھوں پر اپنی محبوبہ کی کوئی علامت لگا کر کھلاڑی میدان میں اترتے اور نہایت مہذبانہ طریقے سے اپنے کرتبوں کا اظہار کرتے۔ عربوں کی حسین و جمیل خواتین بھی بے نقاب ہو کر

ان کھیل تماشوں کا نظارہ کرتیں۔ ان کی موجودگی نہ صرف ان تقریبات کی شان دوبالا کرتی
تھی بلکہ بہت سی تمدنی خرابیوں میں اتالیق کا کام کرتی تھی۔ بیان کے الفاظ میں عربوں کے اوصاف
میں ایک عجیب وغریب شان فیاضی و مجیری پائی جاتی تھی جنھیں دوسری اقوام میں تلاش کرنا
تھا اور جنہوں نے اندلس میں ان کے آخر زمانۂ سلطنت تک ان کو یورپ بھر میں ممتاز کر رکھا تھا
کوئی شخص کامل شریف یا بہادر نہیں کہلایا جا سکتا تھا جب تک کہ اس میں یہ دس صفات نہ
پائی جاتی ہوں۔ یعنی خوشی خلق۔ نیکی۔ فصاحت۔ ملکہ شاعری طاقتِ جسمانی۔ شجاعت
شہسواری۔ شمشیر زنی۔ تیر اندازی اور خنجر بازی۔

غرضیکہ اس میں شک نہیں کہ شہر قرطبہ بنے عرب حکمرانوں کے زیر سایہ جمیع علوم
فنون۔ صنعت و حرفت بلکہ تمام تہذیب و شائستگی میں دنیا کا ایک گہوارہ بدار تھا۔ اس رشک
وعالیاں شہر کے گرد و نواح میں اس وقت جو ویرانی اور پریشانی پائی جاتی ہے اس کو دیکھ کر
چشم تصور کسی طرح اندازہ نہیں لگا سکتی کہ ایام عروجِ خلافت میں یہی خطہ کیا حیثیت رکھتی
تھی۔ بہرحال یہ تھی دسویں صدی عیسوی کی اس محیر العقول سلطنت کی ایک جھلک جس کی
تہذیب قرونِ وسطیٰ کا ایک عجوبہ تھی۔

۔ قرونِ وسطیٰ یا زمانۂ مابعد میں تہذیب و شائستگی کی کوئی ایسی بین مثال نہیں ملتی

مسیحی یورپ ۔۔ جیسی کہ اسلامی اندلس اور کیتھولک یورپ کی تھی۔ ادھر تو اندلس اسلام کے
کی عام حالت زیر خضاب مستم بالشان تہذیب و تمدن کی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ ادھر مسیحی یورپ
پر وحشت و جہالت کی گھنگھور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ یورپ کی زبانیں ہنوز اپنی تشکیل کے
ابتدائی مراحل سے گزر رہی تھیں۔ جبکہ عربی زبان آں حضرت صلعم سے ایک صدی قبل درجۂ کمال پر پہنچ
چکی تھی۔ اور اندلس میں ہر بچہ بچہ فن بدیہہ گوئی میں طاق تھا۔ زرق برق لباس اور شراب ارغوانی
اور گوری گوری عورتوں کے چاہنے والے پادریوں نے یورپ کی ناک میں نکیل دے رکھی تھی۔ پادریوں
کی گناہ آلود زندگی ضرب المثل بنی ہوئی تھی۔ دیندار عیسائی اس مقدس پیشے سے اس درجہ متنفر
ہو چکے تھے کہ اگر وہ اپنے کو بددعائیں دیتے تو اس طرح کہتے کہ "اگر میں نے فلاں کام کیا ہو یا
کام کروں اس کے کرنے سے پہلے خدا مجھے پادری بنا دے"۔ ایک عیسائی کا فرض اولین یہ تھا کہ

ایک راہب فخریہ کہتا تھا کہ چالیس سال سے اس کے جسم پر پانی کا ایک قطرہ نہیں لگا ہے۔ سوائے اس مقد
کے جب اس کو کسی دینی رسم کی ادائیگی میں پوروں تک اپنی انگلیاں پانی میں بھگو لینی پڑیں۔ جبکہ اندلس میں
تر مسلمان اطباء حفظانِ صحت کے اصولوں پر عمل کر رہے تھے لیکن یورپ میں بیماری جس چیز کا نام تھا
وہ ارواح خبیثہ کا عمل تھا یا پادریوں کے احکامات کی عدم تعمیل اور اس کا علاج صرف اولیاء کے
تبرکات کی زیارت اور تعویذ گنڈوں کا استعمال تھا۔ یوں صدیوں تک ہزاروں جانیں اس مقدس
پیشہ والوں کی تختۂ مشق بنی رہیں۔ علوم طبیہ اور حفظانِ صحت کے اصولوں کے افسوس ناک فقدان
کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ تیرھویں صدی عیسوی میں یورپ کے ۱۹ ہزار جذامی خانوں میں سے
دو ہزار صرف فرانس میں تھے۔ چودھویں صدی کا وہ خوف ناک طاعون جس نے یورپ کی نصف آبادی
کا صفایا کر دیا۔ یورپ کے شہروں کی عدم صحت و صفائی کی کافی شہادت ہے

غرض قرونِ وسطیٰ کے یورپ کے تاریک نقشہ پر اگر کوئی روشن مقام نظر آتا تھا تو وہ
زمانے کا اندلس تھا۔ وہ یورپ جس پر ظلمت چھائی ہوئی تھی اندلسی عربوں ہی کی بدولت ابن رشد کے
فلسفہ۔ ابن بیطار کے علم نباتات۔ ابوالقاسم کے علم جراحی۔ ابن العوام کے علم زراعت اور ابن الخ
کے علم تاریخ سے روشناس ہوا۔ آخر کار صدیوں بعد مارٹن لوتھر جیسا صاحب الرائے شخص پیدا ہوا جس
نے یہ کہہ کر کہ ہر شخص کو اپنی عقل کے موافق مسائل دینیہ اور اناجیل کی تفسیر کرنے کا حق حاصل ہے تختِ پا
کی جڑیں ہلا ڈالیں اور اس طرح اندلس کی عظیم الشان تہذیب کے طفیل یورپ کے نشاۃ ثانیہ ا
اصلاحِ مذہبی کا آغاز ہو کر عصرِ جدید کی بنیاد پڑی۔

ابن ابی عامر

خلیفہ المستنصر باللہ اپنے آخری زمانۂ حکومت میں مجالس علمیہ منعقد کرنے میں کچھ
ایسا منہمک ہوئے کہ پھر انہیں کسی بات کا ہوش نہ رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قصرِ خلافت خود غرض ملازمین
شاہی کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا آماجگاہ بن گیا۔ یہاں ناظرین کو ایک ایسے شخص کے
حالات سے روشناس کراتے ہیں جس کا ستارہ اقبال ایک مطلع سے دوسرے مطلع پر چمکتا رہا
اور مطلع خلافت پر آفتاب نصف النہار بن کر چمکا۔ اس کا نام محمد بن عبداللہ بن ابی عامر تھا اور
قبیلہ یمانیہ کے خاندان معافر سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا مورثِ اعلیٰ عبدالملک المعافری طارق کے
ہمراہ اندلس میں داخل ہوا تھا اور جزیرہ نمائے اسپین میں نمایاں خدمات انجام دینے کے
صلے میں اس کو اعمال جزیرۃ الخضراء میں سے قریہ طرش میں جاگیر عطا ہوئی تھی۔
محمد ابن ابی عامر نے اسی دیندار گھرانے میں آنکھیں کھولی تھیں اس کے سریع عروج کو
سمجھنے کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس کی سیرت کی تشریح کر دی جائے۔ وہ بڑا
پابند مذہب، ذہین و فہیم، شجاع، فنونِ حرب و سیاست کا جامع شخص تھا۔ کفایت شعار بھی
تھا لیکن ضرورت پڑنے پر بلا کا فیاض بھی۔ دلوں کو اپنی طرف مائل کرنے اور فوری کامیابی حاصل
کر لینے میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ راز سینہ اہل تھا اور اپنے نصب العین کے حصول میں دغا و
فریب سے کام لینے میں اسے کبھی پس و پیش نہ ہوتا اور چہرے سے ہمیشہ متفکر نظر آتا۔

محمد ابن ابی عامر لڑکپن ہی میں طرش سے قرطبہ چلا آیا۔ مشاہیر علماء سے حدیث و فقہ
کی تعلیم حاصل کر کے اسی میں خود کو ممتاز بنایا اور اپنے چچا اور ماموں کی طرح ناصب

کی روش اختیار کی۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ وہ اپنے چار ہم جماعتوں کے ساتھ قرطبہ سے باہر
تفریح کے لئے گیا ہوا تھا۔ ایک باغ میں بیٹھے اس کے چاروں رفیق ہنسی مذاق
میں مشغول تھے مگر وہ کسی غور و فکر میں محو تھا۔ آخر بڑی دیر کی گہری سوچ کے بعد
یکایک ان کو مخاطب کر کے بولا کہ اندلس کی زمام حکومت بہت جلد میرے ہاتھوں میں آنے
والی ہے جو کچھ مانگنا ہے مانگ لو۔ اس کو مجذوب کی بڑ سمجھ کر سب نے ایک فرمائشی قہقہہ
لگایا۔ لیکن جب اس کے چہرے پر یقین و متانت کے آثار دیکھے تو ہر ایک نے ایک ایک عہدے
کی فرمائش کی مگر ایک نے پھر بھی ازراہ تمسخر کہا کہ میرا منہ کالا کر کے تمام جسم پر شہد مل
دینا اور گدھے پر الٹا سوار کرا کے قرطبہ کے گلی کوچوں میں مجھے پھرانا تاکہ مکھیاں چمٹتی
جائیں اور ڈنک مارتی جائیں۔ ابن ابی عامر نے جواب دیا کہ دوستو ایسا ہی ہوگا۔ اس کے بعد سب
الگ الگ ہو گئے۔ گھر آ کر وہ اپنے کمرے میں بیٹھا لیکن سوچ میں پڑ گیا۔ دوسرے روز صبح
تو نصف شب اس کا ایک رشتے دار [illegible] آنے کو ہے یہاں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہے کہ ابن ابی عامر
کو اسی طرح اسی حالت میں بیٹھا پایا۔ جب کہ وہ گذشتہ شب اس کو چھوڑ گیا تھا اور
اس کے بستر پر شکن کا نام تک نہ تھا۔ وجہ دریافت کرنے پر کہنے لگا جواب دیا کہ وہ دن
دور نہیں کہ میں اس پورے ملک اندلس کے سیاہ و سفید کا مالک ہوں گا۔ اس وقت کے لئے
سوچ رہا ہوں کہ قرطبہ کے موجودہ قاضی (منذر بن سعید) کے انتقال کے بعد اس عہدہ
جلیلہ پر کس کا تقرر کیا جائے۔ رشتہ دار نے محمد بن اسحٰق بن سلیم کا نام تجویز کیا۔ ابن ابی عامر
خوش ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ میں نے بھی تمام رات کے غور و خوض کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچا
ہوں۔ غرض اس شخص کے بڑے عجیب و غریب حالات و کوائف ہیں۔

تحصیل علم کے بعد وہ قصر خلافت کے قریب ایک دوکان لے کر بیٹھ گیا اور اہل سرکار
شاہی کے متعلقہ خدام کے خطوط اور خلیفہ کے نام اہل غرض کی عرضیاں لکھ کر گزر اوقات
کرنے لگا۔ ان ہی دنوں شہزادہ ہشام کی والدہ ملکہ صبح کو جو حرم خلیفہ کی چہیتی بیوی تھیں جاگیر
کے لئے ایک منتظم کی ضرورت پڑی۔ بعض خواجہ سراؤں نے ملکہ سے ابن ابی عامر کی تعریف و
توصیف کی۔ چنانچہ ۳۵۶ھ / ۹۶۷ء میں اس اسامی پر ابن ابی عامر کا تقرر ہو گیا۔ اس خدمت

اور اس نے بڑی دیانتداری و مستعدی سے انجام دیا۔ اس کی خدمت سے ملکہ اس قدر خوش
ہوئیں کہ خلیفہ الحکم سے سفارش کر کے اس کو بعض مضافات کا قاضی مقرر کرا دیا۔ اس عہدہ
پر بھی اس کی لیاقت کا اظہار ہوا اور چند ہی ماہ بعد اس کو ترقی دے کر اشبیلیہ کی زکوٰۃ و مواریث کا
اعلیٰ افسر بنا دیا گیا۔ لیکن دارالخلافہ سے دوری اس کو اپنے نصب العین کے حصول میں مانع نظر آئی۔
وہ ہوشیار اور زمانے کی رفتار سے واقف تھا۔ اپنی خداداد قابلیت، شائستہ اطوار اور تحائف
وہدایا سے ملکہ کے دل پر وہ اثر ڈالا کہ کسی دوسرے کی گنجائش نہ رہ گئی۔ ساتھ اس نے اپنے حاجب
مصحفی کی اطاعت و فرمانبرداری میں بھی ذرہ برابر کوتاہی نہ کی۔ آخر ملکہ کی مہربانیوں کی بدولت
اس کو ۳۵۸ھ/۹۶۸ء میں قرطبہ میں محکمہ دارالضرب کی اعلیٰ افسری تفویض کر دی گئی۔ یہاں ہر قسم کے سکے ڈھالے
جاتے تھے۔ اس کو اپنی خود غرضانہ فیاضیوں کے دکھلانے کا خوب موقع ملا۔ قصر شاہی کے خواجہ
سراؤں، امراء اور رؤسا اور دولت کو جو اپنی مسرفانہ طرز رہائش سے تنگدست ہو رہے تھے اس
نے روپیہ دے دے کر اپنی طرف مائل کرنا شروع کر دیا۔ عوام الناس کی بھی حاجت روائی کرتا رہتا۔
اس کی شہرت و مقبولیت قرطبہ کے گلی کوچوں میں پھیل گئی اور رصافہ کے قریب اس کے
محل پر ارباب غرض کا ہجوم رہتا۔ محل سرائے شاہی کی بیگمات کو ایسے نادر تحائف
دیتا۔ کہ الحکم کے دیئے ہوئے تحفے ان کی نظروں میں نہ جچتے تھے۔ جس کا اعتراف
خود الحکم اپنے مصاحبین سے کیا کرتا تھا۔ ان تحائف میں قصر الزہراء کے نمونے
پر چاندی کا ایک مختصر سا محل تھا۔ جس کو ابن ابی عامر لوگوں کے کندھوں پر اٹھوا کر
ملکہ صبح کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے محل سرائے شاہی میں لے گیا تھا۔

غرض ان ہی ترکیبوں اور تدبیروں سے اس نے دربار میں ایک ایسا فریق پیدا کر لیا۔ جو
ہمہ وقت اس کی خیر خواہی کا دم بھرتا رہتا تھا۔ ایک قلیل مدت میں اس کی سریع ترقیات نے
اس کے بہت سے حاسد بھی پیدا کر دیئے۔ جنھوں نے اس پر شاہی خزانے میں خرد برد کرنے
کا الزام لگایا۔ الحکم نے اس کو حساب فہمی کے لئے طلب کر لیا۔ ابن ابی عامر فوراً بھاگا ہوا وزیر
ابن حدیر کے پاس پہنچا۔ سارا قصہ اس سے کہہ سنایا اور اس سے مطلوبہ رقم لے کر قصر خلافت میں
حاضر ہو گیا۔ اب کیا تھا مقدمہ بالکل الٹ گیا۔ جعل خور خجل و خوار ہوئے اور الحکم دیگر

امراء و وزراء کی نظر میں بھی ابن ابی عامر کی عزت بڑھ گئی کیونکہ اس کے عہدے میں اضافہ ہو گیا ۳۶۱ھ/۹۷۲ء میں الحکم نے ملکہ صبح کی سفارش سے اس کو قرطبہ کے ایک دستہ فوج کا افسر مقرر کیا جس کا کام دارالخلافہ میں امن و امان قائم کرنا تھا۔ اس وقت اس کی عمر اکتیس سال کی تھی۔ مغرب الاقصیٰ کی مہم میں خزانہ پر کافی بار پڑا تھا چنانچہ خلیفہ نے ابن ابی عامر کو ۳۶۲ھ/۹۷۳ء میں وہاں کا صاحب شرطہ مقرر کر کے روانہ کیا اور تمام افسران فوج کو حکم بھیجا کہ ابن ابی عامر کے مشورے اور اجازت کے بغیر کوئی کام نہ کریں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ابن ابی عامر کو فوج اور اس کے افسروں سے واسطہ پڑا تھا۔ لیکن اس نے اپنے فرائض کو اس خوش تدبیری سے انجام دیا کہ فوجیوں کی مالی حالت کی جانچ پڑتال بھی ہو گئی اور انہیں ناگوار بھی نہ گزرا۔ بعد تفتیش حالات اس نے قرطبہ کی جانب مراجعت کی اور سلک وزراء میں شامل کر لیا گیا۔ الحکم نے اپنے بیٹے ہشام کو جس کی عمر بارہ سال کی تھی اپنے تخت و تاج کا وارث بنایا تھا لیکن بوجہ اس کی کمسنی اس کے مستقبل سے ہر وقت فکرمند رہتا تھا۔ بہرحال اپنی وفات سے چند ماہ قبل اس نے تمام اعیان و اراکین دولت کو جمع کر کے ایک بار پھر بیعت شہزادے کے ساتھ وفاداری کا عقیدہ اقرار لیا اور اس کو وزیر ابن ابی عامر و حاجب المصحفی کی نگرانی اور ملکہ صبح کی سرپرستی میں سونپ کر اس یقین کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو گیا کہ زمام حکومت اس کے بیٹے کے ہاتھ ہی میں رہے گی اور سب لوگ اپنے عہد نامے کو پورا کرنے میں لگے رہیں گے۔[1]

۱؎ ابن عذاری ۲/۲۶۳-۲۸۶ ؛ عبدالواحد ۲۳-۲۲ ؛ ابن الخطیب ۲/۱۰۶-۱۰۱

ہشام ثانی المؤید باللہ

سنہ ٣٦٥ھ تا سنہ ٣٩٢ھ
٩٧٦ء ١٠٠٢ء

خلیفہ المستنصر باللہ کا مشکل سے دم آخر ہوا تھا کہ قصر خلافت کے صقلبی خواجہ سراؤں کے سردار فائق اور جوذر نے جو بڑے صاحب اختیار تھے حاجب المصحفی کو خلیفہ کے انتقال کی خبر سنا کر الحکم ثانی کے بھائی مغیرہ کو مسند آرا خلافت کرنے کی رائے دی۔ المصحفی ان کے اصل ارادوں کو زوڑا تاڑ گیا اور اپنے مرحوم آقا کی وصیت کی خلاف ورزی کو نمک حرامی پر محمول کر کے اس نے افسرانِ فوج سے مشورے کے بعد محمد ابن ابی عامر کو ایک دستہ فوج کے ساتھ مغیرہ کے مکان پر بھیج کر اس کو قتل کرا دیا حالانکہ المغیرہ ہشام سے بیعت کرنے پر بالکل تیار تھا اس کارروائی کے بعد ہشام ثانی کو تختِ سلطنت پر بٹھا کر "المؤید باللہ" کا لقب دیا گیا۔ اور المصحفی حجابت کا کام انجام دینے لگا۔ لیکن الحکم ثانی نے محمد ابن ابی عامر کی بلند نظری یا وفاداری کا جو اندازہ لگایا تھا وہ بڑا غلط نکلا۔ اس نے بہت جلد اراکین و رؤسائے دولت میں سے جو اس کے حریف ہو سکتے تھے بحکمتِ عملی کسی کو معزول کر دیا۔ کسی کا درجہ گھٹا دیا اور کسی کو کسی کے ذریعے قتل کرا دیا۔ یہ تمام امور ہشام کے فرمان کے ذریعے سرانجام پاتے رہے۔
رفتہ رفتہ اس نے اپنے تمام مخالفین کا استیصال امراء کی جماعت کو منتشر کر دیا اور فوج کو امور درشتی سے ملا لینے کے بعد اس نے کم سن خلیفہ ہشام کو شاہ شطرنج بنا کر قصرِ خلافت کی بساط پر بٹھا دیا اور خود سلطنت کا مختارِ کل بن بیٹھا۔

ابن ابی عامر کی شاطرانہ چالیں

ابن ابی عامر نے سب سے پہلے قصر شاہی کی صقلبی فوج اور خواج
سراؤں کو نکالنے کی فکر کی اور اس امر پر اس نے المصحفی کو ابھار
چنانچہ المصحفی نے ان سب کو جو تعداد میں تقریباً ایک ہزار تھے
بڑی ذلت کے ساتھ قصر سے نکال باہر کرکے ان کے بعض افسران کو قتل اور بعض کو جلا
کر دیا۔ اسی زمانے میں شمال کے عیسائیوں نے الحکم کی وفات سے دلیر ہو کر بیرونی علاق
جات پر لوٹ مار شروع کر دی اور تاخت و تاراج کرتے۔ قرطبہ کے دروازوں تک چلے آئے
المصحفی نے ان کی سرکوبی پر ابن ابی عامر کو مامور کیا ابن ابی عامر ایک لاکھ دینار کے ساتھ پہنچ
اپنی فوج کے سرحد پر جا پہنچا اور عیسائیوں کو مار بھگایا اور بہت سے قیدی لئے قرطبہ واپس آ
اس سے دارالخلافہ میں خوشیاں منائی گئیں اور فوج ابن ابی عامر کی سخاوت سے اس کی گرویدہ ہو
صقالبہ خدام خلافت کی بربادی کے بعد ابن ابی عامر کا دست شفقت حاجب المصحفی پر دراز
اور اس میں اس نے سرحدی افواج کے سپہ سالار غالب سے سازباز کی اور اس کی خدمت
کر دی اور المصحفی و غالب میں جو دشمنی چلی آتی تھی۔ مدبرانہ چالوں سے اس کو بڑھاتا رہا ا
ساتھ ہی المصحفی کو بھی اپنا سرپرست و محسن بنائے رہا۔ ان ہی دنوں ابن ابی عامر اپنی دو
مہم پر گیا اور عیسائیوں پر ایک شاندار فتح حاصل کی۔ مجریط میں اس کی ملاقات غالب سے
ہو گئی۔ اس نے غالب سے کہا۔ کہ تجھ جیسے سپہ سالار کو المصحفی کا ماتحت ہونا زیب نہیں دیتا
غالب ایک سیدھا سادھا سپاہی تھا۔ اس کے فریب میں آ گیا۔ اس نے خلیفہ کو ایک خط لکھا جس
میں ابن ابی عامر کی بڑی تعریفیں کر کے اس فتح کو اسی سے منسوب کر دیا تھا حالانکہ لڑائی
کا نقشہ خود غالب نے جمایا تھا اور ابن ابی عامر اس میدان میں ابھی مبتدی کی حیثیت
رکھتا تھا۔ ابن ابی عامر بہت سا مال غنیمت اور قیدیوں کے ساتھ قرطبہ واپس آ گیا۔ اس
سے اس کی شہرت و ہر دلعزیزی میں اور بھی ترقی ہو گئی۔ مجریط میں المصحفی کی بربادی کی
دونوں میں جو کھچڑی پکی تھی اس کے مطابق ابن ابی عامر نے صبح سے سفارش کر کے غالب کو
"ذوالوزارتین" (یعنی فوجی و دیوانی وزارتوں والا) کے جلیل القدر عہدے پر مقرر کر
اسی تدبیر سے المصحفی کے اختیارات سلب ہو گئے۔ قرطبہ کے صاحب الشرطہ کے عہدے پر

ابن ابی عامر کا تقرر ہوا اور اس کو شاہی خلعت عطا ہوئی۔ المصحفی کا بیٹا اس عہدے سے
معزول کر دیا گیا۔ اس عزل و نصب کی المصحفی کو خبر تک نہ ہوئی۔ ابن ابی عامر نے اس خدمت
کو اتنی سختی سے انجام دیا کہ شہر سے چوری و ڈکیتی کی واردات کا نام و نشان مٹا دیا۔
قصر خلافت کے دروازے پر جو لوگ متعین رہتے تھے ان کی ولایت بھی ابن ابی عامر نے
غالب کی اعانت سے اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس طرح المصحفی کے ہاتھ میں برائے نام
حکم کچھ رہ گیا۔

اب المصحفی خواب غفلت سے چونکا اور اس نے ایک خط کے ذریعے غالب کو ابن ابی عامر
کی ریشہ دوانیوں سے مطلع کرتے ہوئے اس کی طرف دوبارہ دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور
درخواست کی کہ وہ اپنی لڑکی کی شادی اس کے بیٹے سے کر دے۔ غالب نے اس رشتے کو
منظور کر لیا۔ لیکن ابن ابی عامر اس رشتے کو بھلا کیسے گوارا کر سکتا تھا اس نے غالب کو
طرح طرح سے دھمکیاں دیں اور اس کے دشمنوں رشتے داروں کو اس کے خلاف برانگیختہ
کر دیا۔ آخر غالب نے مجبور ہو کر اپنی بیٹی کی شادی ابن ابی عامر سے کر دی۔ ماہ محرم ۳۶۷ھ/۹۷۸ء
میں بیاہ وسی ایسے زور و شور سے تمام کو پہنچی کہ اندلس میں یادگار رہی۔ اس رشتے سے
ابن ابی عامر کو اور بھی تقویت ہو گئی اور اس کی عزت و حمایتوں میں بھی اضافہ ہو گیا وہ
ملکہ اور خلیفہ کو برابر المصحفی سے بدظن کرنے کی کوشش کرتا رہتا۔ اسی کے ...
سے غالب نے المصحفی اور اس کے رشتے داروں واحباب پر سرکاری روپے میں خیانت کا الزام
لگایا۔ نتیجہ میں سب کے عہدے جاتے رہے اور القابات و جاگیریں ضبط کر لی گئیں۔ بعضوں کو
قتل یا معزول کر دیا گیا۔ اور خلیفہ کے حکم سے المصحفی کو قصر الزہرا میں قید کر دیا گیا۔ اسی زمانے میں
ابن ابی عامر اپنے لشکر کے ساتھ اپنی تیسری مہم پر طلیطلہ کی جانب روانہ ہوا اور غالب کے لشکر کے ساتھ
مل کر قطاعلیا پر ایک اور کامیابی حاصل کر کے ان کے مقبوضات میں سے شنتکرا اور دیگر بہت سے قلعے فتح
کرلئے۔ اس کے بعد بہت سا مال غنیمت اور عیسائی امراء اور رؤساء کو اسیر کر کے قرطبہ واپس آیا۔
خلیفہ نے خوش ہو کر اس کو "ذوالوزارتین" کے خطاب سے سرفراز کر کے اس کو غالب کے ساتھ شریک
حاجب کر دیا۔ اب ابن ابی عامر نے المصحفی کی ذلت و خواری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ کٹھرے

کھڑے اس کی تمام جائداد ضبط کروادی۔ اس کے قصر کو جو قرطبہ کی عالی شان عمارات سے تھا خود خرید لیا اور اس کے رشتے داروں پر ڈھونڈ ڈھونڈ کر اتنے بھاری بھاری جرمانے عائد کئے کہ نوبت فاقہ کشی تک پہنچ گئی۔ آخر چند سال بعد اس نے زہر دے کر المصحفی کی زندگانی کا خاتمہ کر دیا اور کسی دربان کے پھٹے پرانے کپڑے میں کسی گمنام جگہ اس کو دفن کر دیا۔ گنتی کے چار رشتے دار اس کو رونے والے اور جنازہ کو کندھا دینے والے تھے۔ المصحفی بڑے کر و فر کا وزیر اعظم، بڑا بلند پایہ شاعر اور کثیر الاحسان شخص تھا۔ جس وقت وہ اپنے محل سے قصر خلافت کی طرف جاتا تھا تو حاجت مندوں کے کثرت اژدحام سے اس تک پہنچنا دشوار سمجھا جاتا تھا۔

اس کے بعد ابن ابی عامر نے اپنے خسر غالب گورنر مدینہ سالم کی اکھاڑ پچھاڑ جعفر علی بن حمدون والی مسیلہ کے ذریعے کی۔ جعفر شجاعت و مردانگی میں شیر کی مانند تھا۔ اور ابن کی دعوت پر اپنے چھ سو سواروں کے ساتھ افریقیہ سے آ کر اس کی ملازمت میں داخل ہو گیا۔ اس وقت تک غالب پر بھی ابن ابی عامر کی سازشیں کھل چکی تھیں اس لیے ملکہ اور خلیفہ کو بھی اس سے واقف کرانے کی کوشش کی۔ لیکن ابن ابی عامر نے عاقلانہ تدابیر سے اپنی گرفت اتنی مضبوط کر لی تھی کہ اب اس کی مخالفت محض دیوانگی تھی۔ خلیفہ اور ملکہ اگر دیکھتے تھے تو ابن ابی عامر کی آنکھ سے اور سنتے تھے تو اس کے کان سے۔ ان ہی دنوں غالب اور ابن ابی عامر اور ملکہ ایک پر گئے ایک قلعہ پر چڑھ کر دشمن کے حالات کا جائزہ لے رہے تھے کہ دونوں میں کسی بات پر تکرار ہو گئی۔ غالب نے کہا کہ "اے کتے! تو ہی ہے جس نے سلطنت کو خراب کیا اور قلعوں کو تباہ کیا" اور تلوار نکال کر اس پر حملہ کر دیا۔ لیکن کسی افسر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس لیے کاری زخم نہ لگا پیشانی پر معمولی سا زخم آیا۔ ابن ابی عامر اس خوف سے کہ غالب دوسرا حملہ نہ کر دے قلعے سے کود پڑا۔ غالب اسی غم و غصے میں جب عیسائیوں کے پاس چلا گیا اور ان کے ساتھ مل کر ابن ابی عامر کے مقابلے پر آ گیا۔ سخت لڑائی کے بعد ابن ابی عامر کی فوج فرار ہونے والی تھی کہ غالب رسالے کے ساتھ اس پر جھپٹا لیکن زخمی ہو کر اپنے گھوڑے کی کاٹھی سے اس زور سے ٹکرایا کہ وہ بیدم ہو کر زمین پر آ رہا۔ اس کی فوج نے اپنے سپہ سالار کو گرتے دیکھ کر راہِ گریز اختیار کی اور میدان ابن ابی عامر کے ہاتھ رہا۔ غالب کی لاش کشتوں میں پڑی تھی (۳۷۱ھ / ۹۸۱ء)

اس کے بعد ابن ابی عامر نے جعفر پر اعتماد کیا اور اس کے لئے اس نے عبدالرحمن بن تجیبی گورنر سرقسطہ اور دیگر امرائے عرب سے سازش کرکے ایک بار جعفر کی ضیافت برپا کی۔ جعفر جب بدمست شب کو شراب کے نشے میں جھومتا جھامتا اپنے مکان کو واپس جانے لگا۔ تو سرداران مذکور کے آدمیوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ چند سال بعد ابن ابی عامر نے عبدالرحمٰن بن محمد تجیبی کو بھی تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ غرض اسی طرح جب سلطنت اراکین و درباردولت سے خالی ہو گئی۔ تو اس نے زمام حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ برسراقتدار آنے کے بعد وہ اپنے پرانے ہم جماعتوں کو نہ بھولا۔ سب کو ڈھونڈ بلایا اور ان کو وہی کچھ دیا جس کی انہوں نے فرمائش کی۔

مدینۃ الزاہرہ

امور سلطنت جب تک قصر الزہراء میں انجام پاتے رہے ابن ابی عامر کو ہر وقت یہ خدشہ لگا رہتا تھا کہ کوئی ہوشیار امیر و وزیر امور اور نیا سپہ سالار نو عمر خلیفہ کی طبیعت پر قابو پاکر کہیں اس کی تباہی کا موجب نہ بن جائے۔ اس لئے اس نے قرطبہ کے جنوب میں ایک نیا شہر آباد کرکے اس کا نام الزاہرہ رکھا۔ اور اس میں اپنی سکونت کے لئے ایک عالی شان قصر تعمیر کیا (۳۶۸ھ) اس کی تکمیل کے بعد وہ اپنے اہل و عیال، خدم و حشم، مال و خزانہ اور اسلحہ کے اس میں منتقل ہوگیا۔ امراء و وزراء اور عمائدین نے بھی وہیں محلات تعمیر کر لئے۔ سرکاری دفاتر اور کچہریاں بھی وہیں منتقل ہوگئیں اور امور سلطنت یہیں انجام پذیر ہونے لگے۔ اطراف و اکناف سے بھی لوگ آ آکر یہاں آباد ہونے لگے۔ تاکہ اس وقت جس شخص کے ہاتھ میں دولت و حکومت تھی اس کے قریب رہیں رفتہ رفتہ یہ ایک بڑا حسین شہر بن گیا۔ اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ "یہاں کوئی تدبیر ایسی نہ سوچی گئی تھی جو کامیاب نہ ہوئی ہو اور کوئی فوج یہاں سے ایسی نہ نکلی تھی جو فتح پاکر نہ واپس آئی ہو۔"

فوجی اصلاحات

اس کے بعد ابن ابی عامر نے فوج کی از سر نو تنظیم شروع کی۔ اور اس میں اصلاح کرنے کی ضرورت بھی پیدا کر دی۔ اس پالیسی کی غرض و غایت اول تو اپنے ذاتی اقتدار کا تحفظ تھا۔ دوسرے ملک گیری کا جو جوش و شوق ۔

کرنے والا تھا۔ ان میں محض عربوں کی شجاعت پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ابن حوقل
کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ دسویں صدی عیسوی کا اسپین جزیرہ نما اندلس کی بے پایاں دولت
و حشمت نے تہذیب و تمدن کے منتہائے کمال پر پہنچے ہوئے عربوں کو بہت کچھ نازک خو
بنا دیا تھا۔ مزید برآں ابن ابی عامر حاسد عربوں کی وفاداری کی طرف سے بھی مشکوک تھا چنانچہ
اس نے اپنے لشکر کو افریقیہ کے جنگجو و جفاکش بربروں سے مرتب کیا اور رفتہ رفتہ فوج
میں ان کی تعداد چھ لاکھ تک پہنچا دی۔ یہ فوج "[illegible]" کے نام سے مشہور تھی۔ یہ لوگ خاص
ابن ابی عامر کی ذات سے وابستہ تھے اور اس پر اپنی جانیں چھڑکتے تھے۔ افواج شاہی کی
افسری اور حکومت کے اہم عہدوں پر انہی لوگوں کا تقرر ہوتا تھا۔ ابن عذاری لکھتا ہے
کہ بربر سوار اندلس میں اس حالت سے داخل ہوتے کہ ان کے جسم پر پھٹے پرانے کپڑے اور
رانوں کے نیچے مریل گھوڑے ہوتے لیکن ابن ابی عامر کی فیاضیوں و مہربانیوں کی وجہ سے
بہت جلد ان کے بدن پر ریشمی کپڑے نظر آنے لگے۔ اور ایسے عالیشان قصر میں رہتے
کہ اس سے پہلے ان کے خواب میں بھی نہ گزرا تھا۔ بربریوں کے علاوہ یورپ کی دیگر اقوام
سے بھی غلاموں کو خرید کر فوج میں بھرتی کیا گیا۔ شمالی اندلس کی ریاستوں کے تنگ دست
و مفلوک الحال عیسائیوں نے بھی خاصی تعداد میں آکر اچھی تنخواہوں پر مسلمانوں کی فوجی
ملازمت کر لی۔ اسلام سے پہلے کا قبیلے کا جو نظام متوارث چلا آتا تھا فوج میں اب بھی اس کی پابندی
ہوتی تھی۔ ہر قبیلہ کا دستہ فوج الگ تھا اور اس میں اسی قبیلے کے افسر ہوتے تھے۔ ابن ابی عامر
نے زمانہ قدیم کے ان امتیازات کو مٹا دیا چنانچہ اس نے عربوں کو بربری اور عیسائی اسپینی
کے مربوط دستوں میں تقسیم کر دیا اور بلا تمیز مذہب و ملت تمام فوجیوں کے لیے اتوار کا دن
تعطیل کا مقرر کیا گیا۔ اس تدبیر سے عربوں کی ہستی ایسے غیر ملکیوں میں گم ہو کر رہ گئی جو نہ ان
کی راہ و رسم سے واقف تھے اور نہ ان کی روایات کو جانتے تھے۔ نظام فوج میں بڑی
ترقی ہو گئی اس طرح اس نے امراء و رؤسائے عرب کا زور توڑ کر فوج کی [illegible] ثانوی حیثیت
کر دی۔ مختلف نسلوں کو ایک اندلسی قوم کے سانچے میں ڈھالنے کا جو کام خلیفہ ناصر نے شروع
کیا تھا۔ ابن ابی عامر نے اس کی تکمیل کر دی۔

غرض ان چالوں و ترکیبوں سے فوج بالکلیہ اپنے قبضہ میں کرلینے کے بعد اس نے خلیفہ ہشام کو اس کے محل میں نظر بند کر دیا اور خود مثل ایک ڈکٹیٹر کے حکومت کرنے لگا۔ خاندانِ شاہی کے افراد کو کسی نہ کسی حیلہ و بہانے سے دارالخلافہ سے باہر بھیج دیا اور جس کسی نے اس کی مخالفت کی وہیں اس کا قلع قمع کر دیا۔ امراء و وزراء اور روٴسا کو صرف تہوار کے موقعوں پر خلیفہ سے ملنے کی اجازت دی جاتی تھی اور وہ بھی صرف آتنی دیر کے لئے کہ سلام کرکے لئے بیرون واپس چلے جائیں۔ اس نے ۳۸۱ھ / ۹۹۲ء میں "المنصور" کا شاہی لقب اختیار کر لیا اور حکم دیا کہ اس کو "حاجب المنصور" کے لقب سے مخاطب کیا جائے۔ اور اسی طرح اس کی تعظیم کی جائے جس طرح بادشاہوں کی کیا کرتے ہیں۔ اس نے بس ایک ظاہری خلافت ہی ترنہیں قائم کی باقی تمام رسوم خلافت چھین لیں۔ وہ تختِ شاہی پر جلوہ گر ہوتا۔ طراز (شاہی لباس) پہنتا جس پر زری سے اس کا نام کڑھا ہوتا۔ سکوں پر اس کا نام نظر آنے لگا۔ خطبوں میں تمام منبروں پر سے خلیفہ کے نام کے بعد دعاؤں میں اس کا نام بھی پڑھا جاتا اور مثل خلفاء کے اس کے دیگر اس کے ہیروں حکمہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا جانے لگا۔[1]

المنصور کی خارجہ پالیسی اس اصول پر مبنی تھی کہ دشمن کو کسی حالت میں عیسائیوں چین سے نہ بیٹھنے دیا جائے اور اسی میں اس کی دائمی کامیابی کا راز مضمر سے جنگیں تھا۔ وہ ہر سال کے موسم گرما اور سرما میں دو مرتبہ دشمن کے ملک پر بذاتِ خود یلغار کرتا۔ جب تک اس کی فوج ظفر موج شاہی یلغار پر ہوتی عیسائی علاقوں میں تہلکہ پڑا رہتا۔ اور عیسائی امراء کے سامنے گویا مجسم تصویر مرگ کھڑی رہتی۔ اس نے اپنے ایام حکومت میں باون جہاد کئے جن میں سے کسی ایک میں بھی نہ اس کا رایت اقبال سرنگوں ہوا اور نہ اس کی فوج کے کسی دستے کو ہلاکت کا منہ دیکھنا پڑا۔[2] المنصور کا جو شاہی لقب اس نے اختیار کیا فی الحقیقت وہ ہر طرح اس کو زیب دیتا تھا۔ صفحاتِ ملحق میں اس کی چند مہموں کا تذکرہ کر آئے ہیں۔ ۳۸۳ھ / ۹۹۳ء کے موسم سرما میں وہ جلیقیہ پر حملہ آور ہوا اور

---

[1] ابن عذاری ۲/ ۱۸-۴۱۷ [2] ابن اثیر ۸/ ۲۶۹ [3] ابن خلدون ۱۰/ ۲۲۸

شاہ جلیقیہ اور قشتالہ و نبرہ کی متحدہ فوجوں کو شنت مانکش کے قریب ایک گھمسان کی لڑائی میں فاش شکست دے کر بے شمار عیسائیوں کو قتل کیا اور قلعہ مذکورہ پر قبضہ کر لیا۔ بادشاہ جلیقیہ نے باقی ماندہ لشکر کے ساتھ راہ گریز اختیار کی اور شمال کے کڑکڑاتے جاڑے کے باوجود المنصور اپنے لشکر کے تعاقب میں دشمن کے علاقے میں گھستا چلا گیا۔ راستے میں دشمن کے جس قدر قلعے تھے وہاں کی فوج محافظ اس کی آمد کی خبر پا کر بھاگ کر پہاڑوں میں پناہ گزیں ہو گئی۔ المنصور ان قلعوں کو تاراج و برباد کرتا جلیقیہ کے پایۂ تخت لیون کے پھاٹک تک جا پہنچا۔ اور ایک اور لڑائی میں بادشاہ جلیقیہ کو ہزیمت دے کر اس کے پایۂ تخت میں اس کو محصور کر لیا۔ اگر اس وقت برف و باراں کا سخت طوفان مزاحم نہ ہو گیا ہوتا تو لیون کے فتح ہونے میں کوئی کسر نہ باقی رہ گئی تھی المنصور بہت سے قیدیوں کے ساتھ قرطبہ واپس آگیا۔ لیکن دوسرے ہی سال شاہ جلیقیہ نے اس کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ اور لیون میں اسلامی فوجیں متعین کر دی گئیں۔ اس کے بعد اس نے فرانسیسی ریاست قطلونیہ کا رخ کیا اس مہم میں چالیس شعرا جو دفتر سے وظیفے پاتے تھے اس کے ساتھ تھے تاکہ فتح کے موقع پر قصیدے لکھ کر پڑھیں۔ اس اہتمام سے وہ ماہ ذی الحجہ ۳۷۴ھ (۹۸۴ء) میں دارالخلافہ سے نکلا اور غرناطہ، برسیہ و بلنسیہ کی راہ سے ایکدم حوالی قطلونیہ میں نمودار ہوا۔ یہاں کے رئیس کاؤنٹ بوریل نے سخت مقابلہ کیا۔ لیکن المنصور اس کو شکست پر شکست دیتا ۱۵/ صفر ۳۷۵ھ (۹۸۵ء) میں اس کے پایۂ تخت برشلونہ میں داخل ہو گیا۔ اور اس کے برج پر ہلالی پرچم نصب کر دیا گیا۔[۱] بوریل بھاگ کر فرانس چلا گیا۔ اس طرح سلطنت اسلامیہ اندلس کی حدود ایک بار پھر ماوراء پرینیز پہنچا دی گئیں۔

افریقیہ میں جنگ

المنصور کو ایسی ہی کامیابیاں مغرب الاقصیٰ میں بھی ہوئیں۔ اس نے مدبرانہ چالوں سے وہاں کے بادشاہوں کو آپس میں لڑا کر ان کی قوت کو فنا کر دیا۔ حسن بن قنون نے یہاں کے بعض سرداروں میں جو دولت قرطبہ کے مطیع تھے بغاوت پھیلا کر ۳۷۵ھ (۹۸۵ء) میں بصرہ کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ المنصور نے سپہ سالار ابوالحکم عمر کو اس پر فوج کشی کا

---

[۱] ابن الخطیب ۲/ ۱۰۶ — ۱۰۱

حکم دیا۔ ابوعمر نے طنجہ سے روانہ ہو کر ابن قنون کو حجر النسر میں محصور کر دیا اور شدید محاصرے کے بعد ابن قنون نے بذریعہ صلح قلعہ کو ابوعمر کے حوالے کر دیا۔ لیکن ابوعمر نے خلافِ معاہدہ ابن قنون کا سر کاٹ کر المنصور کے پاس قرطبہ بھیج دیا۔ اس زمانے میں زناتہ کے طاقتور سردار زیری بن عطیہ نے جو خلیفہ ہشام کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتا تھا۔ المنصور کی شان میں اس نے بعض ناشائستہ الفاظ استعمال کئے کہ اس نے ہشام کی خلافت کو سلب کر لیا تھا اور اس نے منصور کے خلاف جنگی تیاریاں بھی شروع کر دی تھیں۔ المنصور نے اس کو منحرف پا کر اپنے بیٹے عبد الملک کو ایک فوج دے کر اس کی تنبیہ پر مامور کیا۔ عبد الملک نے سخت معرکہ آرائیوں کے بعد فاس پر قبضہ کر لیا۔ زیری صحرائے طاہرت کی طرف بھاگ گیا اور چند سال بعد بحالتِ جلا وطنی مر گیا۔ مغرب الاقصیٰ پر از سر نو المنصور کی حکومت کا سکہ بیٹھ گیا اور عبد الملک نے یہاں کی حکومت پر واضح نامی سردار کو مقرر کیا اور خود قرطبہ چلا گیا[1]

المنصور کو افریقی مہموں میں مشغول پا کر برمودو رئیس جلیقیہ نے علم حکومت قرطبہ سے بلند کر کے جلیقیہ ہو کر لیون میں مقیم اسلامی لشکر کو نکال باہر کر دیا۔ لیکن المنصور نے اس باغی رئیس کی غلط فہمی پر خوش فہمی کا بہت جلد ازالہ کر کے یہ دکھلا دیا کہ وہ بیک وقت ایک سے زیادہ محاذوں پر کامل اطمینان سے جنگ لڑ سکتا ہے چنانچہ جرار لشکر کے ساتھ حدود جلیقیہ میں داخل ہو گیا اور برمودو پر یہ ظاہر کر کے کہ اس کا قصد سمورہ کا ہے۔ اس کو تو اس کی حفاظت پر مائل کر دیا اور خود یکا یک لیون پر آن گرا۔ اور اس کو خونریز لڑائی کے بعد مفتوح کر لیا۔ بے شمار عیسائی بعلبنے سپہ سالار گونزالیز کے کھیت رہے شہر میں داخل ہو کر المنصور کے حکم سے اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ شمالی دروازہ کی طرف ایک سنگین برج غالباً اس خیال سے باقی رہنے دیا گیا کہ آنے والی نسلیں اس فاتح کی سطوت و قوت کا اندازہ لگاتی رہیں جس کو ایسے زبردست قلعے کی تسخیر کی قدرت تھی۔ بعد ازاں المنصور نے سمورہ کی جانب قدم بڑھایا۔ برمودو پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ وہ شہر چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اہل سمورہ نے شہر کو المنصور کے حوالے کر دیا۔ المنصور نے اس کو تاخت و تاراج کر کے چٹیل میدان بنا دیا۔ اب

---

[1] ابن عذاری ۲/۴۲۳-۴۱۹ و ابن خلدون ۱۰/۲۷۹

برموڈو کے قبضے میں سوائے چند کوہستانی قلعات کے اور کچھ نہ رہ گیا۔ اس کی یہ کیفیت رہتی کہ کبھی وفاشعار و دلیر ہو جاتا اور کبھی بدعہدی کر کے مخالفت کا اعلان کر دیتا۔ لیکن المنصور جو لڑائی سے تھکنا ہی نہ جانتا تھا ہر بار اس کی سرکوبی کو اپنی فوج کے ساتھ جلیقیہ میں موجود ہوتا۔ بالآخر برموڈو نے ۳۸۵ھ / ۹۹۵ء میں المنصور کے دربار میں حاضر ہو کر گردنِ اطاعت جھکا دی اور اپنے مقبوضات کی زمامِ حکومت اس کے حوالے کر دی۔ المنصور نے اس کے ساتھ فیاضانہ سلوک کیا اور محض اس کی باجگذاری پر اکتفا کر کے اس کی سلطنت اسی کو بخش دی۔ برموڈو کی طرح جلیقیہ کے تمام عیسائی قوامس (سرداروں) نے بھی المنصور کی اطاعت کر لی[1]۔ المنصور نے سرحدی مسلمانوں کی حفاظت کی غرض سے سمورہ میں مسلمانوں کے ایک گروہ کو آباد کر کے ابو الاحوص معن تجیبی کو اس کی سند حکومت عطا کی۔ (۳۸۶ھ / ۹۹۶ء)۔

چونکہ گارشیا حاکم قشتالہ نے المنصور کے مخالفین کی اعانت کی تھی اس وجہ سے المنصور جلیقیہ پر فوج کشی کے دوران گارشیا کی بھی برابر گوشمالی کرتا رہا۔ اس نے گارشیا کو متعدد معرکوں میں ہزیمت دے کر الفنتہ اور وشمہ کے قلعوں پر قبضہ کر لیا اور اس کے دار الریاست اشتورقہ کو بزورِ تیغ مفتوح کر کے خراب و ویران کر ڈالا۔ گارشیا نے پریشان ہو کر امان طلب کر لی اور المنصور کے باغی بیٹے عبداللہ کو باپ کے حوالے کر دیا۔ المنصور نے دو سال بعد عبداللہ کو قتل کر دیا۔ لیکن گارشیا سے المنصور کے انتقام کی آگ ابھی ٹھنڈی نہیں پڑی تھی۔ اس نے قشتالہ میں بغاوت کرا کے گارشیا کے بیٹے سینکو کو وہاں کا حاکم تسلیم کر لیا اور اس کی سرپرستی کی۔ سینکو نے اس کے عوض قلزہ اور شنت اشتیبان غرماج جیسے اہم سرحدی قلعے المنصور کو تفویض کر دیے[2]۔ ۳۸۵ھ / ۹۹۵ء میں المنصور نے پھر قشتالہ پر چڑھائی کی۔ گارشیا نے ایک جنگ میں سخت ہزیمت کھائی اور گرفتار ہوا اور زخموں کی تاب نہ لا کر پانچ دن بعد مر گیا۔ اس کے بعد سینکو نے سریرِ حکومت پر متمکن ہو کر المنصور کو اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا اور بلا تاخیر سالانہ خراج بھیجنے لگا[3]۔

ابن خلدون نے لکھا ہے کہ جلیقیہ، قشتالہ اور نبرہ کے کل سلاطین و قوامس المنصور کے شاہی

---

[1] ابن خلدون ۴/۳۰۰ [2] عبد الواحد ص ۳۳ [3] ابن عذاری ۲/۳۰۳-۳۰۴

[illegible] کر اس طرح تسلیم کرتے تھے جس طرح کہ مسلمان صحابہ خود اپنے بادشاہ کے شاہی [illegible] ادا کرتے ہیں؟

حجابت کا موروثی کرنا

۳۸۳ھ / ۹۹۳ء میں المنصور کو حجابت کے عہدے کو خاندان میں موروثی کر دینے کا خیال پیدا ہوا۔ ظاہر ہے کہ جو قومیں کسی مطلق العنان حکومت کی عادی ہوتی ہیں وہ اختیاراتِ شاہی کو کسی دوسرے شخص کے ہاتھوں میں ہمیشہ سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتی ہیں۔ چنانچہ یہ محض عوام الناس کا ڈر تھا کہ المنصور بالفعل بادشاہ ہوتے ہوئے بھی قانونی طور پر خلیفہ بننے میں سخت متامل تھا۔ اگرچہ اس کے بعض امراء اس بات میں اس کے ہم خیال تھے کہ حکومت کا ایک خاندان کے دوسرے خاندان میں منتقل ہو جانا بعض اوقات فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے لیکن عوام الناس خصوصاً ہسپانوی نسل کے مسلمانوں کا خیال اس کے بالکل برعکس تھا۔ ڈوزی کے الفاظ میں مذہبی جذبات کی طرح بنی امیہ کے خاندان شاہی کے ساتھ ان کی وابستگی ان کے جسم و جان کا ایک جزو بن گئی تھی۔ اگرچہ المنصور نے ملک کو ایک ایسی خوشحالی اور شان و شوکت بخشی تھی جس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس کے باوجود وہ اس سے سخت متنفر تھے کیونکہ اس نے ان کے بادشاہ کو محض ہاتھ کی پتلی بنا رکھا تھا۔" ان جذبات کو اچھی طرح محسوس کرتے ہوئے لیکن اس خیال سے کہ وقت گزرنے پر ان میں تبدیلی واقع ہو جائے۔ اس نے صرف اسی پر اکتفا کیا کہ شاہ شطرنج خلیفہ ہشام کے ایک فرمان کے ذریعے اپنے بعد اپنے بیٹے عبد الملک کو حاجب مقرر کیا جانے کا اعلان کر دیا۔ پانچ سال بعد اس نے "سید" اور "ملک کریم" کے القابات اختیار کر کے یہ حکم نافذ کر دیا کہ "سید" کا لفظ صرف اس کے نام کے ساتھ استعمال کیا جائے[1] (۳۸۸ھ / ۹۹۸ء)۔

شنت یاقب کی مہم

اسی زمانے میں برموڈو رئیس جلیقیہ نے پھر سرکشی اختیار کی۔ المنصور اس کی گوشمالی کی غرض سے اپنے ۵۶ ویں جہاد پر ماہ جمادی الآخر ۳۸۷ھ / ۹۹۷ء میں فوج سوارہ کے ساتھ قرطبہ سے نکلا اور قصر ابی دانس کی بندرگاہ سے بحری بیڑے کی مدد سے دریائے دویرہ کو عبور کر کے غنیم کے ملک میں

---

[1] ابن عذاری ۲ ۳۹ - ۳۸۴

داخل ہوگیا۔ یہاں عیسائی قومسین بھی جو دولت قرطبہ کے مطیع تھے اس کے حکم سے مع
اپنی اپنی فوج کے اس کے ساتھ شریک ہوگئے۔ بعد ازاں وہ قتل و قید اور لوٹ مار کا بازار
گرم کرتا اور قلعوں پر قلعے سر کرتا شنت یاقب تک جا پہنچا۔ جو جلیقیہ کے انتہائی سرحد پر
واقع ہے اور یہاں حواری یعقوب کا مزار ہونے کی وجہ سے ہر سال افریقہ و یورپ
سے عیسائیوں کا جم غفیر بغرض حج و زیارت آتا تھا۔ جس وقت منصور اعظم اس شہر
کے سامنے پہنچا تو دیکھا کہ شہر کے دروازے کھلے ہیں اور عیسائی شہر چھوڑ کر
بھاگ چکے ہیں۔ شہر میں جو کچھ مال ملا لوٹ لیا گیا اور بڑی بڑی عالیشان عمارتیں، معبد
اور شہر پناہ اس طرح برباد کر دی گئیں۔ گویا کبھی تھیں ہی نہیں اور اس کام کے سر انجام
دینے میں عیسائی قومسین بھی طوعاً و کرہاً شریک ہوئے۔ اسلامی رسالہ سوار
سرسبز و شاداب اطراف و اکناف کو تباہ و تاراج کرتے ہوئے شمال میں شنت ما
تک پہنچ گئے جو بحر محیط پر واقع تھا اور جس کے آگے فتوحات کو وسعت دینا
ناممکن تھا۔ اس وقت قرطبہ کے کسی فرمانروا کو دوری مسافت اور راستے
کی دشواری کے پیش نظر اسلامی ہتھیاروں کو یہاں تک پہنچانے کی کبھی ہمت
نہ ہوئی تھی۔ اس مہم میں خود المنصور نے فوجی حمل و نقل کے لئے ایک معمولی سپاہی
کی طرح درختوں اور چٹانوں کو کاٹ کر راستہ ہموار کیا۔ اس کے بعد المنصور نے
قرطبہ کی جانب مراجعت کی اور لیون کا راستہ اختیار کیا اور اس کے علاقوں کو جی بھر کر
تاراج و پامال کرتا وہ بلیقیہ کے شہر پہنچا۔ یہاں اس نے دربار منعقد کیا۔ اور
عیسائی امراء کو جو اس کے ساتھ شریک تھے گراں بہا خلعتیں اور انعامات مرحمت کر کے
ان کے شہروں کی طرف واپس کر دیا اور خود بے قیاس غنائم لئے اپنے فتح مند لشکر
کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے دار الخلافہ میں داخل ہوا۔ چند روز بعد برمودہ نے
اس کے دربار میں حاضر ہو کر اپنے باپ کی تقصیرات سے درگذر کرنے کی درخواست
کی۔ المنصور نے معن بن عبدالعزیز تجیبی حاکم سمورہ کی سفارش سے اس کی درخواست

کو قبولیت کا درجہ دے کر اپنے منشاء مطلب صلح نامہ لکھا لیا۔[1]

ہشام

المنصور نے قیدی خلیفہ کو اتنی سختی سے پردے میں رکھا تھا کہ اس کو قصر کے کونوں میں سے بھی باہر جا نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ خاندانِ شاہی کے افراد [illegible] کی سواری اور اراکین و سالارانِ دولت یا تو قتل کر دیئے گئے تھے یا قید اور [illegible] کی زندگی گزار رہے تھے۔ کسی قدیم شاعر نے غریب ہشام کی قابلِ رحم حالت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔ (ترجمہ) "اے بدنصیبو! تمہارے وہ لوگ جو مثل چاند کے تھے کہاں ہیں اور وہ لوگ جو مثل ستاروں کے تھے کہاں ہیں چونکہ تمہارے لوگ جو خیر تھے اپنے نشستوں سے غائب ہو گئے۔ اس لئے اس ملک پر ایک نوکر کا قبضہ ہو گیا ہے۔" لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ خلیفہ کو اس کے ظالم و جابر وزیر نے مار ڈالا ہے۔ المنصور ڈرا کہ کہیں کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے۔ چنانچہ ایک روز اس نے بعد خدم و حشم خلیفہ کی سواری ایسی دھوم سے نکالی کہ مدتوں یادگار رہی۔ اس کو دیکھنے کے لئے بے انتہا مخلوق جمع ہوئی۔ خلیفہ لباسِ شاہی زیبِ تن کئے اور عصائے شاہی ہاتھ میں لئے ہوئے تھا اور المنصور اس کے گھوڑے کی لگام تھامے آگے آگے چل رہا تھا۔[2] اس سے عوام الناس کے شکوک رفع ہو گئے اور وہ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

قشتالہ پر فوج کشی اور وفات

اس تقریب کے بعد "دسویں صدی کا بسمارک" یعنی منصورِ اعظم قشتالہ کے عیسائیوں اور والیانِ فرانس کے طاقت ور اشتراک کو توڑنے کی غرض سے بیس ہزار فرنگیوں اور عربوں سے بیٹا الحکم مرتب کر کے قرطبہ سے نکلا۔ یہ اس کا ۵۲ واں اور آخری جہاد تھا۔ قشتالہ کا حاکم [illegible] کے ساتھ مقابلہ پر آگیا۔ اس مہم میں المنصور اب سخت بیمار ہو گیا کہ سواری کی قدرت نہ رہی۔ بیماری کے باوجود وہ جنگ میں شامل رہا۔ جس سے مرض بڑھ گیا۔ لوگ اس کو تخت پر لٹا کر اٹھائے رہے اور فوج نے اس کو دائرے میں لے لیا۔ غرض قشتالہ کے ملک میں بمقام سوریا [illegible] میں صبح سے لے کر شام تک نہایت خوفناک لڑائی عیسائیوں کی کامل شکست پر ختم ہوئی۔ عیسائی اپنے مقتولین

---

[1] ابن عذاری ۲ / ۴۲۵-۴۴۰ ؛ مقری ۱۲ - ۲۰۸ [2] مقری ۸۹ - ۳۸۵

کہ بے شمار لاشیں چھوڑ کر بکمال سراسیمگی بھاگ نکلے۔ فاتحین نے دور دور تک تعاقب کر کے ان کو کثیر تعداد میں گرفتار کیا۔ مسلمانوں کی بھی ایک بہت بڑی جماعت نے جام شہادت نوش کیا۔[۱] اس عظیم الشان کامیابی کے بعد المنصور کو تخت رواں پر مدینہ سالم تک لایا گیا۔ بیماری نے مرض الموت کی صورت اختیار کر لی۔ اس وقت اس کو صرف سلطنت کے قیام و استحکام اور اس کی آئندہ ترقی کا خیال پریشان کئے ہوئے تھا۔ اپنے بیٹے عبد الملک کو بلا کر امور سلطنت کے متعلق ضروری ہدایات کیں اور کہا کہ فوراً قرطبہ پہنچ کر اختیارات کو اپنے قبضے میں کر لے۔ بعد ازاں اس نے بوجہ کمزوری و ناتوانی لبوں کی جنبش سے سرداران فوج کو الوداعی سلام کیا اور ۲۷ رمضان ۳۹۲ھ کو یہ عجیب و غریب شخصیت ہمیشہ کے لئے دنیا سے اٹھ گئی۔ اس کو مدینہ سالم ہی میں اس کے بنوائے ہوئے عالیشان محل میں سپرد خاک کر دیا گیا اور وہ مٹی جو ہر جہاد میں اس کے جسم اس کے چہرے اور کپڑوں پر سے جھاڑ کر ایک تھیلی میں رکھی جاتی تھی۔ اس کی وصیت کے مطابق اس پر چھڑک دی گئی۔

اس کی قبر پر یہ اشعار کندہ کئے گئے " (ترجمہ) خود اس کے آثار و نشانات تجھے اس کی تاریخ سے آگاہ کریں گے، اور اس طرح آگاہ کریں گے کہ گویا تو بچشم خود اس کو دیکھ رہا ہے قسم ہے خدا کی زمانہ اب اس کا مثل نہ پیدا کرے گا۔ اور نہ اب اس کے سوا کوئی دوسرا اس ملک کی سرحدوں کا حامی پیدا ہو گا۔"[۱] اس کا کتبہ جو نہ صرف اس کے کارناموں پر ریویو ہے بلکہ آئندہ کے لئے پیشین گوئی بھی۔ یہ کتبہ تو مسلمانوں نے لکھا لیکن عیسائیوں نے جب اس کی موت کی خبر سنی تو ان کی جان میں جان آئی اور ان کے ایک مورخ نے اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا۔ " المنصور ۱۰۰۲ء میں مرا اور جہنم رسید ہوا۔" سچ یہ ہے کہ بعض اوقات دشمن کی گالیوں میں بھی وہ فصاحت پائی جاتی ہے کہ عمدہ سے عمدہ تعریفوں میں بھی نہیں ملتی۔

اس قبر سے متعلق ایک واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ بعد انتزاع خلافت المستعین بادشاہ سرقسطہ نے اپنے موالیوں میں سے شجاع نامی شخص کو کسی سیاسی گفتگو کی غرض سے الفانسو

---

[۱] ابن الخطیب ۱۰۹ - ۱۱۰[۲] عبد الواحد ۳۴

دشاہ طلیطلہ کے پاس بھیجا۔ الفانسو اس وقت مدینہ سالم کو مسلمانوں سے نکال چکا تھا اور
ہیں مقیم تھا۔ اس نے منصور کی قبر پر تخت بچھا کر دربار منعقد کیا اور شجاع کو بلا بھیجا اور اس کو
مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ "اے شجاع! میں نے مسلمانوں کے ملک پر قبضہ کر لیا ہے اور ان کے بادشاہ
کی قبر پر بیٹھا ہوا ہوں"۔ اتنا سنتے ہی شجاع کی غیرت قومی جوش میں آگئی اور بے محابا یہ کلمات
اس کی زبان پر آگئے "اے بادشاہ! اگر یہ صاحب قبر ذرا سی دیر کے لیے سانس لے لے اور تو
اس کے قریب بیٹھا ہو تو تیرے منہ سے کبھی کوئی ایسی بات نہ نکلے جو اس کے کانوں کو ناگوار معلوم ہو۔ ورنہ
پھر اس ملک میں تیرا ٹھہرنا ناممکن ہو جائے"۔ یہ سن کر الفانسو شجاع کو مارنے کو اٹھا۔ لیکن اس کی
بیوی جو اس کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی دونوں کے بیچ میں حائل ہو گئی۔ اور اپنے شوہر کو مخاطب کر کے بولی کہ
شجاع جو کچھ کہتا ہے سچ کہتا ہے۔ کیا تو ایسی ہی حرکات سے المنصور جیسے شخص پر فخر کر سکتا ہے[1]؟

جائزہ

اندلس کے کسی بادشاہ سے شمال کے عیسائی اتنا نہیں ڈرتے تھے جتنا کہ حاجب
المنصور سے۔ اسکاٹ نے لکھا ہے: "المنصور یورپ بھر میں سب سے بڑا بادشاہ تھا
بیس سال کی مسلسل لڑائیوں میں وہ کبھی ناکام نہ لوٹا تھا۔ اس کے دامن شہرت پر کبھی دھبہ نہ آیا تھا۔"
عیسائیوں پر اس کی اتنی ہیبت چھائی ہوئی تھی کہ بعض اوقات سخت خطرے میں گھر جانے کے باوجود وہ صحیح و
سالم نکل آتا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک بار وہ اپنی سرحدی مہم سے قرطبہ واپس آ رہا تھا تو دیکھا کہ عیسائیوں نے
تنگ سے اس درہ کو روک رکھا تھا جس میں سے اس کی فوج گزرنے والی تھی۔ لیکن المنصور کو اس
کے متعلق پریشانی نہ ہوئی۔ اسے پھر دشمن کے ملک میں واپس ہو کر اس نے فوج کو حکم دیا کہ وہ مکانات
مسمار کریں۔ بعد ازاں فوج نے چاروں طرف قتل و غارت اور قید کا بازار گرم کر دیا اور مقتولین کی لاشوں
ملا کر درہ کے منہ پر ڈھیر لگا کر ڈال دیا۔ عیسائیوں نے یہ کیفیت دیکھ کر اس شرط پر صلح کرنی چاہی کہ
قیدیوں اور دیگر غنائم کو چھوڑ کر اپنے ملک واپس چلا جائے۔ لیکن المنصور نے یہ پیغام ٹھکرا
دیا۔ اس پر عیسائیوں نے کہلا بھیجا کہ وہ مال غنیمت اپنے ساتھ لے جا سکتا ہے۔ المنصور نے پھر بھی
انکار کیا اور جواب کہلا بھیجا۔ کہ میرے ساتھی کہتے ہیں کہ ہم یہیں بیٹھے تک دوسرے جہاد کا موسم آجائے گا

---

[1] مقری ۱۹۷

لہٰذا ہم واپسی کی تکلیف سے بچنے کے لئے اس وقت تک یہیں ٹھہرے رہیں گے۔ اور دوسرا سال جہاد کر کے واپس جائیں گے۔ بغرض اس بلائے بے درماں کو اپنے ملک سے ٹالنے کی غرض سے عیسائیوں نے المنصور کے پاس پیغام بھیجا کہ وہ خود ہی سڑی ہوئی لاشوں سے عذرے کو صاف کریں اور مال غنیمت کو اپنے ہی جانوروں پر لاد کر قرطبہ پہنچا دیں گے۔ المنصور نے اس کو منظور کیا۔ اسی طرح ایک جہاد میں اس کی فوج ایک پہاڑی پر اپنا جھنڈا گاڑ کر کوچ کے وقت اس کو اتارنا بھول گئی مدتوں وہ علم یونہی لہراتا رہا اور عیسائیوں کو یہ معلوم کرنے کی جرات نہ ہوئی کہ واقعی اسلامی فوج وہاں سے بھی جا چکی ہے۔

المنصور نے اپنی غیر معمولی فوجی قابلیت اور حیرت انگیز تنظیمی صلاحیت کی وجہ سے فوج میں گویا معبود بنا ہوا تھا۔ فوج کی صلاح و فلاح اور اس کی اعلیٰ سے اعلیٰ ضروریات کی ہر وقت اس کو دامن گیر رہتی تھی۔ اس شاندار فوج نے جس کو خود اسی نے بنایا اور تربیت دیا تھا اندلس کو "اس نے ناقابل تسخیر بنا دیا تھا۔ اس ڈوزی" اس نے اندلس کو وہ غیر واقفہ فر بخشا تھا کہ عبدالرحمٰن ثالث کے زمانے میں بھی اس کو حاصل نہ ہوا تھا۔" فوجی نظم و ضبط کی پابندی میں وہ انتہائی درجہ سخت گیر واقع ہوا تھا۔ ایک بار وہ فوج کا معائنہ کر رہا تھا کہ اثنائے میدان میں اس کی نگاہ ایک سپاہی پر پڑی جو اپنی تلوار کو ننگی لئے ہوئے تھا۔ اس لئے خود بلا کر قواعد کی خلاف ورزی کا سبب دریافت کیا۔ اس نے جواب دیا کہ میری میان ڈھیلی ہونے کی وجہ سے تلوار اس میں سے نکل پڑتی ہے لیکن المنصور نے کسی عذر کو قبول نہ کیا اور حکم دیا کہ اسی تلوار سے اس کا سر کاٹ کر لشکر میں اس کے سر کی تشہیر کی جائے اور ایک آدمی آگے آگے اس سپاہی کا جرم بتاتا جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔ غرض پریڈ کے میدان میں اس کے رعب و داب کی یہ کیفیت تھی کہ آدمی تو آدمی گھوڑے بھی اپنا کام جانتے تھے اور ایسے سدھ گئے تھے کہ ان کے ہنہنانے کی آواز تک نہ نکلتی تھی۔

فوجی قواعد و فرائض کی پابندی کے علاوہ ملکی انتظام میں بھی اس کا شہرہ انتہا درجہ کو پہنچ گیا خلفاء اندلس میں کسی بادشاہ کو یہ بات نصیب نہ ہوئی۔ اس کے زمانہ وزارت

---

[1] ابن اثیر $\frac{8}{269}$ [2] مقری ۲۱۵

دکے دروازے بند ہو گئے اور ملک کے گوشے گوشے میں امن قائم ہو گیا۔ وہ رات بھر
تھا۔ اس کے خواص میں سے شعلہ نامی شخص نے صحت پر اس کے مضر اثرات کی طرف توجہ
ہوئے کہا کہ آپ کو تو آرام کی بے حد ضرورت ہے۔ المنصور نے جواب دیا کہ "اے شعلہ
عیت سو جائے تو بادشاہ کو نہ سونا چاہیئے۔ اگر میں سو جاؤں تو اس شہر قرطبہ بھر
نا بڑا مشہور ہے۔ کسی شخص کی پلک سے پلک بھی نہ جھپکے۔" سلطنت کے ذرا ذرا سے
سے المنصور کی واقفیت کا ایک واقعہ حیرت انگیز تھی۔ سردیوں کی ایک رات وہ بیٹھا ہوا تھا۔ بارش
ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ اس نے ایک سوار کو حکم دیا کہ وہ طلیارش پر
ہو جاؤ اور سب سے پہلے جو شخص وہاں سے گذرے اس کو میرے پاس لے آؤ۔ رات
اس اور آندھی میں کھڑا رہنے کے بعد صبح ہونے پر سوار کو ایک بہت بڑا ھا لکڑ ہارا
رسوار اس طرف سے جاتا ہوا ملا۔ سوار نے اس کو المنصور کے سامنے لا کر پیش کر دیا
بی سوار کے انتظار میں تمام رات نہ سویا تھا۔ لکڑ ہارے کی تلاشی لی گئی تو گدھے
میں سے عیسائیوں کا ایک خط نکلا جس میں انہوں نے اپنے ہم مذہبوں کو لکھا تھا
راح میں لوٹ مار شروع کر دیں۔ المنصور نے تمام عیسائیوں کو مدینۃ الزاہرہ
یا اور بعد لکڑ ہارے کے سب کی گردنیں مار دیں[1]

المنصور فتوحات کے حاصل کرتے سفر کے عادی ہونے تکالیف برداشت کرنے
ہارا اٹھانے میں خدا تعالیٰ کی قدرت کا ایک نمونہ تھا۔ ایک مرتبہ اس کے پیر پر
کی جراحی ہو رہا تھا لیکن المنصور نہایت ہمت و استقلال سے اسی حالت میں بیٹھا
روں سے امورِ سلطنت پر بحث کرتا رہا[2]۔ وہ اپنے دعدوں کا ہمیشہ احترام
ر اس کی عقل و دانش، فیاضی اور منصف مزاجی، ضرب المثل تھی۔ علامہ مقری
بہت سی مثالیں دی ہیں۔ ایک بار کسی جرم میں قاضی نے اس کے بیٹے پر شرعی حد
اور وہ کوڑوں کی تاب نہ لا کر جاں بحق ہو گیا۔ لیکن المنصور نے اُف تک نہ کیا، مذکرہ

---

[1] مقری ۲۰۶ [2] مقری ۲۱۶

بالا مورخ لکھتا ہے کہ " منصور صفائی باطن، اپنے گناہوں کے اعتراف، خوفِ الٰہی اور رکن
جہاد میں مشہور ہیں۔ ان کے سامنے خدا تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا تو بہت متاثر ہوتے۔ خوف
الٰہی سے ڈرائے جاتے تو کانپ اٹھتے تھے۔ لیکن حاجب المنصور کے فوجی کارنامے ہی وہ
وہ چیزیں ہیں جن کی وجہ سے ہم اس کا ذکرِ خیر تاریخوں میں پاتے ہیں اس کے پورے عہد
میں علوم و فنون، صنعت و حرفت اور زراعت کو زبردست ترقی ہوئی۔ دینا رینے لکھا
ہے کہ " مسلم اسپین کسی زمانے میں اتنا خوشحال نہیں رہا جتنا کہ اس کے زمانے میں تھا
عبد الواحد المراکشی لکھتا ہے کہ "قیدی عیسائی لڑکوں اور لڑکیوں سے اندلس بھر گیا۔ مال غ
کی اس قدر بہتات ہوئی کہ شادی میں لڑکیوں کو اتنا جہیز ملتا کہ اس سے قبل نہ ملا تھا۔ قیدیو
کی بہتات سے لونڈیوں کی قیمت گر گئی۔ روم کے ایک رئیس کی بیٹی نہایت حسین و جمیل تھی مگر
بیس دینار عامریہ سے زیادہ نیلام نہ بڑھا۔" المنصور نے نہایت فراخدلی سے علماء کی سرپرستی کی۔ اگرچہ
اس نے سیاسی مصالح کی بنا پر آزاد خیالی اور فلسفہ کا مطالعہ کرنے والوں کو سختی سے دبایا
لیکن وہ خود بھی فلسفہ کا شائق تھا۔ اور جب بھی موقع ملتا وہ شائقینِ فلسفہ کی بھی قدر
افزائی کرتا مگر اس احتیاط سے کہ فقہاء کے تاثرات نہ مجروح ہونے پائیں۔ جامع مسجد قرطبہ
کی عمارت میں سب سے بڑا اور مہتم بالشان اضافہ اسی نے کیا۔ ڈیڑھ لاکھ دینار سرخ کی
لاگت سے وادی الکبیر پر ایک جدید پل کے علاوہ شہر استجہ میں دریائے شنیل پر بھی ایک پل کی تعمیر
اسی سے منسوب ہے۔ ان سے عوام الناس کو بہت فائدہ پہنچا۔ ان کے علاوہ پورے ملک
میں متعدد شاہراہیں اور خوبصورت محلات و قصور بھی تعمیر ہوئے۔ المنصور کی خدمات تو ہزار
بے بہا سہی مگر اس گناہ کا کفارہ نہ ہو سکیں گے کہ وہ ایک جاگیردار گھرانے کا فرد تھا اور باوجود
اس کے انتہا درجہ پر پہنچ گیا تھا اپنے نصب العین کے حصول میں اس نے جو ذرائع اختیار کئے
ان کی سختی سے مذمت کرنی چاہیے لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایک بار

لہ [illegible]

طاقت و اقتدار حاصل کرنے کے بعد اس نے اپنے اختیارات کا ہمیشہ شریفانہ استعمال کیا۔ اگر قسمت نے اس کو کسی خاندانِ شاہی میں پیدا کر کے تخت پر بٹھایا ہوتا تو اس کے مخالفین کو اسے بدنام کرنے کا غالباً ہی موقع ملتا۔

خلافتِ قرطبہ کا زوال

المؤید، المہدی، المستعین، المرتضیٰ، المستظہر، المستکفی، المعتمد

۳۹۳ ہجری / ۱۰۰۲ عیسوی تا ۴۲۲ ہجری / ۱۰۳۰ عیسوی

منصور کی وفات سے لوگوں کو ایک گونہ خوشی ہوئی کہ اب ان کا خلیفہ اپنے حاجب و وزیر اعظم سے مخلصی پا کر زمامِ حکومت خود اپنے ہاتھوں میں لے گا۔ لوگ جوق در جوق قصر الزاہرہ کے باہر جمع ہو گئے۔ اور فضا ان کے نعرہ ہائے انبساط سے گونج اٹھی۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ ہشام نے منصور کے بیٹے عبدالملک کو اس کے باپ کے تمام جاہ و مناصب کا وارث بنا دیا ہے تو ان کی تمام خوشیوں پر اوس پڑ گئی اور وہ مایوس ہو کر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ عبدالملک نے عہدۂ حجابت پر سرفراز ہو کر "المظفر" کا لقب اختیار کیا اور سیاست و جہانبانی میں اپنے باپ کی روش اختیار کی۔ اس نے شمال کے عیسائی قبائل پر ہر سال فوج کشی کر کے شاندار فتوحات حاصل کیں اور قشتونیہ و جلیقیہ

کے رئیسوں کی خود مختاری کی کوششوں کو ناکام بنا دیا۔ اس نے سلطنت کے وقار
اور وحدت کو قائم رکھا اور جو رعب و داب کہ اس کا باپ عیسائیوں پر قائم کر گیا
اس میں کسی طرح کی کمی نہ آنے دی۔ اس کے ششش سالہ کامیاب دورِ حکومت میں ملک
خوشحالی میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہوا اور اس کے زمانے کو "دن عید اور رات
شب برات کہا گیا ہے۔" لیکن اس کے باوجود لوگ بنی عامر سے خوش نہ تھے۔

یہ درست ہے کہ منصور نے محض اپنے جوہرِ ذاتی سے سلطنت کو ترقی
کے اس درجہ پر پہنچا دیا تھا جس سے آگے تصور میں نہ آ سکتا تھا لیکن اس کا
اپنے بیٹے کو اپنے دولت و اقبال کا وارث کر جانے کا خیال اور اس کے ہاتھوں میں رہی
قوت و اقتدار سونپ جانے کی کوشش جبکہ صرف اسی کی لیاقت برداشت
کر سکتی تھی سلطنت کے لئے زہرِ ہلاہل بن گئی۔ اس کے علاوہ اندلس کی بے انتہا
دولت و حشمت اور تہذیب و تمدن کا منتہائے کمال لوگوں کے اخلاق کریمہ کو گزند
سے نہ روک سکا۔ جس وحشیانہ فسق و فجور میں خلیفہ ہشام ثانی کا دربار مبتلا
تھا منصور کی قابلیت و ہمہ گیری بھی قوم کو اس آفت میں گرفتار ہونے سے نہ بچا سکی
اس کا مقابلہ اگر اس تنقیا نہ حالت سے کیا جائے کہ جب دولتِ خلفاء بنو امیہ
اندلس میں قائم ہوئی تھی تو زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ یہ چیزیں
بھی اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ سلطنت کے انحطاط و زوال کا زمانہ بہت قریب آ گیا
ہے۔ بنی عامر اگر محض حجابت پر قانع رہ کر خلیفہ کی آڑ میں حکومت کرتے رہتے تو
بہت ممکن تھا کہ ان کی حجابت کچھ مدت اور قائم رہتی لیکن ان کی بے پایاں بلند نظری
تمام بندشوں کو توڑ کر نکل گئی۔ انہوں نے اس اصل پر ہاتھ مارنا چاہا جس کے سایہ تلے
وہ حکمرانی کر رہے تھے۔ اس طرح انہوں نے تمام امویوں اور قریشیوں کو اپنا جانی دشمن
بنا لیا۔ علماء و فقہاء اور عوام الناس بھی ان سے برگشتہ ہو گئے اور ان کو گرانے
کے لئے ہر طبقے کے لوگوں میں باہم سرگوشیاں ہونے لگیں۔ ساتھ ہی خلیفہ ناصر
کے زمانے سے لے کر اس وقت تک جزیرہ نما میں بتدریج جو زبردست تبدیلی

ہو چکی تھی وہ بھی ایک انقلاب کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ نا صر اور حاجب
منصور نے مختلف نسل اور قوم کے لوگوں کو تن دا من میں دکھا لینے کا جو کام کیا تھا
اس کے لئے انہیں امرا و عرب کا زور توڑ کر مفلس و تنگ دست بنا دینا پڑا
تھا چنانچہ اس وقت تک امتداد زمانہ کے ساتھ قدیم شرفاء عرب کے بہت
بڑے بڑے عالی نسب خاندان معہ اپنی تمام خوبیوں اور برائیوں کے ترکیب
تھے اور لوگوں کو اب ان کے نام تک یاد نہ رہ گئے تھے۔ البتہ اہل دربار میں
امیہ کے موالیوں میں سے بنی عبدہ۔ بنی جہور۔ بنی فطیس وغیرہ ابھی تک
دستبرد فنا سے محفوظ تھے۔ یہ لوگ مناصب جلیلہ پر فائز اور خوشحال تھے۔
لیکن اب ان عربوں کی کوئی اہمیت باقی نہ رہی تھی۔ اس وقت سب سے طاقتور گروہ
بربریوں اور صقالبہ کے تھے جنہوں نے المنصور کے زمانے میں بڑی قوت و
اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ مزید برآں مادی ترقیات کی وجہ سے ملک میں بہت سی
جماعتیں وجود میں آ گئی تھیں۔ مثلاً امراء۔ کارخانہ دار۔ تاجر۔ متوسط الحال اور
مزدور وغیرہ جنہوں نے ملک کی اقتصادی زندگی میں اہم حصہ لیا تھا اور بہت سی
دولت اکٹھا کر لی تھی۔ سلطنت کی اس ظاہری شان و شوکت کی تہ میں ہزاروں چنگاریاں
شورشیں لے رہی تھیں۔ قبائلی جھگڑے اگرچہ اب قصۂ پارینہ بن چکے تھے لیکن اب یہ
طبقاتی کشمکش کی صورت میں ابھر رہے تھے۔ اس زمانے کی تاریخ کے آئینے میں
ہم کو وہ تمام مشکلات و پریشانیاں منعکس نظر آتی ہیں جو عہد حاضر کے سیاستدانوں
کو گھیرے ہوئے ہیں۔ متوسط الحال امراء کے دشمن تھے۔ تو مزدور سرمایہ دار کو
کینہ کی نظروں سے دیکھتے تھے لیکن اگر سب کے سب کسی کو غیظ و غضب کی
نظروں سے دیکھتے تھے تو وہ تھے بربر افسران فوج جن سے چھٹکارا پانے کی آرزو
کسی طرح ان کے دلوں سے نہ نکلتی تھی اور وہ ایک انقلاب کے آرزومند تھے۔ دارالخلافہ
میں معاشرے کی سطح کا نشیب و فراز بالخصوص کچھ اس طرح کا تھا کہ معمولی سا
ہنگامہ بھی مزدور و سرمایہ دار کے درمیان زبردست فتنے کی شکل میں منتج ہوئے

بغیر نہ رہتا۔ ڈوزی لکھتا ہے کہ "صنعت و حرفت کے اعتبار سے قرطبہ بہت بڑھا
تھا۔ مختلف صنعتوں کے ہزارہا کام کرنے والے اس میں آباد تھے اور تھوڑا سا
بھی اتنی ترقی پکڑ سکتا تھا کہ دولت مندوں اور مفلسوں میں ایک فتنہ عظیم کی شکل
کرلے لیکن ناتجربہ کاری اور بنی عامر سے دشمنی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ اس خطرہ کی طرف
کا خیال تک نہ گیا۔ دولت مندوں نے اہل حرفہ کو اپنا دوست سمجھا اور سب اسی خیال
میں رہے کہ عامریوں کو نکالتے ہی کل باتیں ٹھیک ہو جائیں گی۔" غرض عین عالم
میں عبدالملک کی وفات اس تباہی عظیم کو لے آئی جس کے لئے اہل قرطبہ سخت
بے چین تھے۔

عبدالملک کے بعد اس کے بھائی عبدالرحمٰن نے عہدۂ حجابت پر فائز ہو کر
کا لقب اختیار کیا اور مثل اپنے باپ اور بھائی کے آمرانہ حکومت کرنے لگا۔ بعد چند
اس کے دل میں تخت و تاج کی ہوس پیدا ہوئی۔ چنانچہ اس نے شاہ شطرنج خلیفہ
کو مجبور کر کے ایک عہدنامہ لکھوا لیا جس کی رو سے بعد ہشام اس کو ولی عہد نامزد کیا
اس عہدنامے پر تمام ارکین دولت اور قضاۃ نے دستخط کر دیئے اور اس کو جامع
مسجد قرطبہ میں پڑھ کر سنا دیا گیا۔ اس روز عید کی سی خوشیاں منائی گئیں اور سا
چراغاں کیا گیا۔ لیکن تقدیر کچھ اور ہی چال چل رہی تھی۔ عبدالرحمٰن کے اس فعل سے
شاہی کے افراد اور عوام الناس سب ہی اس کے جانی دشمن ہو گئے۔ دو گروہوں کی د
امیر کی غریبوں سے بدسلوکی۔ تاجروں کا باہم رشک و حسد یک لخت فراموش کر دیا
گئے۔ اور ہر شخص فرداً فرداً بنو عامر کو گرانے کی فکر کرنے لگا۔ بہر حال بنو عامر بام
سے گرے لیکن اس طرح کہ اندھے سیمسن کی طرح بنی امیہ کی عظیم الشان عمارت بھی اپنے
کے ساتھ آن پڑی اور مسلمانوں کی عظمت کا تار و پود چشم زدن میں خاک میں مل کر رہ

اتفاق سے ان ہی دنوں عبدالرحمٰن ایک بہت بڑا لشکر مرتب کر کے جلیقیہ
عیسائیوں کی گوشمالی کی غرض سے قرطبہ سے روانہ ہوا۔ اس کی عدم موجودگی میں اہل قرطبہ
دز یکایک شمشیر بکف ہو گئے اور صاحب الشرطہ ابن مسقلبو کو جسے عبدالرحمٰن اپنا

مقرر کر گیا تھا، محل سرائے خلافت کے دروازے پر جہاں کہ اس کا مکان تھا قتل کر ڈالا۔ اس کے بعد انہوں نے ہشام ثانی کو منصب خلافت سے معزول کر کے خلیفہ ناصر کی اولاد میں سے محمد بن عبدالجبار سے بیعت کر لی اور اس کو "المہدی باللہ" کا لقب دیا۔ ہشام قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ بلوائیوں نے المہدی کے حکم سے بنو عامر کے قصر کو لوٹ لیا۔ چار روز تک لوٹ اور آتش زدگی کا سلسلہ جاری رہا اور مدینۃ الزاہرہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔ بہت جلد المہدی کے جھنڈے کے نیچے ایک بہت بڑی فوج عبدالرحمٰن کے مقابلے کے لئے جمع ہو گئی۔ جس کے تمام افسران مثل انقلاب فرانس کے اہل حرفہ یعنی قصاب۔ حجام۔ پنساری اور جولاہے وغیرہ تھے۔

عبدالرحمٰن کو اس بغاوت کی خبر طلیطلہ میں موصول ہوئی۔ چنانچہ اس فتنے کو دبانے کی غرض سے وہ لشکر لئے ہوئے دارالخلافہ کی جانب روانہ ہوا اور ادھر ایک خطرناک بادل نیچے کی طرف جھکا جس سے خون برسنے والا تھا۔ جوں ہی وہ مضافات قرطبہ میں پہنچا اس کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی۔ بربر سرداروں نے اس سے بے رخی اختیار کی اور وہ بھاگ کر المہدی کے لشکر سے جا ملے۔ عبدالرحمٰن نے جان بچانے کی غرض سے بھاگ کر کسی کنیسہ میں پناہ لی۔ لیکن وہ اپنے کسی بربر سپاہی کے ہاتھ پڑ گیا۔ جس نے اس کا سر کاٹ کر المہدی کے پاس بھیج دیا۔ اس کے قتل سے بنی عامر کی حکومت کا خاتمہ اس طرح ہو گیا جیسے کبھی تھی ہی نہیں ($\frac{۳۹۹}{۱۰۰۹}$ء)۔ بربریوں میں منصور اور عبدالملک کی ہر دلعزیزی ان کے خصائل حسنہ کی وجہ سے تھی۔ ان کے برعکس عبدالرحمٰن عیش پرست اور اپنی من مانی کرتا تھا۔ علانیہ مے نوشی میں اس کو مطلق باک نہ تھا۔ ایک دن اذان کی آواز سن کر یہ مردود کہنے لگا۔ "کاش یہ موذن شراب کے لئے بلاتا تو اس کا پکارنا زیادہ خوشگوار ہوتا"۔ اس کے ان افعال سے علما و فقہا تو ناراض تھے ہی بربر بھی اس میں حکمرانی کی قابلیت نہ پا کر اس سے برگشتہ ہو گئے۔

المہدی مسند آرائے خلافت ہو کر سلطنت کے نظم و نسق کی طرف متوجہ ہوا۔ اگرچہ بربر قبائل المہدی سے مل گئے تھے لیکن بوجہ اس کے کہ یہ لوگ منصور اور اس کی اولاد کے معین و مددگار رہے تھے۔ امویوں کے قلوب ان سے صاف نہ تھے۔ عوام الناس کے دل بھی ان کے

ظلم و جبر سے جیتے ہو رہے تھے اور ان کی زبان پر ادنیٰ لوگوں کی برائیاں تھیں
چنانچہ المہدی نے حکم دیا کہ کوئی عامی نہ تو سواری کرے اور نہ ہی آلات حرب لے کر چلے۔ اکثر
وہ رذ ساد بربر کو بلا شرف حضوری بخشے قصر خلافت کے دروازے سے واپس کر دیتا
بازاریوں نے اپنی دیرینہ انتقام کی پیاس کو یوں بجھایا کہ ان کے مکانات کو لوٹ کر آگ
لگا دی۔ اس مرتبہ المہدی نے مصنوعی ان کی شکایات کو سنا اور جو لوگ کہ قتل و غارت گری کے
مرتکب ہوئے تھے ان کو سزائے موت دے دی۔ لیکن در پردہ بربر ان کے قلع قمع کی
فکر میں رہتا۔ ایک روز بربریوں کو اطلاع ملی کہ المہدی خفیہ طور پر ان کے بعض سرداروں
کو قتل کرنے کی سازش کر رہا ہے۔ چنانچہ ایک دوسرے اموی شہزادے ہشام کو عباء
خلافت پہنانے کا ارادہ کیا۔ اما کین دولت کو اس کی خبر لگ گئی۔ انہوں نے تمام بربریوں کو
بحکمت عملی شہر قرطبہ سے نکال باہر کر دیا اور المہدی کے حکم سے شہزادہ ہشام کی گردن
مار دی گئی۔ ہشام کا یہ انجام دیکھ کر شہزادہ سلیمان شہر سے بھاگ نکلا۔ بربریوں نے جو شہر
کے باہر اکٹھا ہو رہے تھے سلیمان کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس سے بیعت کر کے اس کو
"المستعین باللہ" کا لقب دیا اور اس وقت انہوں نے قرطبہ میں وہ زبردست ہنگامہ کروا کر
جو تاریخ میں فتنۂ البربریہ" کے نام سے مشہور رہے۔

المستعین اپنی افواج بربر کے ساتھ طلیطلہ کی سرحد پر گیا اور سینکو کاؤنٹ آف
قشتالہ سے کمک لے کر قرطبہ کی جانب کوچ کیا۔ المہدی نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا لیکن یا لنسہ قرطبہ
والوں کے خلاف پڑا اور ان کے بیس ہزار سے زیادہ آدمی مارے گئے۔ جن میں نامی گرامی
امام اور مؤذن شامل تھے۔ المستعین شہر میں داخل ہو گیا۔ المہدی بھاگ کر طلیطلہ پہنچا
اور سینکو سے مدد لے کر دوبارہ قسمت آزمائی کے لئے قرطبہ پہنچ گیا۔ لیکن اس مرتبہ فصیل
شہر کے باہر بمقام عقبۃ البقر المستعین نے شکست کھائی اور قرطبہ پر المہدی کا قبضہ ہو
گیا۔ بربریوں نے شہر میں داخل ہو کر ہر نیک و بد کی تیر اٹھا دی۔ عالی خاندان عربوں کی
حسین و جمیل بیویاں اور بیٹیاں بجبر اپنے گھروں سے اٹھا کر نیم وحشی بربری رذ ساد کے
مکانوں پر اپنی قسمتوں کو رونے کے لئے پہنچا دی گئیں۔ عقبۃ البقر کی کامیابی کے بعد

المہدی سینکو کے ساتھ مل کر المستعین کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ المستعین اپنے ہزیمت خوردہ بربریوں کے ساتھ قرطبہ کے سرسبز و شاداب علاقوں کو لوٹتا اور برباد کرتا جزیرۃ الخضرا کی طرف نکل گیا۔ وادی آرہ میں دونوں حریف کا آمنا سامنا ہو گیا اور شدید خونریزی کے بعد المہدی نے شکست کھائی اور اس کی فوج کا کثیر حصہ برباد ہو گیا۔ مسلمانوں کے علاوہ صرف قشتالیہ کی تین ہزار عیسائی سپاہ کھیت رہی۔

المہدی شکست کھا کر قرطبہ کی طرف بھاگا جہاں المستعین نے اس کا محاصرہ کر لیا المہدی کی فوج کے عیسائیوں اور بربریوں نے پھر شہر والوں کی لوٹ کھسوٹ شروع کر دی اور المہدی خود بھی عیش و عشرت میں پڑ گیا لیکن جب اس نے اپنی حالت سقیم دیکھی تو خلیفہ ہشام المؤید کو قید خانے سے نکال کر دوبارہ اس سے بیعت کر لی اور خود بخیال اس کے کہ شاید یہ ترکیب اس کے لئے سود مند ثابت ہو اس کی حجابت کا کام کرنے لگا۔ اور قاضی ابن ذکوان کے ذریعے محاصرین کو پیغام بھیجا کہ ہشام ابھی زندہ ہیں اور میں ان کا حاجب ہوں لہٰذا تم لوگ بھی اطاعت کر لو۔ یہ پیغام سن کر بربری پہلے تو بہت ہنسے اور پھر ابن ذکوان سے کہنے لگے کہ "کل تو ہشام المؤید کا انتقال ہو چکا تھا۔ تم نے اور تمہارے امیر نے ان کی نماز جنازہ بھی پڑھا دی تھی جب کل وہ مر چکے تھے تو آج کیسے زندہ ہو گئے؟ خیر تم اگر سچ کہتے ہو تو خدا کا شکر ہے کہ ہشام زندہ ہیں لیکن اب ہم کو ان کی ضرورت نہیں ہم نے المستعین سے بیعت کر لی ہے"۔ اہل قرطبہ کو بربریوں کے ہول و شدتِ محاصرہ سے سخت اضطراب پیدا ہوا۔ قاعدہ ہے کہ مصیبت کے وقت لوگ اپنے قصوروں کو اپنے سرگرم ہمدردوں کے سر تھوپا کرتے ہیں۔ اس خیال کے پیدا ہوتے ہی المہدی شیطانِ مجسم بن گئے چنانچہ انہوں نے گروہِ صقالبہ کے سرداروں سے مل کر جو ابھی تک المہدی کا ساتھ دے رہے تھے المہدی کو قتل کر ڈالا اور بالاتفاق ہشام المؤید سے دوبارہ بیعت کر لی اور صقالبہ میں سے واضح العامری حاجب مقرر ہوا۔ کسی قدیم شاعر نے المہدی کے عہد کے لئے غلط تو نہیں کہا ہے کہ (ترجمہ) "ہمارا المہدی نکلا مگر ملت فسق اور بے وقوفی کے رنگوں کو اس دل کے حرم میں شریک کر دیا اگر وہ نہ ہوتا تو خلافت قائم رہتی پہلے جن کے سینگ نہ تھے اب ان کے سینگ نکل آئے ہیں"۔

لیکن اس کارروائی سے اہلِ قرطبہ کو کچھ فائدہ نہ پہنچا۔ بربری فوجیں محاصرے پر اڑی
رہیں۔ کبھی تو ہشام قرطبہ سے نکل کر المستعین اور بربریوں کا تعاقب کرتا اور کبھی المستعین اور
بربری ہشام اور اہلِ قرطبہ کو مارتے مارتے قرطبہ میں داخل کر دیتے۔ روزانہ کے جدال و
قتال سے رفتہ رفتہ سارے قصبات و دیہات خراب و ویران ہو گئے۔ اپنی جبلت سلب و
نہب سے مجبور بربر ایک بار بھی جس طرف بھی نکل جاتے وہاں بلا وجہ کامل تباہی مچا دیتے انہوں
نے زراعت کا نام نہیں چھوڑا۔ تجارت اور صنعت و حرفت سب ہی کو مٹا دیا جہاں سڑکوں
پر محنتی و خوشحال آبادی کے ہجوم سے راستہ چلنا دشوار ہوتا تھا۔ اب وہاں کئی کئی دن کے سفر کے
بعد بھی ایک آدمی نہ دکھائی دیتا تھا۔ اس وقت المستعین کی فوج نے یکلخت مدینۃ الزہرا کا
رخ کیا اور تین روز تک اس پر حملہ کرتی رہی۔ کسی نمک حرام نے شہر کا دروازہ کھول دیا۔ بربر
سپاہ غولِ بیابانی کی مانند شہر میں گھس گئیں اور شروعِ خونریزی میں لوگوں کا قتلِ عام شروع کر دیا
ان فنی نوادرات کو جن پر سناروں اور مینا کاروں نے اپنے جوہرِ صنعت کو ختم کر دیا تھا محض سونے
کے لالچ میں توڑ پھوڑ کر برابر کر دیا۔ شہر کو جی کھول کر لوٹا اور جب کاسۂ طمع بھر لیا تو تمام عمارات
کو آگ لگا دی اور دو چار روز میں عدیم النظیر مدینۃ الزہرا راکھ کا ایک ڈھیر ہو گیا۔

بعد ازاں بربریوں نے پلٹ کر پھر قرطبہ کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن شہر کسی طرح فتح ہونے میں
نہ آتا تھا۔ اس وجہ سے کہ مضافاتِ قرطبہ پہلے ہی ویران ہو چکے تھے دونوں فریق میں رسد و غلہ
کی زبردست کمی پیدا ہو گئی۔ المستعین نے مجبور ہو کر سیکو کاؤنٹ آف قشتالہ کو اپنی کمک کی غرض
طلب کیا۔ ہشام المؤید اور واضح العامری کو اس کی خبر لگی تو انہوں نے قشتالہ کے وہ دو سو قلعے جنہیں
منصور کے زمانے میں خلافتِ مغرب کے بہادروں نے خون پانی کر کے فتح کیا تھا۔ سینکو کو آسانی
سے تحفے میں دے کر اس کو المستعین کی مدد سے روک دیا۔ اسی طرح دیگر عیسائی سرداروں نے
بھی المستعین کی مدد کی دھمکی دے کر بہت سے قلعے حاصل کر لئے۔ جن مسلمانوں کے دلوں میں
اسلام کا درد تھا وہ ان باتوں کو بڑے رنج و الم کے ساتھ دیکھتے تھے کہ ایک ہی سال کے
اندر مسلمانوں کی حالت کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ کل ہی کی بات تھی کہ وہ جیسا معاہدہ چاہتے تھے
عیسائیوں سے لکھوا لیا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ بنی امیہ کے نام میں اب وہ جادو کا سا

ہوگیا تھا کہ جس کے زبان پر آتے ہی دوسری اقوام کے بادشاہوں کے سر جھک جائیں۔ اب
تی و ناموربادشاہوں کے اخلاف میں کوئی بھی تو ایسا نہ تھا کہ عیسائی ان سے اعتنا کریں۔ یا
ان کے ناموں کو لینے کے لئے اپنا دامن پھیلا دے۔ خاندان بنی امیہ پر اس وقت جو بھی
ب پڑے ان کے مستحق وہی بربر تھے جنہوں نے مہذب ترین سوسائٹی میں رہ کر بھی نہایت
ں سے اپنی خباثت اور مہلکانہ میلانِ طبع کو قائم رکھا۔ اندلسی فوجوں میں بربریوں کا
ور خلفاء اندلس کا ناخردمندانہ طور پر بار بار ان سے مدد لینا منجملہ اور اسباب کے
یت بڑا سبب ہے کہ جس نے دولتِ بنو امیہ کے ہرے بھرے درخت کو جڑ سے
ڑ پھینکا اور اس پرشکوہ تہذیب کو ملیا میٹ کر دیا۔ جو اپنے زمانے کا ایک
تھی۔

غرض تین برس کے شدید محاصرے کے بعد بربر ماہ شوال ۴۰۳ھ / ۱۰۱۲ء میں
میں داخل ہوگئے۔ اہل شہر پر مصائب کے تاریک بادل چھاگئے قتل و غارت گری
ارگرم ہوگیا۔ نہایت رفیع الشان عمارتیں ڈھادی گئیں بےعزت و ناموس
ل گئیں اور قرطبہ عورتوں اور بچوں سے خالی ہوگیا۔ بربریوں کے ظلم سے لوگوں کے
یں ناسور پڑگئے۔ جب بھی سلیمان کا نام لیتے تو بددعاؤں کے ساتھ۔ کسی قدیم
نے اس کی نسبت کہا ہے کہ (ترجمہ) "خدا تعالیٰ تمہارے سلیمان پر رحم نہ کرے
وہ سلیمان (علیہ السلام) کی ضد ہے۔ اس نے تمام شیطانوں کو قید کر دیا تھا۔
س نے تمام شیطانوں کو چھوڑ رکھا ہے"۔ اگر اس وقت اہل قرطبہ سے دریافت
ا کہ کیا وہ اب بھی بنو حامر کے زوال سے خوش ہیں تو غالباً اس کا جواب وہ مشکل
ے دے سکتے تھے۔ المستعین نے لوگوں سے دوبارہ اپنی بیعت لی اور اس کے
ے خفیہ طور پر ہشام المؤید کی شمع حیات گل کر دی گئی۔ بعضوں کا بیان ہے کہ اس
معظمہ بھیج دیا گیا۔ عنانِ حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد المستعین نے اپنی
ے شہروں و صوبوں پر حکام مقرر کئے۔ دارالخلافے کے افسوس ناک
ت کا اثر انتہا د جزیرہ نما تک پہنچا اور بہت سے شہروں و قلعوں کے حکام بحالت

خود مختاری اپنے چھوٹے سے تماشہ گاہ پر دربارِ ملوکانہ لگا کر بیٹھ رہے

اس کشمکش میں پڑ کر قرطبہ کا تاج ہر قسمت آزما کا بازیچۂ اطفال

المستعین نے سخت خوفناک خونریزی کے بعد جو صولتِ شاہی اختیار کی تھی

کا لطف وہ تین سال سے زیادہ نہ اٹھا سکا۔ علی بن حمود جو افریقیہ کے ملوک

ادریسیہ کی اولاد سے تھا اپنی بلند نظری کو مقید خلیفہ ہشام المؤید کو آزاد

یا اس کا انتقام لینے کے غلاف میں چھپا کر بربریوں کی ایک جمعیت کے ساتھ

سے اندلس میں داخل ہوا اور قرطبہ کے باہر المستعین کو شکست دے کر قتل کر دیا

اور شہر پر قابض ہو گیا۔ علی بڑا طاقتور اور رعب و داب کا حکمران تھا۔ بربر

شتر بے مہار قوم کو بھی اس کے ناگوار نظام قانونی کا پابند ہونا پڑا۔ اس نے

سختی سے قرطبہ میں امن و امان قائم کر دیا۔ اس وقت خیران العامری گورنر المریہ

منذر تجیبی گورنر سرقسطہ نے خاندانِ بنو امیہ کو دوبارہ بروئے کار لانے کی سعی

کی بربریوں سے انتقام لینے کی آرزو میں تمام اہل اندلس کی طرح اہل قرطبہ نے بھی

طرف اپنا میلان دکھلایا۔ اس سے علی کے مزاج میں تغیر آ گیا اور اس نے اس دانش

پالیسی کو چھوڑ دیا جس پر وہ عمل کر رہا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بربری بھیڑ دار السلطنت

پر چھا گئے۔ از سرِ نو کوچہ و بازار میں قتل و غارت اور سلب و نہب اور آبرو ریزی

شروع ہو گئی۔ مخبری اور مخبروں کی وہ کثرت ہوئی کہ "شہر کی نصف آبادی باقی

آبادی کی مخبر تھی"۔ خزانہ بھرنے کے لئے جعلی شہادتوں پر دولت مندوں کو گرفتار

کر لیا جاتا اور جب ان سے بیش قرار رقم وصول کر لی جاتی تو ان کو چھوڑ دیا جاتا

لوگ ڈرتے اور علی کو کوستے تھے۔ ہزارہا آدمی شہر چھوڑ چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

قرطبہ میں تو یہ واقعات پیش آ رہے تھے۔ ادھر خیران اور منذر خلیفہ

کے ایک پڑپوتے عبدالرحمٰن رابع کو المرتضیٰ کے لقب سے خلافت کے لئے منتخب

ریمنڈ کاؤنٹ برشلونہ بھی عیسائی دستوں کو اور بیچی ناکران کے پاس پہنچ گیا۔ اور

لوگ بلنسیہ سے قرطبہ کی جانب روانہ ہوئے۔ علی اپنے دشمنوں کے مقابلے کے لئے

والا تھا کہ بنی امیہ کے تین صقلبی غلاموں نے موقع پاکر اس کو حمام میں قتل کر ڈالا (۴۰۸ھ / ۱۰۱۷ء) اس طاقتیب کے قتل پر مرطرف انتہائی خوشی منائی گئی۔ اس اثناء میں ہوا خواہانِ بنی امیہ کے اغراض و مقاصد میں بہت کچھ تشتّت آ گیا تھا۔ جن لوگوں نے المرتضیٰ کو خلیفہ بنایا تھا وہ اس کی سخت گیری و درشت مزاجی سے چڑ گئے اور اس کا ساتھ چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ المرتضیٰ نے غرناطہ کے قریب پہنچ کر زاوی بن زیری حاکم غرناطہ کو اطاعت کا پیام بھیجا انکاری جواب پر غرناطہ کے باہر دونوں میں سخت جنگ واقع ہوئی۔ خیران نے میدان جنگ سے اپنی فوج کو بلا لیا۔ المرتضیٰ نے بری طرح ہزیمت کھائی اور اپنی فوج کے بے شمار مسلمانوں و عیسائیوں کے ساتھ مارا گیا۔ ابن الخطیب نے لکھا ہے کہ "اس جنگ سے اہل اندلس پر بڑی مصیبت ٹوٹی جس نے ان کے تمام گذشتہ مصائب کو فراموش کر دیا اور جس کے بعد پھر کبھی ان کی اجتماعی قوت قائم نہیں ہوئی اور وہ برابر ذلیل و خوار سرگرداں رہے"۔

علی کے قتل کے بعد درُ ساء بربر نے اس کے بھائی قاسم کو تاج و تخت پیش کیا۔ جو ان دنوں اشبیلیہ کا گورنر تھا۔ قاسم نے المامون کا لقب اختیار کیا وہ ایک امن پسند اور رعایا پرور حکمران تھا۔ اس نے سیاسی اختلافات دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور صقالبہ میں سے خیران کو المریہ اور زہیر کو جیان۔ بیاسہ اور قلعہ رباح دے کر مصالحت کر لی۔ اگرچہ بربریوں نے قاسم کو اپنا حاکم بنا لیا تھا لیکن ان غداروں پر اس کو مطلق بھروسہ نہ تھا چنانچہ اس نے اپنی جان کی حفاظت کے لئے رفتہ رفتہ ان کو محل شاہی سے علیحدہ کرنا اور ان کی جگہ افریقیہ سے حبشی غلاموں کو خرید کر رکھنا شروع کر دیا۔ اس پر بربریوں کو سخت ناراضگی پیدا ہوئی۔ اور انہوں نے علی کے بیٹے کو خلافت عطا کرنی چاہی چنانچہ ان کی دعوت پر یحییٰ ایک بربر فوج لے کر سبتہ سے قرطبہ پہنچ گیا۔ اور قاسم بلا جدال و قتال ماہِ ربیع الاول ۴۱۳ھ / ۱۰۲۲ء میں اشبیلیہ بھاگ گیا۔ یحییٰ نے زمام حکومت ہاتھ میں لے کر المعتلی کا لقب اختیار کیا اور اپنے وعدے کے مطابق حبشی غلاموں کو ان کے مراتب سے گرا کر ان کی جگہوں پر دوبارہ بربریوں کو بحال کر دیا۔ یحییٰ کی اجھل کود فصیل قرطبہ ہی تک محدود تھی۔ ابھی چند

ہی ماہ گزرے تھے کہ سلطنت کے لئے یحیٰی کی نااہلیت ظاہر ہوگئی۔ اپنے علوی نسب پر وہ اس قدر گھمنڈی ہوا کہ رؤساء بربر کی تحقیر کرنے لگا چنانچہ انہوں نے ناراض ہو کر دوبارہ قاسم کو بلا بھیجا۔ قاسم کے آتے ہی یحیٰی بھاگ کر مالقہ چلا گیا اور وہاں حکومت کرنے لگا۔
قاسم کے آتے ہی افریقیوں کی وجہ سے اہلِ قرطبہ پر زندگی بھر دوبھر ہوگئی۔ آخر تنگ آکر وہ ماہِ جمادی الاول ۴۱۴ھ / ۱۰۲۳ء میں ایک روز یکایک شمشیر بکف ہوگئے۔ اور قاسم کو افریقیوں و بربریوں سمیت دھکے دے کر شہر سے نکال باہر کیا اور اس کے ہزارہا آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ قاسم جب بھاگ کر اشبیلیہ پہنچا تو وہاں کا دروازہ بھی بند پایا۔ اشبیلیہ والوں نے اس سے بے رخی اختیار کی۔ ناچار بھاگ کر شریش میں قلعہ بند ہو گیا۔ یحیٰی نے مالقہ سے نکل کر اس پر فوج کشی کر دی۔ قاسم گرفتار ہوا اور جیل خانہ میں ڈال دیا گیا جہاں اس نے کچھ عرصہ بعد وفات پائی۔

بربریوں کی معیت سے چھوٹنے کے بعد باشندگانِ قرطبہ نے بعد مدت دراز خود خلیفہ کے انتخاب کیلئے اپنے قدیمی حق کے استعمال کا قصد کیا۔ اس غرض سے سب لوگ جامع مسجد میں جمع ہوئے اور ماہِ رمضان ۴۱۴ھ / ۱۰۲۴ء میں شہزادہ عبدالرحمٰن خامس ملقب بہ "المستظہر باللہ" کو ان کے آبائی تخت پر بٹھا دیا گیا۔ المستظہر اعلیٰ درجہ کا شاعر و ادیب تھا اس کے وزراء میں عبدالوہاب بن حزم اور ابو محمد بن حزم جیسے مشہور شاعر اور ادیب تھے۔ یہ لوگ ملحدانہ خیالات رکھتے اور مقری کے الفاظ میں "ہمہ وقت اپنی بیہودگیوں اور بکواس میں منہمک رہتے تھے" اس سے علماء دین ان سے متنفر ہوگئے۔ خلیفہ کا شعراء اور علماء کی طرف میلان بھی عوام الناس کو ناگوار گزرا۔ سالہا سال کی شورشوں و بدامنیوں سے ہزارہا مزدوری پیشہ اور کاریگر بیکار رہ گئے تھے۔ اور مفلسی و بے روزگاری انہیں پریشان کئے ہوئے تھی۔ خلیفہ کی طرف سے جب ان کی تمام توقعات اٹھ گئیں تو انہوں نے جان سے بیزار ہو کر خود ہی قصر معاشرت کو ڈھا ڈالنے کا بیڑا اٹھا لیا۔ المستظہر کی خلافت کا دوسرا مہینہ ابھی پورے طور پر ختم بھی نہ ہوا تھا کہ ایک روز اہلِ قرطبہ نے خلیفہ ناصر لدین اللہ کے ایک پوتے شہزادہ محمد ثانی کی قیادت میں سخت بلوہ کر دیا۔ محل شاہی پر ٹوٹ پڑے اس کو لوٹ لیا اور ان ہزارہا

کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا جنہیں خلیفہ بعد از وقت مصلحتاً دوبارہ اپنی فوج میں بھرتی
تھا۔ المستظہر بھی ابو الخوارس کے ہاتھ پڑ گیا اور فی الفور قتل کر دیئے گئے۔

اس کے بعد محمدؒ المستکفی باللہ کے لقب سے اپنے آبائی تخت پر متمکن ہوا۔ یہ
بیر حکمران تھا۔ اس نے احمد بن خالد کو جو ایک جولاہا تھا اپنا حاجب مقرر کیا۔ المستکفی نے
خاندان کے لوگوں پر ظلم و ستم توڑنے شروع کر دیئے۔ چنانچہ چند ہی ماہ بعد اراکین
نے اس سے ناراض ہو کر افریقی یحییٰ المعتلی کو جو مالقہ کا حکمران تھا تخت پیش کیا۔ المستکفی
اس کا علم ہوا تو وہ بحالِ پریشان بھیس بدل کر قرطبہ سے بھاگ گیا اور مدینہ سالم پہنچے
اس کو زہر دے کر مار ڈالا۔ مشتعل ہجوم نے اس کے حاجب کو جو ایک ظالم شخص تھا اس
میں قتل کر ڈالا اور محل کو لوٹ لیا۔ (۴۱۶ھ / ۱۰۲۵ء) المعتلی نے اپنے ذاتی تجربے کے
ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں اپنی جان دے دینا مناسب نہ سمجھا جو اپنے تلون کے لئے
بدنام تھے۔ چنانچہ اس نے اپنی جانب سے ایک بربر سردار عبدالرحمن بن عطاف کو قرطبہ
ت پر مقرر کیا اور خود مالقہ میں رہنا پسند کیا۔ ابن عطاف نے اہل شہر سے المعتلی کی بیعت
مگر اہلِ قرطبہ کب چین سے بیٹھنے والے تھے۔ بربریوں سے ان کی جو قدیم دشمنی چلی آتی تھی
ہو گئی۔ ابھی ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ انہوں نے مجاہد العامری صاحب دانیہ اور خیران العامری
مریہ کو اپنی مدد پر بلا بھیجا اور المعتلی سے خلع کر کے اس کے گورنر ابن عطاف کو معہ اس کی بربر
شہر سے نکال باہر کیا (۴۱۷ھ / ۱۰۲۶ء) اس کے بعد قرطبہ کی حکومت کے بارے میں خیران اور
لڑ پڑے اور جب کوئی نتیجہ نہ نکلا تو قرطبہ والوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر دونوں اپنے
وطنوں کو چلے گئے۔

اب قرطبہ کا انتظام ایک مجلسِ شوریٰ کے سپرد ہوا جس کا ایک معتمد رکن ابو محمد جہور
نے ایک اموی شہزادہ ہشام بن محمد کا خطبہ پڑھوایا۔ ہشام ثالث اس وقت لاردہ میں
سے ملک میں طوائف الملوکی پھیلی ہونے کی وجہ سے وہ تین سال تک لاردہ ہی میں مقیم
نہ جنگیوں کو دبانے میں مصروف رہا۔ بالآخر اس نے مخالف امراء سے اس شرط پر مصالحت
وہ قرطبہ کو اندلس کا پایہ تخت تسلیم کر کے آئندہ خلیفہ کے احکامات سے انحراف نہ کریں

گے۔ بعدازاں وہ ۴۲۰ھ/۱۰۲۹ء میں معتـــدلہ آکر "المعتد باللہ" کے لقب سے تخت نشین ہو
لیکن دو ہی سال بعد غدار لشکریوں نے پھر بغاوت کرکے تخت کو خالی کرالیا (۴۲۲ھ/۱۰۳۱ء)
معتمد معزول ہوکر جہاں سے آئے تھے وہیں واپس چلے گئے اور ۴۲۸ھ/۱۰۳۶ء میں سفرِ آخرت اخ
گئے۔ معتمد کی معزولی سے پورے تین سو سال قائم رہنے کے بعد اس سلطنت کا آفتاب ہمیشہ
کے لئے غروب ہوگیا۔

فاضل مؤرخ اسکاٹ پرجوش الفاظ میں رقمطراز ہے کہ "ہشام ثالث کے ساتھ
خاندان ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہوگیا۔ جس نے اس شان و شوکت اور کامیابی کے سا
حکومت کی کہ خدا کی قدرت یاد آتی ہے جو کامیابی اور شان و شوکت اس خاندان کو نصیب
وہ کسی کو میسر نہ ہوئی۔ اندلس کی صولت و شکوہ انہیں کے ساتھ ختم ہوگیا۔ چھ بادشاہ یکے
دیگرے تخت اندلس پر متمکن ہوئے جو روشن دماغی فوجی لیاقت اور سیاسی فطانت میں د
سب سے بڑے اور مشہور بادشاہوں کے مقدمۃ الجیش ہیں۔ انہوں نے بڑے بڑے شاند
آباد کئے۔ انہوں نے وہ محلات اور قصور تعمیر کئے جن کے کھنڈروں کو دیکھ کر یہ معلوم ہوتا
کہ وہ انسانوں کے نہیں بلکہ جنوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ انہوں نے بڑے بڑے کتب خانے قا
جن کی آج مثال ملنی مشکل ہے۔ ان کے تجارتی تعلقات نہایت دور دراز ممالک سے تھے
ان کے تاجر ایسے مقامات پر نظر آتے تھے کہ خیال کرکے حیرت ہوتی ہے۔ ان کی فاتحا
شجاعت کی دھاک رہون کے سواحل پر بیٹھی تو دوسری طرف لومبارڈی کے میدانوں
ان کا لوہا مانا۔ اطلس کے صوبے ان کے نام سے کانپ اٹھتے تو جزائر بحر روم کا خو
خشک ہوگیا۔ ان کی جود و سخا اور تہذیب کے شہرہ نے دریائے وادی الکبیر کے کنا
کو ہر ادیب و فاضل کی زیارت گاہ بنا دیا۔ وہاں نجیب امراء کی بہ نسبت عقیل ارکان کی
قدر تھی یہی روشن دماغ لوگ بادشاہ کے مصاحب عزیز اور مشیر ہوتے تھے۔ مسجدیں
کے مدارس اور ان کی بنیادیں۔ رصدگاہیں بنی ہوتی تھیں اور وہاں آلاتِ ہیئت رکھتے
تھے۔ ضروریات صنعت و زراعت کے لئے بڑی بڑی عمارتیں بنائے پانی کو بلندی

کمال دکھلانے میں قلعوں اور مقبروں میں با اصول حفاظت قائم رکھنے میں ان روشن دماغ
شاہوں کی رعایا زمانۂ قدیم کے تمام بادشاہوں کی رعایا سے کہیں بڑھی ہوئی تھی۔ فنون میں
انھوں نے وہ وہ کمال دکھائے اور ایسے ایسے نمونے چھوڑے کہ باوجود زمانہ کے ترقی
کر جانے کے اب تک کوئی چیز ان کے نمونے پر بنائی گئی ہے ان کی گرد تک نہیں پہنچتی۔ حقیقت
یہ ہے کہ یہ قوم اپنی ہستی کے منتہائے کمال پر پہنچ گئی تھی۔ تماشہ گاہ عالم پر جو کچھ اس کو کرنا
تھا کر چکی۔ دنیا کی تاریخ میں اپنا نام زریں حروف میں لکھنا تھا لکھ گئی۔ خاندانِ اموی نے
حیاتِ انسانی کا وہ کمال دکھلایا تھا جو تاریخ زمانہ کو اب تک ازبر یاد ہے۔ علم کی وہ
تکمیل تھی کہ دنیا اب تک ان کے سبق کو نہیں بھولی ہے اور صنعت و حرفت میں وہ
گلکاری کی کہ باغِ عالم اب تک انہیں کی وجہ سے سرسبز ہے۔"

ملوکُ الطوائِف

۴۲۲ھ تا ۴۸۴ھ
۱۰۳۰ء ۱۰۹۱ء

خلافتِ عظمیٰ کا شیرازہ بکھرنے کے بعد پورے ملک میں طوائف الملوکی کا دور دورہ ہو گیا اور وہ قوت و اقتدارِ قرطبہ جس کا ایک زمانے تک سرچشمہ منارہا اب بہت سی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں منقسم ہو گیا۔ قرطبہ۔ اشبیلیہ۔ طلیطلہ۔ غرناطہ اور بطلیوس وغیرہ میں بڑی بڑی سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ اسی طرح بلنسیہ۔ مرسیہ اور المریہ کے خاندان جلیل القدر تھے۔ گو ان میں بعض کا طرزِ حکومت نہایت شائستہ اور منصفانہ بھی تھا مگر بیشتر سخت گیر اور ظالم تھے۔ اس کے باوجود اعلیٰ درجے کے تہذیب یافتہ۔ علم دوست اور شعر و سخن کے بیحد قدرداں ہونے سے ایک بھی خالی نہ تھا۔ ان کے دربار علماء۔ فقہاء۔ ادیب اور شعراء کا ملجا و ماویٰ تھے۔ ملک میں سخت بدنظمی کا دور دورہ تھا اور سلطنت کا چراغ گل ہو جانے کا خوف تھا۔ اُدھر عیسائیوں نے جب ملک کی یہ حالت دیکھی تو کچھ جنبش شروع کی اور اس پیش موقعے سے فائدہ اٹھایا اور رفتہ رفتہ مسلمانوں کے قلعوں اور شہروں کو انہوں نے ہڑپ کرنا شروع کر دیا۔ فرڈیننڈ کے بعد الفانسو قشتالہ۔ اسٹوریاس اور لیون کی ریاستوں کو متحد کر کے ان پر حکمرانی کر رہا تھا۔ اس نے مسلمان شہزادوں کو ایک دوسرے کے خلاف

اُکسانا شروع کر دیا۔ اور خود بالکل خاموش اوروں سے علیحدہ رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ
لوگ اپنے حوصلہ اور طاقت سے بڑھ کر بڑے بڑے مخدوش معرکوں میں پھنس بیٹھے۔ ان
کوتاہ اندیش لوگوں کو صرف اس سے بحث تھی کہ ان کے باہمی خفیف شخصی اقتدار گھٹتے یا
بڑھتے رہیں۔ کسی حریف ہمسایہ قوت کو بڑھتا دیکھتے تو بے سوچے سمجھے اس کو ضعیف کر
دینے والی تدبیروں میں بڑے شوق سے شریک ہوتے بلکہ اکثر الفانسو کی منت و خوشامد
کرتے اور نہایت ناموزوں طریقوں سے اس سے استمداد کرتے۔ کچھ تو ان منجانب اللہ واقعات
سے اور کچھ اس سے کہ اہل قشتالہ نے بیڑوں کا ٹھاٹ بدل کر تمام ملک بندرگاہ قادس
تک سخت ترکتازیاں شروع کر دی تھیں جس سے ہمیشہ مسلمانوں کو خوف رہتا تھا۔ غرضیکہ جمیع
ریاست ہائے اندلس باستثنا معدودے چند قشتالہ کے دستِ نگر اور باجگذار تھیں
اس خراج کو الفانسو زبردست جنگی تیاریوں کے مصارف پر خرچ کرتا تھا جو اس
کو بازیافت اندلس کے لئے ان شہزادوں سے لڑنی تھی۔ الفانسو کی تدبیروں سے
اندلس کے شہزادوں میں پھوٹ پڑ گئی تھی۔ جب وہ تمام سواحلِ سمندر کو ہرقل کے میناروں
تک اپنی جولانگاہ بنا چکا اور الیڈو میں قلعہ بنا کر بارہ ہزار سے زیادہ جری سپاہیوں کی
ایک چھاؤنی بھی قائم کر لی تو تمام شہروں اور قصبوں پر یہ مسیحی نہایت بے رحمی اور وحشیانہ
ظلم سے ترکتازیاں کرنے لگے۔ اس تمہید کے بعد اب ہم ان سلطنتوں کے مختصر حالات درج ذیل
کرتے ہیں جو خلافت کے کھنڈرات پر قائم ہوئیں۔

بنی جہور

قرطبہ میں ابو محمد جہور نے اپنی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ یہ بڑا دیندار اور منصف
مزاج فرمانروا تھا اور ہر کس و ناکس اس سے مل سکتا تھا اس نے فوج سے بربریوں
کو الگ کر دیا۔ جرائم کا انسداد کیا اور رعایا کی صلاح و فلاح کے لئے دانشمندانہ تدابیر اختیار کیں
اس کے زمانے میں قرطبہ ہر شخص کے لئے دار الامن بن گیا۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا ابو الولید محمد
تخت نشین ہوا (۴۳۵ھ / ۱۰۴۳ء) اس نے بھی بڑی عدالت گستری سے حکومت کی تا آنکہ ۴۴۳ھ / ۱۰۵۲ء
میں اس نے وفات پائی۔ اہل قرطبہ اس سے خوش رہے لیکن اس کے بیٹے و جانشین
عبد الملک نے اپنی نالائقی سے بہت جلد رعایا کو اپنے سے متنفر کر دیا۔ قرطبہ پر بادشاہ

طلیطلہ اور اشبیلیہ دونوں کے دانت لگے رہتے تھے۔ آخر الامر متعدد معرکہ آرائیوں کے بعد اس پر بادشاہ اشبیلیہ کا قبضہ ہو گیا اور عبدالملک امان اشبیلیہ میں سے شلیش میں قید کر دیا گیا[1]

بنی حمود بنو حمود میں سے یحییٰ المعتلی مالقہ اور جزیرۃ الخضرا پر قابض ہو گیا۔ المعتلی کی وفات پر اس کا بھائی ادریس المتاید باللہ کے لقب سے مالقہ کے تخت پر بیٹھا (۴۲۷ھ / ۱۰۳۵ء) اس نے اپنے بیٹے حسن کو خواجہ سرا ناجا کی نگرانی میں بطور اپنے نائب کے سبتہ کی حکومت پر متعین کیا۔ ادریس نے تخت نشین ہو کر سلطنت اشبیلیہ سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی اور ان لڑائیوں کو ناتمام چھوڑ کر ۴۳۱ھ / ۱۰۳۹ء میں راہی ملک بقا ہو گیا۔ اس کے بعد حسن نے سبتہ سے آکر عنانِ حکومت ہاتھ میں لی لیکن تین سال بعد اس کی ایک سوتیلی بہن نے اس کو زہر دے کر مار ڈالا۔ بعد ازاں بربریوں نے المعتلی کے بیٹے ادریس کو العالی باللہ کے لقب سے تخت پر بٹھایا۔ العالی نے سلطنت ہائے غرناطہ و قرمونہ پر فوج کشی کر کے ان کے بادشاہ کو اپنی اطاعت پر مجبور کر دیا۔ لیکن ۴۳۸ھ / ۱۰۴۶ء میں اہل مالقہ نے العالی سے بغاوت کر کے اس کے چچیرے بھائی محمد ملقب بہ المہدی باللہ سے بیعت کر لی۔ العالی بھاگ کر اعمالِ مالقہ میں سے قمارش میں روپوش ہو گیا۔ چھ سال کی حکومت کے بعد المہدی نے وفات پائی العالی نے موقع پا کر مالقہ پر چڑھائی کر دی اور اس پر قابض ہو کر لشکریوں پر شہر کی لوٹ مار معاف کر دی۔ فوجیوں نے شہر کو اس قدر تاراج کیا کہ رعایا میں بہت سے لوگ بھاگ کر دوسرے مقامات پر جا بسے۔ العالی نے صرف دو سال کی حکومت کے بعد ملک عدم کی راہ لی (۴۴۶ھ / ۱۰۵۴ء) اس کے بعد اس کا عم زادہ بھائی محمد ملقب بہ المستعلی سریر آرائے سلطنت ہوا۔ سلطنت مالقہ آئے دن کی خانہ جنگیوں کی وجہ سے کمزور ہو رہی تھی۔ ۴۴۹ھ / ۱۰۵۷ء میں بادشاہ غرناطہ نے فوج کشی کر کے اس پر قبضہ کر لیا۔ المستعلی بھاگ کر افریقیہ چلا گیا۔ جہاں اہلِ ملیلہ نے اس سے بیعت کر لی۔ چند سال کی حکومت کے بعد وہ ۴۵۶ھ / ۱۰۶۴ء

---

[1] ابن خلدون ۱۱/۱۰-۱۱

میں دنیا سے رحلت کرگیا۔[۱] اسی زمانے میں جزیرۃ الخضراء پر بنی حمود میں سے قاسم المامون کا بیٹا محمد المعتصم باللہ حکومت کر رہا تھا۔ ۴۴۰ھ / ۱۰۴۸ء میں اس کی وفات پر اس کے بیٹے قاسم ملقب بہ الواثق باللہ نے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ دس سال حکومت کرنے کے بعد اس کو بھی سفر آخرت پیش آیا۔ اہل شہر نے ابھی پورے طور بادشاہ کا سوگ بھی نہ منایا تھا کہ اس وقت المعتضد بادشاہ اشبیلیہ نے فوج کشی کرکے شہر پر قبضہ کرلیا اور دولت حمودیین کا اندلس سے خاتمہ ہوگیا۔[۲]

بنی بادیس

حبوس نامی ایک بربر سردار نے غرناطہ میں اپنی سلطنت قائم کی لیکن چند سال حکومت کرنے کے بعد اس نے وفات پائی اور اپنا تخت اپنے بیٹے بادیس ملقب بہ "المظفر" کو سونپ گیا۔ وہ بڑا طاقتور لیکن بڑا ظالم و بے رحم حکمران تھا اس کے معاصرین اس سے جنگ مول لینے سے گھبراتے تھے۔ اس کے زمانے میں سلطنت غرناطہ کی دولت و حشمت اور شان و شوکت بہت بڑھ گئی اور رعایا کو امن ملا۔ اس نے اپنے ابتدائی زمانۂ حکومت میں اپنے میں بنی حمود کے مقابلے کی قوت نہ پاکر ان کی اطاعت قبول کرلی تھی لیکن خفیہ طور پر قلیل مدت میں اتنی قوت بہم پہنچالی کہ ۴۴۹ھ / ۱۰۵۷ء میں بادشاہ المریہ ظہیر صقلبی کو ایک جنگ میں ہزیمت دیکر قتل کر ڈالا اور چند ماہ کے لئے المریہ پر قابض رہا۔ اسی نے سلطنت مالقہ کو اپنی سلطنت میں ضم کرلیا۔ قرمونہ، اشبیلیہ اور طلیطلہ کے بادشاہوں سے بھی اس کے خوب خوب معرکے ہوئے جن میں ان لوگوں کو ہمیشہ نیچا دیکھنا پڑا۔ بادیس ہی پہلا حکمران تھا جس نے غرناطہ کے گرد مستحکم فصیل بنوائی۔ اس کا وزیر اعظم اسماعیل نامی ایک یہودی تھا جو علوم ہندسہ و نجوم اور فلسفہ میں اپنے عہد کے تمام لوگوں پر فائق تھا۔ اس کے دور وزارت میں یہودی تمام دفاتر پر چھاگئے اور انہوں نے مسلمانوں پر بڑی دست درازیاں کیں۔ آخر بادیس نے اس کو مع بہت سے یہودیوں کے قتل کر ڈالا۔[۳]

---

[۱] اعمال الاعلام ۱۶۲۔ ۱۷۵ و مقری ۲۲۸ [۲] ابن خلدون ۴/۱۰۰ [۳] ابن خلدون ۴/۱۶۰ و ابن الخطیب ۲۴

اور شوال ۴۶۹ھ/۱۰۷۶ء میں بادیس کے انتقال کے بعد اس کا پوتا عبداللہ تختِ سلطنت پر بیٹھا۔ عبداللہ نے مالقہ کی حکومت پر اپنے بھائی تمیم کو مقرر کیا۔ یہ لوگ غرناطہ اور اس کے اعمال پر ۴۸۳ھ/۱۰۹۰ء حکومت کرتے رہے۔

بنی افطس بطلیوس میں ابو محمد عبداللہ بن افطس نے اپنی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا ابو بکر محمد ملقب بہ المظفر باللہ تخت نشین ہوا۔ اس کے عہدِ حکومت کا بڑا حصہ شاہانِ اشبیلیہ وطلیطلہ کے ساتھ خانہ جنگیوں میں گذرا۔ وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا عالم تھا اور اس کا کتب خانہ شاہی اندلس کے عظیم الشان کتب خانوں میں سے تھا۔ اس کی متعدد تصانیف میں سے سب سے مشہور پچاس ضخیم مجلدات پر مشتمل ایک انسائیکلو پیڈیا موسوم بہ کتاب المظفری ہے جو تاریخ وادب کا ایک نہایت بیش بہا خزانہ ہے[۱]۔ اس کتاب کو وہی درجہ حاصل ہے جو ابن قتیبہ کی عیون الاخبار کو حاصل ہے[۲]۔

المظفر کے بعد اس کا بیٹا ابو حفص عمر المتوکل باللہ تختِ سلطنت پر متمکن ہوا (۴۷۰ھ/۱۰۷۸ء) وہ بھی دیگر ملوک الطوائف سے جنگ وجدال میں مصروف رہا۔ وہ ایک زمانے تک نہایت خوش اسلوبی سے حکومت کرتا رہا یہاں تک کہ افریقی یوسف بن تاشفین نے اسے قتل کر کے اس کی سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ عبدالواحد مراکشی نے لکھا ہے کہ "عربِ اندلس میں بنی مظفر اہل علم وادب کے ملجا وماویٰ تھے۔ ان کا زمانہ عید اور شب برات تھا"۔

بلنسیہ بلنسیہ اور اس کے اعمال میں حاجب المنصور کے ایک پوتے عبدالعزیز نے اپنی امارت وسلطنت کی بنیاد ڈالی۔ اس نے ۴۵۷ھ/۱۰۷۵ء میں المریہ کو بھی بادیس بادشاہ غرناطہ کے قبضہ سے نکال لیا۔ اسی زمانے میں مجاہد بادشاہ دانیہ نے بلنسیہ پر فوج کشی کر دی۔ چنانچہ عبدالعزیز اپنے دارالسلطنت کو بچانے کی غرض سے الٹے پیروں بلنسیہ کی طرف روانہ ہو گیا اور اپنی جانب سے ایک سپہ سالار محن بن صمادح

۱؎ ابن خلکان ۲/۴۶۳ مقری ۵۵/۴ ۲؎ عبدالواحد ۷۰۔

ی کو المریہ کی حکومت پر مقرر کر گیا۔ عبدالعزیز کے بعد اس کا بیٹا ابوبکر تخت و تاج کا وارث
اس کے زمانے میں طلیطلہ کے بادشاہ مامون نے حملہ کر کے ریاست بلنسیہ کو اپنا باجگزار
۔ لیکن ۴۶۸ھ/۱۰۷۵ء میں ابوبکر نے المقتدر بادشاہ سرقسطہ کے ورغلانے پر بادشاہ طلیطلہ
ت کا جوا اتار پھینکا اور دس سال حکومت کرنے کے بعد راہی ملک بقا ہو گیا۔ بعد اس
س کا بیٹا عثمان کرسی حکومت پر بیٹھا۔ اس کے زمانے میں تاریانہ بادشاہ طلیطلہ نے شاہ قشتالہ
مدد سے پھر بلنسیہ پر قبضہ کر لیا (۴۷۸ھ/۱۰۸۵ء) اس کے پانچ سال بعد حکومت کا ارمان جعفر بن جحاف
بلنسیہ کے دل میں چٹکیاں لینے لگا چنانچہ اس نے فوج کشی کر کے قادر کو قتل کر ڈالا اور حکومت
ن و متصرف ہو گیا۔[1] قشتالہ کی سپاہ جو قادر کی حفاظت پر مامور تھی، بلنسیہ سے نکال باہر کر
ی۔

ی صمادح

معن بن صمادح نے بعد چندے عبدالعزیز بادشاہ بلنسیہ سے سرکشی اختیار
کی اور اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد بوجہ ضعیفی اس نے
شینی اختیار کی اور عنان حکومت اپنے بیٹے ابو یحییٰ محمد المعتصم باللہ کو سونپ دی
م اور شاہان بلنسیہ اور مرسیہ کے مابین بڑی جنگیں ہوئیں لیکن معتصم نے اپنے تخت کی
ی کو برقرار رکھا۔ معتصم بڑا عادل، رعیت پرور بادشاہ تھا اور طبعاً خونریزی کو
کرتا تھا۔ اس کے عہد میں المریہ نے صنعت و تجارت میں بڑی ترقی کی۔ وہ خود بہت
شاعر تھا اور بڑے بڑے علماء و شعراء اس کے دربار میں جمع رہتے تھے۔[2] قرون
سطیٰ کا مشہور جغرافی عبید البکری اور طرز موشح میں اپنے زمانے کا بے مثل شاعر عبادہ
اسی کے دربار کے گوہر تھے۔[3] چوالیس سال حکومت کرنے کے بعد ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء میں معتصم
آخرت در پیش آیا۔ اس کے بیٹے و جانشین کو یوسف بن تاشفین نے بیدخل کر کے افریقہ
ی کر دیا اور دولت بنی صمادح کا خاتمہ ہو گیا۔

---

۱ ابن خلدون ۴/۱۶۱ ۲ ابن خلکان ۲/۳۰۵ ۳ مقدمہ ۵۹۵

دانیہ و جزائر بلیبارک

ابوالجیش مجاہد العامری گورنر دانیہ اور جزائر بلیبارک نے اپنے علا[قے] میں خودسری اختیار کی۔ وہ رومی النسل تھا اور بنی عامر کے موالیو[ں] سے تھا۔ وہ قرآن و حدیث کا بہت بڑا عالم۔ اہل علم و فضل[کا] قدر دان اور کثیر الجہاد فرمانروا تھا۔ اس نے اپنے پرزور بحری حملوں سے کاربیکا۔ سا[ردینیا] کو خراب و ویران کر ڈالا تھا۔ سواحل اٹلی و فرانس کے بسنے والے عیسائی اس کے نام سے کا[نپ] اٹھتے تھے[1]۔ اسی کے زمانے میں اس کے گورنر میورقہ عبداللہ نے جزیرہ سرطانیہ کو[بھی] فتح کر کے عیسائیوں کو وہاں سے نکال باہر کیا۔ شاہان سرقسطہ، المریہ و بلنسیہ سے بھی[اس] کی بہت سی لڑائیاں ہوئیں۔ یہاں تک کہ وہ ان لڑائیوں کو ناتمام چھوڑ کر ۴۳۶ھ/۱۰۴۴ء میں[دنیا] سے رحلت کر گیا۔ اس کا بیٹا و جانشین علی ملقب بہ الموفق باللہ نہایت خوددار و فر[مانروا] تھا۔ علماء دین کی بالخصوص بے حد تعظیم کرتا تھا۔ نہ کبھی شراب پیتا تھا اور نہ کسی شر[اب] پینے والے کو اپنی صحبت میں رکھتا تھا[2]۔ اس کے زمانے میں المقتدر بادشاہ سرقسطہ نے[اس] پر فوج کشی کر کے دانیہ پر قبضہ کر لیا (۴۶۸ھ/۱۰۷۵ء) المقتدر کی اولاد میں سے المنذر و[غیرہ] یکے بعد دیگرے اس پر حکومت کرتے رہے یہاں تک کہ المرابطین نے ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء میں ا[س پر] قبضہ کر لیا۔ دانیہ میں بنی مجاہد کے زوال پر مبشر گورنر میورقہ نے خودسری اختیار کر کے[اپنے] لیے ناصر الدولہ کا لقب تجویز کر لیا[3]۔

بنی ہود

سرقسطہ۔ لاردہ اور افراغہ وغیرہ میں بنی ہود نے اپنا دربار جمایا جس[کو] ملوک الطوائف کی طرح علوم و فنون کی سرپرستی کا فخر حاصل تھا۔ اس[خاندان] شاہی کا بانی سلیمان بن ہود گورنر تطیلہ تھا۔ اس کی وفات پر اس کا بیٹا ابوجعفر احمد ا[لمقتدر] باللہ تخت نشین ہوا۔ (۴۳۸ھ/۱۰۴۶ء) وہ اپنے علم و فضل کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔ علم[ریاضی] ہیئت اور فلسفہ میں اس کو کامل دستگاہ حاصل تھی[4]۔ اس کے زمانے میں شاہ ار[غون نے] سرقسطہ پر قبضہ کرنے کی اس نے بڑی کوششیں کیں۔ لیکن المقتدر نے ہر بار شکست دے[کر]

---

[1] مسلم کالونیز، ۲۱ [2] عبدالواحد ۶۹ [3] ابن خلدون ۱۱/ ۲۲-۲۱ [4] مقری ۸[...]

بہادری کے ساتھ اس کو پسپا کر دیا اور عیسائیوں پر عربوں کے بلگنے سے رعب و داب میں
اضافہ ہو گیا۔ اس نے ۴۷۴ھ/۱۰۸۱ء میں وفات پائی۔ اس نے سرقسطہ میں قصر السرور اور
مجلس الذہب دو خوبصورت عالیشان محلات تعمیر کروائے۔ اس کا بیٹا یوسف المؤتمن کے لقب
سے تخت نشین ہوا۔ اپنے باپ کی طرح اس کو بھی علوم ریاضیہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ اس
کی نہایت مشہور تصنیفات الاستکمال اور المناظر ہیں۔[1] ۴۷۸ھ/۱۰۸۵ء میں
اس کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے ابو جعفر احمد ثانی نے سریر آرائے سلطنت ہو کر المستعین
کا لقب اختیار کیا۔ اس کے حالات آئندہ بیان کئے جائیں گے۔

بنی ذوالنون

اندلس میں جب طوائف الملوکی کا دور دورہ شروع ہوا تو اسماعیل بن
عبدالرحمن بن ذوالنون نے طلیطلہ پر قابض ہو کر اپنی امارت و سلطنت
کی بنیاد ڈالی۔ یہ شخص دولت مروانیہ میں اراکین سلطنت سے شمار کیا جاتا تھا اور اعمال طلیطلہ سے
شنت بریہ کی گورنری پر مامور تھا۔ اسماعیل الظافر نے رفتہ رفتہ اپنا دائرہ حکومت مضافات
بلنسیہ تک بڑھایا۔ بعد اس کے اس کا بیٹا یحییٰ المامون تخت کا وارث ہوا۔ اس نے
بڑے زور و شور سے حکومت کی اور اس کی شوکت و عظمت تمام ملوک الطوائف سے بڑھی
ہوئی تھی۔ سرحدی عیسائیوں پر اس کی شجاعت و بسالت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ المامون
نے ابو بکر بن عبدالعزیز سے بلنسیہ کو چھین لیا اور ۴۶۷ھ/۱۰۷۴ء میں قرطبہ کو بھی معتمد بادشاہ
اشبیلیہ کے قبضے سے نکال لیا۔ اس کے عہد حکومت میں سلطنت بنی ذوالنون بلحاظ خوشحالی
و قدر دانی علوم و فنون اندلس بھر میں مشہور تھی۔ دربار شاہی میں ہر وقت مذاکرات
علمیہ کا چرچا رہتا تھا۔ مشہور ہیئت دان ابوالقاسم عبدالرحمن الزرقال اسی کے دربار کا
ایک درخشندہ گوہر تھا۔ اس کے بعض جشن جو "جشن ذوالنونی" کہلاتے ہیں اہل مغرب میں
ضرب المثل بن گئے تھے۔ مغرب میں ان جشنوں کو وہی شہرت حاصل ہے جو "جشن نوروز"
مشرق میں حاصل ہے۔[2]

---

[1] مقری ۳۳۴ [2] ابن خلدون ۴/۱۶۳ ، مقری ۲۳۶

المامون نے اپنے ایک قصر کے بڑے حوض میں جو بشکل تعمیر کروایا تھا وہ بادیہ نشینان عرب کی قوت ایجاد کا
حیرت انگیز نمونہ تھا اسکے اندر جانے کیلئے ایک زمین دوز راستہ تھا۔ اس کے گنبد اور دیواروں پر رنگ برنگ کے شی[شے]
جڑے ہوئے تھے جن پر گنگا جمنی کام تھا۔ پانی کو کچھ اس صنعت ہندسانہ سے اوپر چڑھا[یا]
گیا تھا کہ جب پانی گنبد کے اوپر سے گر کر ان دیواروں پر سے بہنے لگتا جو گنبد کو تھامے ہوئے کھڑی
تھیں تو ایسا معلوم ہوتا گویا آب رواں کی ایک چادر ہے جو کل عمارت کو لپیٹے ہوئے ہے۔ المام[ون]
گنبد میں بیٹھا رہتا۔ اور پانی کی ایک چھینٹ بھی اس تک نہ پہنچتی۔ اس میں جب روشنی ہو[تی]
تھی تو رنگا رنگ شیشوں پر پانی کے قطرات قوس و قزح کا لطف دیتے تھے۔ ایک دا[ن]
المامون اس گنبد میں بیٹھا ہوا تھا کہ باہر سے کسی شخص کے گانے کی آواز سنائی دی جو یہ شعر [پڑھ]
رہا تھا۔ (ترجمہ) "تو مکان رہنے کے لیے بناتا ہے حالانکہ اگر تجھے معلوم ہو تیرا قیام یہاں بہ[ت]
کم ہے۔ درخت کا سایہ ہی کفایت کرتا ہے اس شخص کے لیے جو ہر روز کوچ کے لیے تیار بیٹھا ہو۔"
اس سے اس کا عیش منغص ہوگیا۔ حاضرین دربار سے کہنے لگا۔ "غالباً موت نزدیک آگئی ہے۔" اس [کے]
بعد پھر وہ اس گنبد میں نہ بیٹھا۔ ایک ماہ بھی نہ گذرا تھا کہ کسی نے اس کو زہر دے کر مار ڈالا
(۴۶۷ھ / ۱۰۷۴ء) بعد اس کے اس کا پوتا قادر باللہ سریر آرائے سلطنت ہوا اور اس کے زمانے میں
سلطنت بنی ذوالنون کے ہاتھوں سے جاتی رہی۔

اشبیلیہ کی قسمت میں لکھا تھا کہ وہ اندلس کا چند روزہ مہمان سلطنتوں میں
بنی عباد سے زیادہ شہرت پائے۔ اس سلطنت کے بانی اشبیلیہ کے قاضی ابوالقاسم محمد
تھے۔ ابوالقاسم نہایت عقیل و فہیم بہت بڑے عالم اور اعلیٰ درجہ کے منتظم و مدبر تھے۔ انہوں
نے خلیفہ ہشام المؤید کا ایک ہم شکل پیدا کیا جو قلعہ رباح کا ایک بوریا باف تھا اور خود بحیثیت حاجب
کے دیگر ملوک الطوائف کو خلیفہ کی اطاعت کا پیام بھیجا۔ چونکہ حاجب المنصور کی کشمکش کا آخری
صحیح طور کسی کو نہ معلوم تھا قریب قریب چار کے متعدد خود سر حکمران اس کے فریب میں آگئے اور اشبی[لیہ]
کی اطاعت کرلی۔ ابوالقاسم اور شاہ المامون ذوالنون میں لڑائیوں کا سلسلہ جاری تھا۔ کہ اس

---

٥ متوفی ۲۷۵

۴۳۳ھ/۱۰۴۲ء میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابو عمرو عباد المعتضد باللہ تخت نشین ہوا۔ اس نے
پہلے تو مزید باپ کی طرح عدل و انصاف سے حکومت کی۔ بعد میں استبداد اختیار کر لیا۔ وہ بھی اعلیٰ
درجے کی سیاسی و انتظامی قابلیت رکھتا تھا اور شجاعت و شہامت میں یکتائے زمانہ تھا۔ لیکن
ساتھ ہی حد درجہ کٹھور تھا اور اتنی مقدار میں شراب پیتا تھا کہ کوئی شخص اس کا ساتھ نہ دے
سکتا تھا۔ المعتضد کی تمام عمر جنگ و جدل میں کٹی۔ اس نے قرطبہ کو بنی جہور کے قبضے سے نکالا اور اشبیلیہ
کے گرد و نواح شذونہ، قرمونہ، شریش وغیرہ بنی برزال و صنہاجہ کے بربر روساء خود مختارانہ
حکمرانی کر رہے تھے ان میں سے کسی کو حیلے سے اور کسی پر فوج کشی کر کے زیر کیا۔ ۴۴۵ھ/۱۰۵۳ء میں مزید
مرسیہ کو ابن رشیق سے چھین لیا۔ اس غربی اندلس کے شہروں مثلاً لبلہ، شلب، شنتمریہ، مرتلہ وغیرہ
کے امیروں نے بھی ڈر کر اس کی اطاعت کر لی[1]۔ اس کے بعد جب المعتضد کو مصنوعی خلیفہ ہشام کی
ضرورت نہ رہی تو بڑے تزک و احتشام سے ان کا مصنوعی جنازہ اٹھا کر ان کو سپرد خاک کر دیا گیا
المعتضد کی بہت سی معرکہ آرائیاں شاہان غرناطہ اور بطلیوس سے بھی ہوئیں۔ آخر ان جنگوں
کو ناتمام چھوڑ کر وہ ۴۶۱ھ/۱۰۶۸ء میں چل بسا۔ اس بادشاہ کو اپنے دشمنوں کے سروں کو جمع کرنے کا
بہت شوق تھا۔ یہی کھوپڑیاں اس کے صحن قصر میں گملوں کا کام دیتی تھیں اور رنگا رنگ پھولوں
سے گل ریز رہتی تھیں[2]۔ لیکن علم اور اہل علم کی جو خدمت اس نے کی وہ نسلہائے مابعد کی نگاہ
میں اس تمام اخلاقی بداعمالیوں کا ایک حد تک کفارہ ہیں۔ وہ خود ایک بے عدیل شاعر تھا اور
اس کے اشعار بلحاظ رقت معانی و رفعت خیال اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔

المعتضد کے بیٹے محمد المعتمد علی اللہ حکومت ہاتھ میں لے کر جہانداری میں اپنے باپ
کی روش اختیار کی۔ اس نے قرطبہ کو دوبارہ بادشاہ طلیطلہ کے قبضے سے نکال لیا اور غربی اندلس میں بھی
اپنی حکومت کو استحکام بخشا۔ رفتہ رفتہ جملہ ملوک الطوائف پر اس کی صولت و شوکت بیٹھ گئی۔ اور
جنوبی اندلس پر اس کی حکومت قائم ہو گئی۔ شاہان غرناطہ، المریہ اور بطلیوس اپنے اپنے مقبوضات
میں اس کے علم حکومت کے شاہم اقتدار کو تسلیم کرتے تھے۔ اور اس کی مرضی کے مطابق عمل کرتے

---

[1] ابن خلکان ۳/۹۱-۱۸۲ [2] ابن خلدون ۴/۱۱-۸ [3] عبدالواحد ۸۹-۸۵

تھے[1] لیکن معتمد کا رجحان سیاست سے زیادہ فنونِ لطیفہ کی طرف تھا۔ بڑا بالغ خیال شاعر تھا اور فن ارتجال و بدیہہ گوئی میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ صرف انہیں کو وزیر مقرر کرتا تھا جو بلند پایہ شاعر و ادیب ہوتے تھے۔ اسی لئے اس کے پاس اتنے وزراء جمع ہو گئے تھے کہ اس سے پہلے کسی بادشاہ اندلس کے پاس نہ جمع ہوئے تھے۔ علم اور علماء نوازی میں شاہان بنو عباد کو بالعموم اور معتمد کو بالخصوص وہی فخر حاصل تھا جو عباسیوں کو بغداد میں[2]۔ اس کا زمانہ عید اور شب برات تھا وہ اپنی شجاعت، فیاضی، خوش خلقی و ملنساری، حلم اور مروت کی وجہ سے رعایا میں بے حد ہر دلعزیز تھا۔ لیکن جب وہ علانیہ شراب خوری، زنا کاری اور دیگر قبیح افعال سے تہتک شرع کرنے لگا۔ تو لوگوں کے دل اس سے پھٹ گئے اور وہ انقراض دولت عبادیہ کی دل سے دعائیں کرنے لگے[3]۔

مسلمان حکمرانوں کو خانہ جنگی میں مبتلا دیکھ کر عیسائیوں کو اس ملک کی تسخیر کا دوبارہ خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ فرڈیننڈ اول نے پہلے تو ریاست قشتالہ کو اپنی ریاست لیون میں ضم کر لیا اور بعدہٗ شمال کی دیگر چھوٹی چھوٹی عیسائی ریاستوں کو متحد کر کے اپنے علم کے نیچے جمع کر لیا۔ اس کے بعد اس نے مسلمانوں یعنی اس مغربی خلافتِ عظمیٰ کی بوسیدہ ہڈیوں کی طرف توجہ کی جس کے نام سے کسی زمانے میں ان پر رعشہ ہو جاتا تھا۔ بازیافت اندلس کے لئے اب جو لڑائیاں شروع ہونے والی تھیں۔ انہوں نے بہت جلد صلیبی جنگوں کی سی صورت اختیار کر لی۔ اور عیسائی اس وقت تک چین سے نہ بیٹھے جب تک کہ انہوں نے جزیرہ نما اندلس سے مسلمانوں کا کلی استیصال کر کے الحمرا کے بروج پر صلیب کا علم نہ اڑا لیا۔ اسی زمانے میں اہل کلیسا نے اس شرمناک اصول کی تخم ریزی کی کہ "جو معاہدہ کسی کافر (مسلمان) سے کیا جائے وہ واجب التعمیل نہیں ہوتا۔" جوں جوں وقت گزرتا گیا یہ پودا ایک تناور درخت بنتا گیا۔ اور آخر زمانہ سلطنت اسلامیہ تک تو یہ اصول ضرب المثل بن کر عیسائی بچے بچے کی زبان پر آ گیا۔ فرڈیننڈ نے پہلے تو اپنے جاسوسوں کو بھیج کر ایک دوسرے کے دشمن سلاطین و امراء عرب میں

---

[1] مقری ۴۳۰ [2] عبدالواحد ۹۳ – ۸۹ [3] مقری ۱ – ۵۰۴ [4] ابن الخطیب

...ندبرانہ چالوں نے آتش بغض و عناد کو ہوا دی، اور جب اس بات کو اچھی طرح محسوس
...کہ اب یہ لوگ ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہونے والے نہیں تو اس نے فوج کشی کر کے
...چھوٹی ریاستوں کو اپنا تابع فرمان بنالیا۔ مسلمانوں میں خود غرضی، انتقام، و بلند
...کا جذبہ کچھ اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ وہ دوست و دشمن کی تمیز نہ کر سکتے تھے۔ ہر
...ور بادشاہ عیسائیوں کی خوشامدیں کر کے ان کو اپنا معین و مددگار بناتا اور مدد کے
...اپنا کوئی نہ کوئی علاقہ دشمن کو سونپ دیتا۔ ان بے اعتدالیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ملوک طوائف
...د سلطنت رفتہ رفتہ کم ہوتی چلی گئیں اور یہاں تک کہ جزیرہ نمائے اندلس کے تمام بڑے
بادشاہوں نے کمزور پڑ کر یکے بعد دیگرے بادشاہ لیون کی باجگذاری قبول کرلی۔[1]

...سائیوں کی ...دستیاں

فرڈیننڈ نے سلطنتہائے طلیطلہ اور بطلیوس کے متعدد سرحدی قلعوں
پر قابض ہونے کے بعد ۴۵۶ھ / ۱۰۶۴ء میں بلنسیہ کی طرف قدم بڑھایا۔
گیارہویں صدی عیسوی کے مسلمانانِ اندلس عیش و عشرت میں پڑ
...زی سے زنانہ خو ہوتے چلے جا رہے تھے اس کا معمولی سا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ
...قت بلنسیہ کے لوگ اپنے بادشاہ عبدالعزیز کے ساتھ اپنے شہر کے تحفظ کے لئے نکلے ہیں
...کے جسم پر بھڑکدار لباس تھے۔ کسی قدیم شاعر نے اسی واقعے کی نسبت لکھا ہے کہ ترجمہ
...ں (عیسائیوں) نے تو جنگ میں جانے کے لئے لوہے کے کپڑے پہنے مگر تم نے رنگ برنگ
...کے لباس زیب تن کئے۔ اگرچہ کچھ زیادہ بہتر نہیں ہوا وہ نہ ہوتا تو ان کے بدتر سے بدتر اور تمہارے
...سے اچھے لوگ عیاں نہ ہوتے۔" عیسائیوں نے دھوکہ دے کر ان کو اعمالِ بلنسیہ میں کمین گاہ کی
...میں پھنسا کر تقریباً پورے اسلامی لشکر کو غارت کر دیا۔ معدودے چند جانبر ہو کر عبدالعزیز
...تھ بلنسیہ پہنچ سکے تھے۔ فرڈیننڈ نے بلنسیہ کا محاصرہ کر لیا۔ مگر چند ہی روز بعد بیمار ہو کر
...واپس چلا گیا اور جاتے ہی مر گیا۔

فرڈیننڈ کی طرح رامیرو بادشاہ ارغون بھی خاموش نہ بیٹھا تھا اس نے فوج

---

[1] ...ن خلدون ۱۱/۸ ۔ مقری ۲ ۔ ۱ ۔ ۵۷۰

ٹیز کے ساتھ ۴۵۶ھ/۱۰۶۴ء میں بربشتر کا محاصرہ کرلیا جو سرقسطہ کے شمال مشرق میں سا
کے فاصلے پر ایک بڑا شاد و آباد شہر تھا۔ المقتدر بادشاہ سرقسطہ کے بھائی یوسف نے جو ا
بھائی سے برگشتہ تھا شہر کی حفاظت میں دانستہ غفلت برتی۔ گرچہ محصورین نے بڑی جرا
سے مقابلہ کیا اور دشمن کی بڑی بھاری تعداد کو موت کے گھاٹ اتارا لیکن جب شہر میں آ
کا سلسلہ بند ہوگیا تو مجبوراً امان مے کر انہوں نے شہر کو غنیم کے حوالے کردیا۔ لیکن دشمن
اپنی عادت کے مطابق شہر میں داخل ہوتے ہی خلاف عہد نامہ لوگوں کا قتل عام شروع کر
اور بقیۃ السیف کو غلام بنالیا۔ پچاس ہزار سے زیادہ عورتیں، بچے اور بوڑھے مرد جن نو
سے کوئی مردکار بھی نہ تھا سخت اذیتوں کے ساتھ ہلاک کردیئے گئے۔ کسی کی کو
کاٹی گئیں، کسی کو تیل کے ابلتے ہوئے کڑھاؤ میں ڈالا گیا۔ کلہاڑیوں سے جسم انسا
قطع و برید کی گئی۔ بچوں کے کباب ان کی ماؤں کے سامنے لگائے گئے اور لڑکیوں ک
کے والدین کے سامنے آبروریزی کی۔ غرض ان عیسائی وحشیوں نے جن بے رحمیوں
خلاف انسانیت حرکتوں سے بربشتر پر قبضہ کیا ہے ایسی یورپ کی کسی صلیبی لڑا
اس کی نظیر نہیں ملتی[1]۔ اس خبر سے سرقسطہ میں ایک ہلچل مچ گئی۔ المقتدر جوشِ انتقام
لبریز مجاہدین کی ایک جماعت کے ساتھ بربشتر کی جانب روانہ ہوا اور سخت مجادلہ و
کے بعد شہر کو عیسائیوں سے نکال لیا۔ بے شمار عیسائی مسلمانوں کی تیغ براں کے شکار ہو
شہر میں داخل ہو کر مسلمانوں نے اصولِ شجاعت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور بے گناہ عور
اور بچوں کے خون سے ہاتھوں کو نہ رنگا۔ اس معرکے میں صرف پچاس مجاہدین نے
شہادت نوش کیا[2]۔

فرڈیننڈ کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں میں تخت کے لئے خانہ جنگی چھڑ
مسلمانوں کو چاہیے تھا کہ وہ عیش پرستی اور خودغرضی کو چھوڑتے اور متحد ہو کر دشمن کا مقا
کرتے لیکن وہ اس فرصت سے مستفید نہ ہوئے یا یوں کہا جائے کہ آج ہی کل کی طرح

---

[1] اخبار الاندلس ج ۲، ۱۲۲ [2] مقری ۶۷ ـ ۶۳

ردیا گیا۔ کئی سال کی خانہ جنگیوں کے بعد الفانسو اپنے بھائیوں کو قتل کرنے کے بعد لیون و
لیقیہ کے تخت پر بیٹھا۔ باوجودیکہ ملوک الطوائف وقت مقررہ پر اس کو سالانہ خراج
بھیج دیا کرتے تھے لیکن ہر سال یہی دیکھنے میں آتا کہ لیون و قشتالہ کی فوجیں خلاف
معاہدہ آتش و شمشیر لیے کر طوفان کی طرح جنوب کے زرخیز علاقوں پر آپڑتیں جو کچھ پاتیں
سمیٹ لے جاتیں اور مسلمانوں کے مال مقروضہ سے روز بروز مصولی ہوتی چلی جاتیں۔ مسلمانوں
کی متفرق اور کمزور ریاستیں پانے میں ایک متفقہ و دل بڑھی فوج کے مقابلے کی طاقت نہ
تیں اور یوں ان کو گھن لگتا چلا گیا۔ ان کامیابیوں سے شیر دل ہو کر الفانسو نے طلیطلہ
کی تسخیر کا قصد کیا۔

طلیطلہ پر الفانسو کا قبضہ

جن عیسائیوں نے مامون کے زمانۂ حکومت میں افواج طلیطلہ کی تلوار
کا مزہ چکھ لیا تھا ان کو پھر کبھی طلیطلہ پر فوج کشی کی ہمت نہ ہوئی لیکن
مامون کے جانشین پوتے قادر باللہ کے زمانے میں جب سلطنت میں
ضعف پیدا ہوا تو الفانسو نے طلیطلہ کا محاصرہ کر لیا۔ شہر کی سخت ناکہ بندی کر دی اور
دی تاجہ تمام میوے کے باغات اور فصلوں کو بالکل تباہ کر ڈالا۔ آخر سات سال کے
صرے کے بعد قادر باللہ نے اس وعدے پر کہ بلنسیہ کے تخت پر اس کو بٹھا دیا جائے
ینا دار السلطنت الفانسو کے حوالے کر دیا[۱] ($\frac{۴۷۸ھ}{۱۰۸۵ء}$) طلیطلہ پر قابض ہو کر الفانسو
اس کو اپنا پایۂ تخت بنا لیا۔ طلیطلہ کی تسخیر کو ابھی پورے جیسے دن بھی نہ گذرے تھے
مالی کلیسا کے زور دینے پر الفانسو نے اس عہد نامے کی خلاف ورزی شروع کر دی جس کی
سے مسلمانوں سے مذہبی آزادی کا وعدہ کیا گیا تھا۔ ان کو بجبر عیسائی بنانے اور مساجد
مسخ کرنے کی مہم تیزی کے ساتھ شروع کر دی گئی۔ شہر کی بڑی بڑی مسجدوں کو شاہی
سے گرجوں میں تبدیل کر دیا گیا۔ مسلمانوں پر اس قدر سختیاں کی گئیں کہ وہ عیسائیوں کے
دل کی تاب نہ لا کر سلطنت ہائے اشبیلیہ۔ سرقسطہ و غرناطہ میں ہجرت کر گئے۔ زمانہ

---

[۱] ابن اثیر $\frac{۱۰}{۵۶-۵۷}$ ؛ مقری ۲/۵۱۵

خلافت میں اگر کوئی سیاح طلیطلہ اور اس کے مضافات پر نظر ڈالتا تو دریائے تاجہ کے دونوں جانب اس کو میلوں تک لہلہاتے کھیتوں۔ پھلدار درختوں، خوبصورت دیدہ زیب محلات اور باغوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ دکھائی دیتا۔ مسلمانوں کے چلے جانے کے بعد تمام زراعت اور صنعت و حرفت برباد ہو گئی۔ مکانات بے چراغ ہو گئے اور آہستہ آہستہ کھنڈرات میں تبدیل ہو کر شہر خموشاں کا نقشہ پیش کرنے لگے۔

طلیطلہ اندلس کے بہت بڑے شہروں میں سے تھا۔ اس کی تسخیر سے حوالت مسیحی میں بہت اضافہ ہو گیا اور الفانسو نے "سلطان" کا لقب اختیار کر لیا۔ ملوک الطوائف میں اتحاد و اتفاق کے امکانات دور دور تک نظر نہ آتے تھے۔ ایسی صورت میں قرین قیاس ہو چلا تھا کہ اندلس کی مابقی اسلامی ریاستیں بھی صبح و شام کی مہمان ہیں اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر مسیحیوں کے قبضے میں جانے والی ہیں۔

الفانسو کے سفیر کا قتل

ان دنوں معتمد کی جنگ معتصم بادشاہ المریہ سے چھڑی ہوئی تھی اس لئے وہ وقت مقررہ پر سلطنت قشتالہ کو خراج نہ بھیج سکا۔ چنانچہ الفانسو نے ابن شالب نامی اپنے ایک یہودی سفیر کو رؤساء نصاریٰ کی ایک جماعت کے ساتھ اس رقم کی وصولی کے لئے اشبیلیہ بھیجا لیکن جب یہ رقم اس کو پیش کی گئی تو اس نے گستاخانہ الفاظ میں کہا کہ "آئندہ سال خراج میں شہروں اور قلعوں کے اور کچھ نہ قبول کیا جائے گا"۔ سفیر کا رویہ چونکہ معروف ایلچی گری سے تجاوز کر گیا تھا۔ معتمد نے اس کو قتل کر ڈالا۔ اس وقت الفانسو قرطبہ کے محاصرے کو جا رہا تھا۔ سفیر کے قتل کی خبر سنتے ہی وہ طلیطلہ کی جانب پلٹا اور جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ صلیبی لڑائی کا شہرہ سن کر ہزارہا دلاورانِ انگلستان و فرانس بھی جزیرہ میں پہنچ گئے۔ اور یوں قلیل مدت میں ساٹھ ہزار کا جرار لشکر قشتالہ کے علم کے نیچے جمع ہو گیا۔ الفانسو نے جب اس پر نظر ڈالی تو متکبرانہ لہجے میں بول اٹھا کہ "اس فوج سے تو میں جن و انس و ملائکہ تک سے جنگ کر سکتا ہوں"۔ جزیرہ نما کے آئندہ واقعات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ اب کچھ حال شمالی افریقہ کا بیان کیا جائے، جہاں یافت اندلس کے ڈرامہ کا منظر اب افریقہ میں تبدیل ہوتا ہے۔

افریقہ میں سیاسی انقلاب

جبکہ اندلس میں سلطنتِ اسلامیہ پارہ پارہ ہو رہی تھی۔ افریقہ میں ایک زبردست سیاسی و مذہبی انقلاب نے سوسائٹی کی شکل و صورت کو بدل کر رکھ دیا۔

صحرائے اعظم کے مغربی حصے میں لمتونہ نامی بربریوں کا ایک قبیلہ رہتا تھا جس کے تعلقات برادرانہ قبیلہ صنہاجہ کے ساتھ تھے۔ قبیلہ صنہاجہ کے مرد بڑے لحیم و شحیم، نہایت جنگجو جفاکش اور قدرت و طاقت کا نمونہ ہوتے تھے۔ وہ اگر کسی گھوڑے کی پیٹھ پر نیزہ مارتے تو وہ زمین میں جا دھنستی اور گھوڑا وہیں کا وہیں رہ جاتا اور اگر کسی سوار کے سر پر تلوار مارتے تو ایک ہی وار میں گھوڑے اور سوار دونوں کا فیصلہ کر دیتے تھے۔ اپنے چہرے اور سانس کو حرارتِ صحرا اور آندھیوں کی مضرت سے محفوظ رکھنے کے لئے وہ اپنے قومی دستور کے مطابق آنکھوں کے نیچے سے ٹھوڑی تک گہرے نیلے رنگ کا نقاب ڈالے رہتے تھے۔ اس لئے ملثمین (نقاب پوش) کے لقب سے مشہور تھے۔ ان لوگوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا وہ اپنے دینی رہنما کو جو بیک وقت ان کا بادشاہ بھی ہوا کرتا تھا "المرابط"[1] کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے دینی رہنماؤں کے زیرِ قیادت مغرب الاقصیٰ میں بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں ان کا بادشاہ یوسف بن تاشفین تھا۔

یوسف بڑا نیک و عابد و زاہد، سادہ مزاج، بڑا بہادر و فیاض، رعایا پرور، علوم و فنون کا قدردان اور ایک زبردست فاتح تھا۔ مسلمانانِ اندلس کی حالتِ زار اور اس پر عیسائی سلطنتوں کی دھمکیاں اس حامیِ دین کی نظروں سے پوشیدہ نہ تھیں۔ مسلمانانِ اندلس کے وفود بار بار افریقہ پہنچ کر اس کے سامنے عیسائیوں کے ظلم و جور اور مسلمانوں کی پریشانیوں کو رو رو کر بیان کرتے اور اسلام کا واسطہ دے دے کر اس سے امداد کے خواستگار ہوتے، اگرچہ یوسف اس سے بیحد متاثر ہوتا۔ لیکن ان دنوں وہ افریقہ میں اپنی فتوحات کو وسعت دے رہا تھا۔ اس نے چند سالوں کی مدت میں حدودِ سلطنت مرابطین کو الجیریا سے لے کر انتہائے مغرب میں سینیگال تک پہنچا دیا۔ اور دو نئے شہروں مراکش اور تلمسان کی بنیاد رکھی۔ خلیفہ بغداد نے اپنی جانب سے اس کو بلادِ مغرب پر اپنا نائب مقرر کر کے اس کو خلعت اور "امیر المسلمین" کے لقب سے سرفراز کیا۔ یوسف کی شجاعت اور فتوحات کی شہرت جزیرہ نما

---

[1] ابن خلکان ج ۲ ص ۴۲۸-۴۲۴ و ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۴-۳

اندلس کے انتہائے شمال تک پہنچ چکی تھی وہاں کے عیسائی اس کے نام سے لرزہ براندام تھے اور خوب سمجھتے تھے کہ وہاں کا کوئی عیسائی بادشاہ اس کے مقابلے کی طاقت و جرأت نہیں رکھتا تھا۔ عیسائیوں کی چیرہ دستیوں سے پریشان اندلس کے چھوٹے بڑے رئیس بھی اس کو اپنی امداد و اعانت پر بلانے سے اس خیال سے ڈرتے تھے کہ عیسائیوں کی سرکوبی کے بعد کہیں وہ ان کی سلطنتوں پر قابض ہو جائے۔ یوسف کا ارادہ تھا کہ مغرب الاقصیٰ کی تسخیر کے بعد اندلس کو بھی اپنے دائرہ حکومت میں شامل کر لے۔ چنانچہ جن دنوں وہ سبتہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔ ملوک الطوائف نے اس کو اندلس پر فوج کشی کا پیش خیمہ سمجھ کر بالاتفاق یوسف کو اس مضمون کا خط لکھ کر درخواست کی کہ وہ اپنی فیاضی سے ان کے ملک پر فوج کشی نہ کرے اور ان کو اپنے سایۂ عاطفت میں لے لے۔ یوسف نے ان کی درخواست کو قبولیت کا درجہ دیا جس سے ان کو کمال اطمینان حاصل ہوا اور ان کے دلوں میں امیر المسلمین کی قدر و منزلت بڑھ گئی۔ اب ہم دوبارہ جزیرہ نما اندلس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

یوسف سے مدد کی درخواست

الفانسو کی جنگی تیاریوں کی خبریں سن سن کر بے یار و مددگار مسلمانان اندلس میں سخت گھبراہٹ و بے چینی پھیل رہی تھی۔ ملوک الطوائف اپنی بے اعتدالیوں سے دانستہ یا نادانستہ جزیرہ نما میں اسلام کو مٹانے پر تلے نظر آتے تھے۔ لیکن اسلام نے انہیں بڑے نازک موقع پر بچا لیا۔ اس وقت معتمد کی نظریں افریقہ کی جانب اٹھیں۔ اس نے المریہ۔ غرناطہ۔ بطلیوس اور قرطبہ کے قاضیوں کو بلا کر اپنے وزیر ابوبکر بن زیدون کے ہمراہ یوسف کے پاس بھیجا تاکہ وہ اس کو جہاد پر آمادہ کریں۔ الفانسو کو اس سفارت کا علم ہوا تو اس پر سخت خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ لیکن وہ بڑا چالاک شخص تھا اور عربوں اور بربریوں کے درمیان جو قدیمی عداوت چلی آتی تھی اس سے خوب واقف تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے جاسوسوں کے ذریعے یہ خبر مشتہر کر دی کہ معتمد نے یوسف کو فوج کثیر کے ساتھ اندلس بلا بھیجا ہے۔ عوام الناس تو اس خبر سے بے حد مسرور ہوئے اور ان کے دل ہائے امید کھل گئے۔ لیکن ملوک الطوائف جن کو اپنی اصلاح اور تقویت دین کے بجائے اپنا اپنا تخت و تاج سنبھالنے کی زیادہ فکر پڑی تھی، معتمد کی خود رائی سے سخت

زش تھے وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے حدودِ سلطنت میں ایک ایسا بلند تر فاتح قدم
نے کے ہر قدم پر فتح و کامرانی نثار ہوتی تھی۔ انہوں نے معتمد کو مآلِ کار سے آگاہ کرتے
ئے یہ مقولہ یاد دلایا کہ "ایک میان میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں"۔ معتمد نے یہ جواب دے
ب کو خاموش کر دیا کہ "اونٹ کا چرواہا سور کے چرواہے سے بہتر ہے"۔ یہ مقولہ بعد میں
مثل بن گیا۔ اس میں کنایہ یہ تھا کہ اگر میری تقدیر میں سلطنت سے محروم ہو کر کسی غیر ملکی کا
بننا ہے تو مجھے یوسف کا قیدی بن کر افریقہ میں اس کے اونٹوں کی ساربانی خوشی سے منظور
الفانسو کا قیدی بن کر قشتالہ میں اس کے سور چرانے ہرگز قبول نہیں۔

غرض معتمد کے سفیروں نے سبتہ میں یوسف سے ملاقات کی اور اپنے بادشاہ کے
اس کی خدمت میں پیش کر کے الفانسو کے ہاتھوں اسلامی شہروں اور مسلمانوں
کی پریشانی کا ایسا دردناک نقشہ پیش کیا کہ یوسف کا دل پانی ہو گیا۔ اس نے سفیروں
کی تسلی و تشفی کی اور ان سے کہا کہ تم واپس جا کر اپنے بادشاہ کو اطلاع دو کہ ہم بہت جلد اندلس
اس بانیٔ شر و فساد (الفانسو) کو ایسی عبرت ناک سزا دیں گے کہ پھر کفار کو سر اٹھانے
نہ ہوگا۔ اس کے بعد یوسف جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔

زلاقہ

یوسف اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ سبتہ سے عبور کر کے جزیرۃ الخضرا میں
اترا اور وہاں سے اشبیلیہ پہنچا۔ معتمد نے اس بادشاہ کے شایانِ شان
استقبال کیا۔ یہاں سے وہ دشمن کی تلاش میں نکلا۔ آخر صوبہ بطلیوس میں بمقام زلاقہ
مقابلے کی نوبت آئی۔ دشمن کی ساٹھ ہزار (۶۰ ہزار) فوج کے مقابلے میں اسلامی
مجموعی تعداد بیس ہزار تھی۔ اس وقت رسہ کشی دو بادشاہوں کے درمیان تھی جس
فیصلہ ہونے والا تھا کہ یہ ترکۂ خلافت امیر المسلمین یوسف کی ملکیت رہے گا یا الفانسو
لڑائی میں پادری بھی مسلح ہو کر لڑ رہے تھے اور صلیبیں اور انجیلیں بلند کئے مسیحیوں کے
جا رہے تھے۔ ادھر علماء و فقہاء صفوں میں گھوم گھوم کر جہاد میں ثابت قدم رہنے
کتے پھرتے تھے۔ امیر المسلمین نے جنگ سے پیشتر اسلامی دستور کے مطابق الفانسو کو اسلام
تلوار میں سے ایک چیز کے قبول کر لینے کی دعوت دی۔ الفانسو نے اول دو شرائط کو حقارت

سے بھگا دیا اور یوسف کو ایک تہدید آمیز خط لکھا۔ یوسف نے جواب میں صرف اس قدر
کافی سمجھا کہ "جو کچھ ہونے والا ہے تو اسے عنقریب دیکھے گا"۔ اس کے بعد الفانسو نے اپنی
کو مخاطب کر کے کہا کہ افریقی فوجیں اس ملک میں بالکل نووارد ہیں اور محض معتمد کی حمایت
رہی ہیں اگر تم لوگ معتمد کو شکست دے لو تو افریقیوں کو زیر کرنا آسان ہو جائے گا

غرض ماہ رجب ۴۷۹ھ / ۱۰۸۶ء کی ایک صبح کو یکایک ہنگامہ کارزار گرم ہوا
الفانسو نے معتمد پر پوری قوت سے حملہ کر کے اس کو نرغے میں لے لیا۔ اندلسی فوج
تعداد میں بہت کم تھیں۔ اس حملے کی تاب نہ لا سکیں اور عربوں کی بھاری تعداد نے
نرش کیا اور باقیوں کے دل بھی چھوٹنے لگے لیکن معتمد ان کی ہمت قائم رکھنے کے لئے
کی مانند ہلاکت کے منہ میں کھڑا اس بے جگری سے لڑتا رہا کہ خلافتِ مغرب کے ان مجاہدین کی
کی یاد تازہ ہو گئی جو یورپ کی اکثر لڑائیوں میں ان سے ظاہر ہوئی تھی اور جس کی
انہوں نے کوہ سارڈینیا و آلپس کی چوٹیوں پر۔ پو اور رائن کے کناروں پر
اور سائیراکیوز کے برج پر اور شنت یاقب و ناربون کے کھنڈرات پر اسلامی
لہرا دیا تھا۔ تین گھوڑے یکے بعد دیگرے اس کے نیچے ہلاک ہوئے۔ زرہ
ٹکڑے اڑ گئے۔ زخموں سے اس کا جسم چھلنی ہو رہا تھا۔ اس کی بیقراری دمبدم بڑھ رہی
تھی۔ اور نظریں یوسف کی طرف لگی تھیں لیکن ادھر سے برابر کمک میں تاخیر ہو رہی
قریب تھا کہ عیسائی میدان مار لیں یوسف اپنے چار ہزار صنہاجی سواروں کے ساتھ یکایک
میں نمودار ہوا اور عیسائی لشکر پر اس طرح جھپٹا جس طرح باز اپنے شکار پر جھپٹتا ہے
خونخوار بربریوں کے حملے کی کہاں تاب لا سکتے تھے۔ بربر ان کو دھکیلتے ہوئے
خیمہ و خرگاہ تک پہنچ گئے۔ اور اس میں آگ لگا دی۔ یوسف اپنے ساتھ فوج
سے اونٹ لے کر آیا تھا۔ اندلسی گھوڑوں نے اس سے پہلے کبھی اونٹ نہ دیکھے
الفانسو کے گھوڑے ان کی مہیب شکلیں دیکھ کر بدکنے اور اپنی ہی فوج کو روندنے
آخر کئی گھنٹوں کی گھمسان لڑائی کے بعد افریقیوں نے پوری عیسائی فوج کو کاٹ کر
الفانسو ایک بربر کے نیزے سے بری طرح زخمی ہوا۔ لیکن اپنے چند محافظان تن

ن بلکہ نیم جان سلامت لیکر فرار ہو گیا اور صرف اپنے تیز رفتار گھوڑے کی بدولت۔ فتح کے بعد یوسف
[illegible] دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوتے وقت معتمد نے یوسف کا بہت کچھ شکریہ ادا کیا اور یوسف
معتمد کی خاطر داری کی بڑی تعریف کی۔[1]

اس کے بعد دونوں بادشاہ اشبیلیہ واپس آگئے۔ اس وقت فقہاء اندلس نے یوسف
درخواست کی کہ اہل اندلس کو طرح طرح کے محصولات اور حکام و امراء کے نابرداشتنی مظالم
ت دلائی جائے۔ چنانچہ اس نے سب کو ان تمام ٹیکسوں سے سبکدوش کر دیا جو زمانۂ طوائف الملوکی
ئے گئے تھے۔ بعد ازاں یوسف مراکش واپس چلا گیا۔[2] ان تمام لڑائیوں میں جو بازیابی اندلس کے لئے
یں جنگ زلاقہ ان میں سخت ترین تھی۔ اس سے وہ خطرہ جاتا رہا جو سلطنت اسلامیہ کو شمال
سے لاحق ہو گیا تھا۔ اس فیصلہ کن جنگ کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جزیرہ نما میں
حکومت کی مدت بقدر چار سو سال کے بڑھ گئی۔ اسی زمانے میں سلجوقی ترک سلاطین بھی
یں عیسائیوں پر بڑی بڑی فتوحات حاصل کر رہے تھے جس سے قسطنطنیہ سخت خطرے کی زد میں
اس لئے بقول گرانٹ مسیحی یورپ نے اس امر کی شدید ضرورت محسوس کی کہ مشرق و مغرب دونوں
ب پر اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیں اور مسلمانوں کو پیچھے ہٹا دیں۔ اس کا نتیجہ وہ
صلیبی جنگیں ہوئیں جو دو سو سال تک مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان لڑی جاتی رہیں۔

یوسف کے پیٹھ موڑتے ہی ملوک الطوائف پھر اپنے قدیم روپے پر آگئے۔ ان کو لذات
مک دیکھ کر الفانسو نے صوبہ مرسیہ کے ایک نہایت مستحکم قلعہ الیدو پر فوج کشی کر کے فتح کر لیا۔
میں محافظ فوج چھوڑ کر طلیطلہ واپس چلا گیا۔ اس فوج نے محض اپنی قوت کے بل پر مضافات
یہ تک تاخت و تاراج شروع کر دی۔ معتمد سے اس مختصر جمعیت کی بھی سرکوبی نہ ہو سکی اور
درخواست پر ایک بار پھر یوسف کو اندلس آنا پڑا۔ یوسف نے معتمد کی شرکت سے ۴۸۱ھ / ۱۰۸۹ء میں
محاصرہ کر لیا۔ لیکن عربوں پر کچھ ایسی نحوست سوار تھی کہ وہ ایسے نازک موقع پر بھی جھگڑنے
ز آئے۔ قلعہ قریب فتح ہونے کے تھا کہ عبد العزیز بادشاہ مرسیہ اور معتمد لڑ پڑے اور

---

[1] خلکان ۳/۱۴۹-۴۳ [2] ابن اثیر ۱۰/۴۳-۴۲ [3] ابن خلدون ۱۱/۸

معتمد کی شکایت پر یوسف نے عبدالعزیز کو گرفتار کر کے مغرب بھیج دیا۔ ابھی مرسیہ کی فوجیں محا
کر رہی تھیں کہ شہر کو واپس چلی گئیں اور ہر قسم کی امداد سے دستبردار ہوگئیں جس سے یوسف سخت تکالیف
میں پھنس گیا۔ اور دل برداشتہ ہو کر مراکش واپس چلا گیا۔

اسی زمانے میں علماء و فقہاء اندلس نے یوسف سے درخواست کی کہ ملوک الطوا
کی عیش کوشیوں سے اسلام کے وقار کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے وہ بحیثیت ایک دیندار
و منصف بادشاہ کے ان سے خلع کرائیں اور اگر وہ مانیں تو ان سے لڑنا جائز ہے۔[1] چنانچہ
اندلس کا شوق اس کو ۴۸۳ھ / ۱۰۹۰ء میں اندلس لے آیا۔ اس نے الیدو کا دوبارہ محاصرہ کر لیا۔ لیکن
اندلس میں سے اعلانِ جہاد کے باوجود کسی نے اس کی مدد نہ کی۔ مجبوراً سخت نقصان ا
الیدو سے ہٹ آیا اور اپنے غم و غصے کا پہلا شکار عبداللہ بن بلکین بادشاہ غرناطہ کو بنا
اور اس کا بھائی تمیم حاکم مالقہ دعوت کے حیلے سے گرفتار ہوئے اور سلطنت غرناطہ پر
کر لیا گیا۔ نفیس قیمتی کپڑوں، زر و جواہرات اور بیش قیمت ظروف کے جو ذخائر یوس
ہاتھ آئے ان کا اندازہ لگانا مشکل ہے ان خزانوں کا عطر موتیوں کا ایک ہار تھا
چار سو دانے تھے اور ہر دانے کی قیمت ہزار دینار تھی۔[2] اس کے بعد یوسف افریقہ
چلا گیا۔ اور اپنے نامور سپہ سالار سیر بن ابی بکر کو ایک فوج دے کر ہدایت کر گیا کہ شاہانِ اندلس کی ا
اعانت سے برابر جہاد میں مشغول رہے۔

امیر سیر نے حسب ہدایت الفانسو کے ملک میں داخل ہو کر قتل و غارت گری کا باز
اور بہت سے قلعوں کو مفتوح کر لیا۔ لیکن شاہانِ اندلس نے جو نہیں چاہتے تھے کہ اندلس ایک
سلطنت کا صوبہ بنے شرکتِ جہاد سے صاف انکار کر دیا اور امیر سیر کو کسی قسم کی سہولت پہنچا
طرف الٹا عیسائیوں کو مدد دینے لگے امیر سیر نے یوسف کو اپنی فتوحات سے اس کو مطل
لکھا۔ کہ ہم تو جہاد میں بے انتہا صعوبتیں اٹھا رہے ہیں۔ مگر رؤسائے عرب اپنے اپنے عشرت
میں پڑے عیاشی کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ چنانچہ یوسف نے اسے حکم بھیجا کہ ان سب کی

---

[1] مقری ۵۳۹ [2] ابن اثیر ۱۰ / ۹۲ - ۹۳

پر قبضہ کر لیا جائے۔ چنانچہ قطعی امر ہے کہ ملوک الطوائف بنسبت امیر عیسائیوں کو اپنی مدد پر بلاتے تھے۔ امیر سیر اور امیر مزدلی نے اندرتا بحر ترشیش فوج کشی کر کے شاہان المریہ، بطلیوس اور مرسیہ کو سلطنت سے بے دخل کر دیا۔ المتوکل بادشاہ بطلیوس اپنے دو بیٹوں کے قتل ہوا اور باقی گرفتار کر کے افریقہ بھیج دیئے گئے۔ رودہ کا نہایت مستحکم قلعہ بھی ایک حربی حیلہ سے المستعین بادشاہ سرقسطہ کے قبضے سے نکال لیا گیا[1]۔ ابن عبدون نے المتوکل کے مرثیہ میں جو ایک قصیدہ لکھا تھا اس میں ان مصائب کا جو اس زمانہ ادبار میں مسلمانان اندلس پر نازل ہوئے تھے۔ ایسا دردناک نقشہ کھینچا تھا کہ جس سے جمادات تک رو پڑے تھے۔

اس کے بعد معتمد کو یوسف کا حکم سنایا گیا کہ حکومت سے دستبردار ہو کر بعہ اہل و عیال افریقہ چلے آئیں۔ معتمد نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ امیر سیر نے اس امر کا احساس کر کے معتمد کے مقبوضات پر فوج کشی کر دی۔ چنانچہ ابو عبداللہ بن الحاج نے ماہ ربیع الاول میں قرطبہ کو اور ایک دوسرے فوجی افسر نے رندہ کو بزور تیغ فتح کر کے معتمد کے دونوں بیٹوں المامون اور الراضی کو جو علی التواتر قرطبہ اور رندہ کے حاکم تھے قتل کر ڈالا خود امیر سیر نے جزیرۃ الخضراء و قرمونہ کو فتح کر کے اشبیلیہ کا محاصرہ کر لیا۔ معتمد نے الفانسو سے امداد طلب کی لیکن یہ کمک اشبیلیہ نہ پہنچ سکی۔ اسحاق اللمتونی نے اس کو شکست دے کر منتشر کر دیا۔ معتمد بھی ڈال کا ٹوٹا عرب تھا تلوار لے کر میدان آ گیا اور المرابطین کے دانت کھٹے کر دیئے۔ لیکن جب اس کے مقتول بیٹوں کے سر اس کے سامنے پیش کئے گئے تو وہ رنج و الم سے نڈھال ہو گیا اور اس میں لڑنے کی سکت نہ باقی رہی۔ امیر سیر نے قصر شاہی میں داخل ہو کر معتمد اور اس کی ملکہ اعتماد کو گرفتار کر کے [illegible] بھیج دیا۔ جہاں ان کو بمقام اغمات میں قید کر دیا گیا۔ مدت مدید یہی سینہ چاک رہا اور رخسار نکبت اس کے دل میں کھٹکتا رہا آخر ماہ ربیع الاول ۴۸۸ھ میں موت نے آ کر تمام کلفتوں سے نجات دیدی اور اپنی بیوی کے پہلو میں اس کو سپرد خاک کر دیا گیا[2]۔ معتمد بڑا با صفات بادشاہ اور آسمان [illegible]

---

[1] ابن اثیر ج ۹ ص ۱۷۶ [2] ابن خلکان ج ۲ ص ۹۸-۱۸۲ و ابن الخطیب ج ۲ ص ۱۰۰-۲۰

عبادیہ کا آفتاب تھا۔ اس کے مکارم اخلاق اور لطائف اعلیٰ کا پورا نقشہ اگر تفصیل سے جمع کر کے اس کے
حالات لکھے جائیں تو کئی مجلدات درکار ہوں گی۔ نہایت عجیب و حیرت انگیز بات یہ ہے کہ لوگوں
کو اس کی نماز جنازہ میں یہ کہہ کر بلایا گیا کہ ایک غریب مسافر کی نماز جنازہ ہے آکر پڑھو۔ حالانکہ یہ وہ
بادشاہ تھا ایک چوتھائی اندلس پر جس کی حکومت تھی۔ بغرض ۴۸۴ھ / ۱۰۹۱ء میں اندلس سے طوائف الملوک کا
خاتمہ ہو گیا اور اندلس یوسف بن تاشفین کی افریقی سلطنت کا ایک صوبہ بن گیا۔

المرابطین

۴۸۴ھ / ۱۰۹۱ء تا ۵۴۱ھ / ۱۱۴۷ء

گزشتہ باب میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ یوسف بن تاشفین نے الجزائر سے سینیگال تک المرابطین کی سلطنت
قائم کر لی تھی۔ مرابط کے لغوی معنی رباط کے رہنے والے کے ہوتے ہیں۔ رباط اس قلعے کو کہتے ہیں جو دشمن کی سرحد پر
حفاظت کیلئے بنائے جاتے ہیں۔ ان میں محافظ فوج کے علاوہ ایسے نہایت دیندار اور متقی لوگ بھی رہتے تھے جو جہاد فی سبیل اللہ
کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے تھے۔ رفتہ رفتہ لفظ مرابط اسی طرح کے دیندار لوگوں کے لئے استعمال ہونے لگا جو جہاد کیلئے اپنے کو
وقف کر دیں۔ اگرچہ اندلس پر المرابطین کی حکومت قائم ہو چکی تھی، لیکن ان کو ان علاقوں کو دوبارہ فتح کرنے کیلئے جو
مسلمانوں سے نکل چکے تھے، وہ عیسائیوں سے برسرپیکار رہنا پڑتا۔ اس وقت اندلس کی مشرقی اور شمالی سرحدیں
سخت سیاسی اضطراب سے گزر رہی تھیں۔ ہم یہاں پہلی بار آپ کو ایک ایسے شخص سے روشناس کراتے ہیں جس کی
دو شخصیتیں ہیں۔ اسکا نام راڈریگو یا روڈی ڈی بیوار تھا اور وہ قشتالہ کا رہنے والا تھا۔ افسانوی سطح پر تو
اہل اسپین کی نظر میں زمانہ قدیم کا دیوتا اور ہر قسم کی سپاہی خوبیوں مثلاً رحم و انصاف، شجاعت، سخاوت
جوش مذہبی، خدا ترسی، عزت و آبرو اور وفا کا مجسمہ ہے لیکن تاریخی سطح پر اس کے بالکل برعکس ہمارا

سے ہم کو یہاں سروکار بھی ہے یہ شخص الچیوید کے گروہ کا سردار تھا۔ وہ کبھی بنی ہود سلاطین سرقسطہ کے زیر علم برشلونہ اور ارغون کے عیسائیوں سے لڑا۔ اور کبھی قشتالہ کی فوج میں شامل ہو کر مسلمان بادشاہوں سے شمشیر آزما ہوا۔ بار ہا اپنی نمک حرامی کی وجہ سے قشتالہ سے نکالا گیا اور ہر دفعہ اسے نکل کر سلاطین سرقسطہ کی ملازمت اختیار کرنی پڑی۔ غالباً شاہان سرقسطہ ہی نے اس کو "سید" کا خطاب دیا۔ جو سڈ کی شکل میں اس کے نام کے ساتھ اب تک منسوب چلا آتا ہے اس زمانے میں اس مشہور بادشاہ فرڈیننڈ اعظم کی رو سے فرڈیننڈ اپنی سلطنت اپنی اولاد میں تقسیم کر گیا تھا اور بھائیوں میں جنگ برادر کشی شروع ہوگئی تو سڈ نے کبھی ایک بھائی کے ہاتھ اپنا سر بیچا اور کبھی دوسرے بھائی کے ہاتھ۔

بلنسیہ شہر پر الفانسو ششم نے قادر بادشاہ کو اس کے تخت پر بٹھا دیا تھا۔ لیکن ابن جحاف قاضی بلنسیہ نے قادر کے مربی (سرپرست) سڈ کی غیر موجودگی میں ۴۸۵ھ/۱۰۹۲ء میں بغاوت کرکے حکومت پر قبضہ کر لیا اور بغاوت ہوتے ہی المرابطین سے نظریں پھیر لیں جن کی مدد سے اس نے تخت حکومت حاصل کیا تھا چنانچہ المرابطین کا لشکر واپس چلا گیا۔ ابن جحاف کو لطف حکومت اٹھائے زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ۴۸۶ھ/۱۰۹۴ء میں سڈ نے یورش کر کے بلنسیہ کو محصور کر لیا۔ ابن جحاف نے المرابطین کو مدد پر بلا بھیجا۔ یوسف بن تاشفین اس کو مدد کے جھوٹے وعدے میں جھلاتا رہا یہاں تک کہ بیس ماہ کے محاصرے کے دوران سڈ نے قساوت قلبی کے جو تماشے دکھلائے ہیں۔ اس کے بیان سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ شاطبہ سے لے کر اربلہ تک جہاں خوبصورت باغوں اور بنگلوں کا سوائے راکھ کے ڈھیر کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ لیکن [illegible] اس ظالم نے کسی مکان کی دیوار تک سالم نہ چھوڑی۔ آخر بلنسیہ فتح ہو گیا۔ شہر میں داخل ہو کر وحشی عیسائی فوج نے قیامت برپا کر دی۔ ابن جحاف کو تیل کے ابلتے کڑھاؤ میں جھونک دیا گیا۔ ہزاروں آدمی کتوں سے پھڑوا ڈالے گئے اور جی بھر کر خواتین کی بے حرمتی کی گئی۔ اس کے بعد سڈ نے قرب و جوار کی مسلمان ریاستوں مثلاً البراسین، البونتے، مرویدرو میں اس قدر خوف و دہشت پھیلانا شروع کر دیا کہ وہ اپنے کو اس کے شر سے محفوظ رکھنے کے لیے اتنی مقدار میں خراج ادا کرنے لگیں کہ خود دیوالیہ ہوتی چلی گئیں۔ آخر یہ رسی کب تک دراز رہتی۔ ۴۹۵ھ/۱۱۰۲ء میں بلنسیہ کے باہر المرابطین کے مقابلے میں اس نے شکست فاش کھائی جس کے صدمے سے اس کا دل بیٹھ گیا اور دو سال بعد مر گیا اور بلنسیہ پر المرابطین کا قبضہ ہو گیا۔[1]

---

[1] مقری ۵۷۸ و لین پول ۲۰۸ - ۲۰۵

بجنیہ کی فتح امیر المسلمین یوسف کی آخری کامیابی تھی۔ سنہ ۵۰۰ھ (۱۱۰۶ء) میں اس کے انتقال کے بعد اس

علی

کا بیٹا ابوالحسن علی تخت نشین ہوا وہ بھی اپنے باپ کی طرح بڑا عابد و زاہد، عدل پسند اور بڑا ہی منتظم بادشاہ تھا۔ اس نے اپنے بھائی تمیم کو اندلس کا والی مقرر کر کے اشبیلیہ کو اس کا پایہ تخت قرار دیا۔ یوسف کی وفات سے عیسائی پھر دلیر ہو گئے اور انہوں نے مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ ان کی تادیب کے لئے علی سنہ ۵۰۳ھ (۱۱۱۰ء) میں اندلس آیا اور طلیطلہ کو محصور کر کے چاروں طرف فوجیں پھیلا دیں چنانچہ امیر تمیم اور امیر سیر کی تلواروں نے سرحد پر ایک آفت برپا کر دی۔ قشتالہ کا بہت بڑا علاقہ برباد کر دیا گیا، شہر و قلعے مثلاً اوکانیہ، اقلیش، طلبیرہ، وادی الحجارہ، مجریط، اور یورقش، اشترنہ، شنترین وغیرہ یکے بعد دیگرے مفتوح کر لئے گئے اور بے قیاس غنیمت از قسم غلہ و اسلحہ اور لونڈی و غلام مسلمانوں کے ہاتھ آئی۔[۱] اس کے بعد علی طلیطلہ کی تسخیر کو سال آئندہ کے لئے موقوف کر کے مراکش چلے گئے۔

میورقہ پر المرابطین کا قبضہ

مبشر ناصر الدولہ جزیرہ میورقہ میں بحالت خودسری حکومت کر رہا تھا۔ جزائر کے عیسائیوں نے موقع پاکر جزیرہ کو جا گھیرا۔ مبشر نے علی سے امداد طلب کی۔ قبل اس کے کہ افریقی کمک پہنچے عیسائی بزور تیغ جزیرہ میں داخل ہو گئے لیکن چند ہی ماہ بعد المرابطین کا جنگی بیڑہ میورقہ پہنچ گیا اور سخت جدال و قتال کے بعد المرابطین نے عیسائیوں سے جزیرہ کو خالی کرا لیا اور علی کی جانب سے وہاں کی حکومت پر انور بن ابوبکر کو مقرر کیا۔[۲] اس کے ساتھ ہی جزائر منورقہ اور آئیویکا پر بھی المرابطین کی حکومت قائم ہو گئی۔

سرقسطہ پر شاہ ارغون کا قبضہ

اسی زمانہ میں شمال مشرق اندلس میں عیسائیوں کی یورشوں سے سخت ہلچل مچی ہوئی تھی۔ شاہ ارغون نے ایک عظیم فوج کے ساتھ سرقسطہ کو سنہ ۵۰۳ھ (۱۱۰۹ء) میں محصور کر لیا۔ المرابطین کا لشکر بھی محصورین کی کمک پر پہنچ گیا۔ لیکن المستعین بادشاہ سرقسطہ نے شہر سے نکل کر غنیم کا مقابلہ کیا اور شدید خونریزی کے بعد عیسائیوں کو فاش شکست دیدی۔ لیکن المستعین نے بعد دس ہزار مسلمانوں کے جام شہادت نوش کیا۔ اس کے بعد سرقسطہ پر امیر المسلمین علی کا قبضہ ہو گیا اور ابوبکر بن ابراہیم یہاں کا حاکم مقرر ہوا لیکن المرابطین کا قبضہ پائیدار ثابت نہ ہوا بادشاہ

---

[۱] ابن اثیر ۱۰/۲۷۲ [۲] اخبار الاندلس ۲/۲۵۵ [۳] ابن خلدون ۱۱/۲۴۲–۳۳۳

[...]نے فرانسیسیوں کی مدد سے ایک جرار لشکر کے ساتھ شہر کو ایک سخت محاصرے کے بعد ۵۱۲ھ/۱۱۱۸ء [فت]ح کر لیا۔[1] علی کا بھیجا ہوا بارہ ہزار سواروں کا لشکر محصورین کی کمک پر اس وقت پہنچا جبکہ شہر پر [عیسائی]وں کا قبضہ ہو چکا تھا چنانچہ یہ فوج واپس لوٹ گئی۔ اس کے بعد شاہ اذفونش نے اعمال سرقسطہ میں سے [...] محاصرہ کیا۔ امیر ابراہیم حاکم بلنسیہ نے شہر کو بچانے کی ناکام کوشش کی۔ دروقہ کے قریب مسلمانوں نے [...] شکست کھائی اور ان کے بیس ہزار آدمی کھیت رہے۔[2]

[ق]رطبہ میں [بغ]اوت

اندلس کے تمام فوجی و دیوانی صیغوں میں بربر حکام چھائے ہوئے تھے۔ انہوں نے رعایا کو لوٹنا و ستانا شروع کر دیا۔ لوگوں کی عزت و ناموس غیر محفوظ ہو گئی جب لوگوں کی منت و سماجت کی طرف شنوائی نہ ہوئی تو ۵۱۵ھ/۱۱۲۱ء میں ایک روز [قرط]بہ نے پہل کر دی۔ تلواریں سونت لیں اور بربریوں کا قتل عام شروع کر دیا۔ مال و اسباب لوٹ لیا [ان] کی عورتوں کو اٹھا لے گئے۔ بغاوت نے اتنی خطرناک صورت اختیار کر لی کہ افریقیہ سے علی کو [صن]ہاجہ و زناتہ سے فوج مرتب کر کے قرطبہ آ کر شہر کا محاصرہ کرنا پڑا۔ آخر اہل قرطبہ نے بخوف [...] علی سے امان طلب کر کے شہر کے دروازے کھول دیئے۔ علی نے شہر میں داخل ہو کر از سر نو [امن و ا]مان بحال کیا۔[3] اس کے بعد علی عیسائیوں کی گوشمالی کے قصد سے شمال کی طرف روانہ ہونے والا تھا [...]یسے بغاوت کی وحشتناک خبریں موصول ہوئیں اور اس کو مراکش واپس جانا پڑا اس بغاوت کا [...] سلطنت المرابطین کے زوال کا گویا پیش خیمہ تھا اس بغاوت کے کچلنے میں علی ایسا منہمک ہوا کہ پھر [...] نہ آ سکا۔

[...]ی الموحدین

سلطنت المرابطین کی وسعت اور دولت کی فراوانی کی وجہ سے کیا اندلس [اور] کیا مراکش دونوں جگہ المرابطین عیش و عشرت میں مبتلا ہو گئے اور ملک میں [...] پھیل گئی۔ فقہا کو علی کے عہد حکومت میں دینی و سیاسی اثر و رسوخ حاصل تھا جو بادشاہان گاتھ کے [...] پادریوں کو حاصل تھا۔ اسی تنگ نظر طبقہ کے اصرار پر علی نے فلسفہ پڑھنے کو ممنوع قرار دیکر امام غزالی [...] کو نذر آتش کر ڈالنے کا حکم دیدیا تھا۔[4] معاملات ملکی میں خواتین حرم کی مداخلت نے ملک میں بدنظمیوں

[...]خلکان ج ۲ ص ۱۱ [2] مقری ۵۶۹ [3] ابن اثیر ج ۱۰ ص ۲۲۳ [4] ابن الخطیب ج ۲ ص ۲۰۳

کو مدد بھی بڑھا دیا۔

غرض افریقہ میں اب جو انقلاب آیا اس کا بانی محمد بن تومرت مصمودی قبیلہ کا رہنے والا تھا۔ اس نے مشرق کا سفر کر کے ابوبکر طرطوشی اور امام غزالی سے حدیث و فقہ اور فلسفہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ فارغ التحصیل ہو کر وطن کو واپس آیا اور اپنے زہد و تقویٰ کا اظہار کر کے نہایت بیباکی سے مرابطی سلاطین کی آزادیوں اور بدعتوں کے خلاف آواز بلند کیا جن میں آج ہی کی طرح اس زمانے کے گمراہ مسلمان پھنسے ہوئے تھے۔ اس

خلاصہ یہ کہ ظاہر شریعت مثلاً مسئلہ تجسیم وغیرہ سے روکا تو اس نے اپنی جماعت کو "الموحدین" کا لقب دیا۔ وہ ساری عمر مرابطین سے جنگ کرتا رہا یہاں تک کہ ۵۲۴ھ/۱۱۳۰ء میں انتقال ہوا۔ ان لڑائیوں میں سے کسی ایک کی نذر ہو گیا مگر کچھ فتوحات نہ حاصل کر سکا لیکن ان مہمات کی داغ بیل ڈال گیا جن کو اس کے لائق جانشین عبد المومن نے پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔[۱]

غرناطہ پر شاہ ارغون کی فوج کشی

علی کہ الموحدین کے ساتھ افریقہ میں جنگ میں مصروف تھا کہ غرناطہ اور اس کے گرد کے عیسائیوں اور یہودیوں نے شاہ ارغون کو غرناطہ پر حملہ آور ہونے کی دعوت اور ہر قسم کی مدد پہنچانے کا وعدہ کیا چنانچہ وہ ۵۱۵ھ/۱۱۲۱ء میں چالیس ہزار کے ساتھ غرناطہ کی جانب روانہ ہوا۔ اس زمانے میں مرابطین کا بہترین لشکر الموحدین کی روک تھام کے لیے افریقہ گیا ہوا تھا۔ اس وجہ سے شاہ ارغون کو ابتدا میں اس قدر کامیابی ہوئی کہ غرناطہ کو سخت خطرہ لاحق ہو گیا اور مسلمانوں کو جان کا خوف دامن گیر ہوا۔ آخر امیر تمیم نے اندلس کے مختلف مقامات سے فوجیں اکٹھا کر کے غرناطہ کے باہر صف آرا کیں۔ اتفاق سے اس وقت سخت بارش ہو گئی جس سے دشمن کی چھاؤنی میں قحط اور وبا پھیل گئی اور اب شاہ ارغون نے واپسی کی سوچی۔ مسلمان سواروں نے ہر طرف سے نکل کر ارغون کی فوج کا تعاقب کیا اور ارغون پہنچتے پہنچتے اس کا نصف سے زیادہ لشکر یا تو مسلمانوں کی تلوار کا شکار ہوا یا ندی نالوں میں ڈوب کر مر گیا۔ اس کے بعد اہل اندلس کی درخواست پر قاضی ابو الولید ابن رشد نے مراکش جا کر علی کو ان واقعات کی اطلاع کی چنانچہ اس نے آئندہ مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ کرنے کے لیے بہت سے عیسائیوں کو غرناطہ سے افریقہ منتقل کر دیا۔[۲]

۱؎ ابن خلکان ج ۲ ص ۲۰۵؛ عبد الواحد ۱۲۶-۱۴۷، الحلل الموشیہ ۱/۳۶-۴۴

ہوس کر اندرونی و بیرونی مصائب گھیرے ہوئے تھے کہ سلطنت المرابطین امیر تمیم جیسے لائق
سپہ سالار سے محروم ہو گئی لیکن اس نقصان کی تلافی امیر المسلمین کے بیٹے ابو محمد تاشفین سے ہو گئی جس کو
باپ نے تمیم کی وفات کے بعد اندلس کی حکومت پر مامور کیا (۵۲۳ھ / ۱۱۲۹ء) تاشفین بڑا پابند شریعت، بہادر
اور اعلیٰ درجہ کا منتظم تھا۔ اس نے اپنے مدبرانہ نظم و نسق سے اہلِ اندلس کا دل اپنے ہاتھوں میں لے
لیا۔ بعد ازاں فوجیں مرتب کر کے وہ عیسائیوں کی جانب متوجہ ہوا اور سرحد پر ایک بار پھر حاجب
منصور کی پالیسی کی تجدید کر دی۔ اپنے پر زور حملوں سے طلیطلہ تک وادی تاجہ کو روند ڈالا اور قلیل
مدت میں تیس سے زائد قلعوں کا اپنے والد کی سلطنت میں اضافہ کر دیا۔ کفار پر اس کی عظیم الشان
فتوحات نے اس کی شہرت سپہ سالاری کو چار چاند لگا دیئے[1]۔

شمال مشرقی اندلس میں بھی مسلمانوں اور عیسائیوں میں برابر زور آزمائیاں ہو رہی تھیں شاہ
اذفونش نے ۵۲۹ھ / ۱۱۳۴ء میں ایک جرار لشکر سے افراغہ کا محاصرہ کر لیا۔ یہ نہایت مستحکم قلعہ ایک بلند پہاڑ کی چوٹی
پر واقع تھا اور شمال مشرق میں روز بروز زوال پذیر سلطنت اسلامیہ کی سرحد بنائے ہوئے تھا۔ اس
محاصرہ کی خبر سن کر امیر تاشفین، یحییٰ بن غانیہ حاکم بلنسیہ اور دیگر سپہ سالاران المرابطین محصورین کی
مدد کو پہنچے۔ شاہ اذفونش نے اس کمک کو روکنے کی کوشش کی لیکن فاش شکست کھائی اور مسلمانوں نے
اس کو گھاٹیوں میں پھنسا کر پوری عیسائی فوج کے ٹکڑے اڑا کر رکھ دیئے۔ شجاعان اذفونش و فرانس
کے علاوہ انگلستان کے کئی سر بسبد جنہیں صلیبیہ جنگ میں شرکت کا شوق کھینچ لایا تھا، ایک ایک کر کے
شاہ اذفونش کے ساتھ مارے گئے۔ یہی حشر ان پادریوں اور راہبوں کا بھی ہوا جو بدن پر جنگی پہنے آخر
تک بے جگر مسلمانوں کی شجاعت کا مقابلہ کرتے رہے تھے[2]۔ ادھر اندلس میں تو المرابطین عیسائیوں
کے ساتھ جنگ و جدال میں مصروف تھے ادھر افریقیہ میں الموحدین عبد المومن کی سپہ سالاری میں ان کی
سلطنت میں سرنگیں لگاتے چلے جا رہے تھے۔ علی ان کی بغاوتوں کو کچلنے میں ایسا مشغول ہوا کہ پھر
اندلس نہ جا سکا۔ اس نے ۵۳۱ھ / ۱۱۳۶ء میں الموحدین کی روک تھام کے لئے تاشفین کو بھی اندلس سے بلا لیا
اگرچہ تقدیر نے تاشفین کو اندلس میں مظفر و منصور رکھا تھا مگر یہاں اقبال نے اس سے منہ موڑ لیا
المرابطین کی دل بھی فوج نے جہاں بھی جو صد مند فوج کا مقابلہ کیا بری طرح منہ کی کھائی اور کوئی نہ کوئی

---

[1] ابن الخطیب ۱/۳۴۶، ۵ ... بحوالہ شرح ۲ زاخبار الاندلس ۲/۸۱ – ۲۸۱

حصہ ملک ہاتھ سے نکل گیا۔ الموحدین کے ساتھ جنگوں کا سلسلہ جاری تھا کہ علی نے ماہ رجب ۵۳۷ھ/۱۱۴۳ء میں انتقال کیا اور اپنے بیٹے تاشفین کے لئے ایک دل شکستہ فوج، چھوٹا سا ملک اور ایک متزلزل تخت ورثہ میں چھوڑ گئے۔

تاشفین اور ابراہیم

تاشفین نے تخت نشین ہو کر نئی فوج مرتب کی اور عبدالمومن کے مقابلے کو نکلا ۵۳۹ھ/۱۱۴۴ء میں تلمسان کے قریب دونوں فریق ایک دوسرے سے بری طرح گتھ گئے۔ شدید جدال و قتال کے بعد تاشفین نے ہزیمت کھائی اور بھاگ کر وہران میں قلعہ بند ہو گیا جہاں عبدالمومن نے تعاقب کر کے اس کا محاصرہ کر لیا۔ تاشفین ایک رات اندلس نکل جانے کے قصد سے شہر سے نکلا۔ مگر تاریکی میں راستہ بھٹک گیا۔ اس کی مختصر سی جماعت منتشر ہو گئی اور خود بمع گھوڑے کے عمیق خندق میں جا گرا اور دوسرے روز الموحدین نے اس کی لاش کو سولی پر لٹکا دیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابو اسحاق ابراہیم تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔ عبدالمومن نے ۵۴۱ھ/۱۱۴۶ء میں کو مراکش میں محصور کر لیا۔ چند ماہ کے محاصرہ کے بعد اہل شہر نے فاقوں سے تنگ آ کر شہر کے دروازے کھول دئیے۔ خونخوار الموحدین نے شہر میں داخل ہو کر ستر ہزار نفوس کو تلوار کے گھاٹ اتارا اور عبدالمومن کے حکم سے ابراہیم کی گردن ماری گئی۔ ابراہیم کے قتل سے دولت المرابطین کا خاتمہ ہو گیا اور اس کے کھنڈرات پر سلطنت الموحدین کی تعمیر ہوئی۔

شاہان المرابطین نے افریقہ، اندلس اور جزائر بیلارک وغیرہ پر نوے سال کے قریب حکومت کی۔ اتنے بڑے خطۂ ارض پر اب تک افریقہ کے کسی بادشاہ نے حکومت نہیں کی تھی۔ اس خاندان کے تقریباً تمام بادشاہ غیر معمولی جنگی و انتظامی قابلیت کے مالک، علوم و فنون کے مربی اور فقہ مالکی کے پیرو تھے۔

ان کے زمانۂ حکومت میں لوگ بڑے خوشحال تھے اور ان کا دارالسلطنت بلحاظ خوبصورتی بہت سے اسلامی دارالخلافوں پر فائق تھا۔ یوسف بن تاشفین اس رتبہ کا فرمانروا تھا کہ امام غزالی اس کے دربار میں حاضر ہونے کی غرض سے مراکش جا رہے تھے لیکن اسکندریہ پہنچنے پر یوسف کے انتقال کی

۱؎ ابن الخطیب ۱/۵۵ — ۳۲۷

چنانچہ وہ بغداد واپس لوٹ گئے۔[۱] ابن زہر امیر المسلمین یوسف کا شاہی طبیب تھا۔ دار الخلافہ میں بیٹھ کر اندلس کا انتظام و انصرام مؤثر طریقے سے نہ ہو سکتا تھا اس لیے المرابطین وہاں سلطنت قائم نہ کر سکے۔

اہالی اندلس نسلاً بعد نسل فتنہ و فساد کے کچھ ایسے عادی ہو گئے تھے کہ یہاں آشوب کا سلسلہ ختم ہونے ہی میں نہ آتا تھا چنانچہ یہاں المرابطین کو حملہ آور اور ظالم سمجھا جاتا تھا اس کے خلاف ہر طرف لوگوں نے تلواریں سونت لیں اور پورا ملک ایک بار پھر طوائف الملوکی و خانہ جنگی کی لپیٹ میں آ گیا۔ المریہ والوں نے المرابطین کو نکال باہر کر کے خاندان بنی ابیہ میں سے ایک عبداللہ بن محمد المعروف بہ الرمیمی کو اپنا امیر بنا لیا۔ ایک فوجی قائد عبدالرحمن بن عیاض نے مرسیہ میں خودسری اختیار کی۔ اس اکیلے شخص کو عیسائی سو شہسواروں کے برابر سمجھتے جب دیکھتے تو کہہ اٹھتے کہ "لے لو عبدالرحمن آ گیا یعنی سو سوار آ گئے"! افراط اور اس ...ات میں محمد بن سعید مردنیش بحالت خود مختاری حکومت کرنے لگا۔ ابن عیاض کی وفات ...وہ اپنی جرأت بجز شجاعت و شہامت کی وجہ سے بلنسیہ، مرسیہ، دانیہ، شاطبہ، جیان ...مونہ وغیرہ پر قابض ہو گیا اور اشبیلیہ و قرطبہ سے بھی جنگ چھیڑ دی اور ایسا معلوم ...کہ وہ پورے اندلس پر قابض ہو جائیگا۔ اس کو "شرقی اندلس کا بادشاہ" کہا جاتا تھا۔ ...یان کی حکومت پر اپنے خسر ابراہیم بن ہمشک کو مقرر کیا۔ غرض ملک کی پرآشوب حالت نے ...کیلئے جزیرہ نما کی تسخیر کو آسان بنا دیا۔

---

[۱] ابن الخطیب ۱/ ۱۷۲-۱۷۸ ، عبدالواحد ۲۰۹ - ۲۰۷

الموحدین

۵۴۱ ہجری / ۱۱۴۶ عیسوی تا ۶۶۸ ہجری / ۱۲۶۹ عیسوی

ابھی الموحدین پورے طور سے افریقیہ پر قابض بھی نہ ہونے پائے تھے کہ عبدالمومن نے ۵۳۹ھ / ۱۱۴۴ء کی تسخیر کے قصد سے ابوعمران موسیٰ کی سپہ سالاری میں ایک فوج جزیرۃ الخضراء میں اتاردی اس فوج نے بلا کسی کشت و خون شریش، جرلیطہ اور قسطنطنیہ وجزائر کے دوسرے علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ دوسال بعد الموحدین کے ایک سپہ سالار براز المسو نے اشبیلیہ و مالقہ سے بھی المرابطین کا اخراج کیا۔ اندلس کی عالمگیر بدنظمی سے مستفید ہونے کے خیال سے الفا بادشاہ طلیطلہ نے ۵۴۵ھ / ۱۱۵۰ء میں چالیس ہزار سواروں سے قرطبہ کو گھیرلیا۔ اس وقت قرطبہ قحط سے دو چار ہورہا تھا۔ قریب تھا کہ سپہ سالار فوج ابوالغمر ابن بُث شہر کو عیسائیوں کے حوالے کردے کہ یکا یک افریقیہ سے یحییٰ بن یمون کی قیادت میں بارہ ہزار منتخب سواروں کی ایک جمعیت آپہنچی۔ الفانسو لشکر الموحدین کی آمد کی خبر پاتے ہی محاصرہ اٹھا کر چلتا پھرتا نظر آیا۔ ابوالغمر نے بھی اس احسان کے صلہ میں الموحدین کی حکومت کو تسلیم کرلیا اور کچھ تھوڑی سی مدت یہاں چھوڑ کر مراکش واپس چلا گیا[1]۔

المریہ پر الفانسو کا قبضہ

المرابطین کے زوال پر جوں ہی اندلس میں بدعملی کا دور دورہ شروع ہوا۔ الفانسو نے ارغون و برشلونہ کی بحری سپاہ اور جمہوریہ ہائے وینس و جینوا کے بحری بیڑے کی مدد سے المریہ کا محاصرہ کرلیا۔ زمانہ خلافت میں یہ شہر نہایت

---

[1] مقری ۵۴۴

...لب۔ منت جرأت کا بیج بنا کر لاہور مقابلہ میں مستعد تھا۔ المریہ کے حاکم ابن الرمیمی نے ابن مردنیش
...بادشاہ اندلس سے مدد کی درخواست کی۔ ابن مردنیش میں اتنی قوت تھی کہ شہر کو بچا سکتا تھا لیکن اس کو
...فسو نے پہلے ہی ہموار کر لیا تھا۔ چنانچہ گھر بیٹھا تماشہ دیکھا کیا اور یوں ماہ جمادی الاول ۵۴۲ھ / ۱۱۴۷ء
...یہ شہر عیسائیوں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ شہر میں داخل ہو کر انہوں نے جی بھر کے لوٹ مار کی اور مسلمانوں کا
...قتل عام کیا۔[۱] اس کے دوسرے سال افراغہ۔ لاردہ طرطوشہ اور دیگر سرحدی شہر شاہ ارغون کی قوت
...اقتدار کے بھینٹ چڑھ گئے۔[۲]

...غرناطہ پر موحدین کا قبضہ

عبدالمومن نے ۵۴۲ھ / ۱۱۵۱ء میں ابو حفص عمر کی سرکردگی میں بیس ہزار سواروں کی ایک فوج غرناطہ کے مصرعے کی غرض میمون بن بدر اللمتونی ابھی تک المرابطین کے ڈوبتے جہاز کو بچائے ہوئے تھا۔ اگرچہ الموحدین کے مقابلے میں الفانسو المرابطین
...مدد بن گیا تھا۔ چنانچہ میمون کی درخواست پر قشتالی سپاہ محصورین کی مدد پر پہنچ گئی۔ لیکن عبدالمومن
...بیٹے ابو سعید نے اس کو شکست دے کر منتشر کر دیا اور اس کے ساتھ ہی میمون نے بھی اطاعت کر لی اور
...شہر ابو سعید کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد میمون کے ابھارنے پر ابو حفص نے ابن مردنیش سے جنگ کرنے
...کی غرض سے مرسیہ کی جانب کوچ کیا۔ لیکن لشکر الموحدین کے پہنچنے کے قبل رئیس برشلونہ بعدہ دس ہزار
...عیسائی سواروں کے ابن مردنیش کی مدد پر پہنچ گیا۔ چنانچہ ابو حفص عمر نے رخ پھیر کر المریہ کو محصور
...کیا۔ لیکن چند ماہ بعد غلہ ختم ہو جانے کی وجہ سے محاصرہ اٹھا کر اشبیلیہ واپس آ گیا۔[۳] عبدالمومن کی
...کی فتوحات ابھی تک مستحکم نہیں ہوئی تھیں۔ پھر بھی وہ ۵۴۸ھ / ۱۱۵۳ء میں جبل الطارق تک آیا جہاں وہ
...نو مفتوحہ ملک کے افسران سے ملا۔ اپنے بیٹوں میں سے ابو یعقوب یوسف کو اشبیلیہ، ابو سعید کو
...غرناطہ اور ابو حفص عمر کو قرطبہ کی حکومت پر مقرر کیا اور جبل الطارق کے قلعے کو مزید مستحکم کرنے کے بعد
...دارالسلطنت مراکش واپس چلا گیا۔[۴]

...المریہ پر الموحدین کا قبضہ

المریہ کا بندرگاہ تجارت کی سب سے بڑی منڈی ہونے کے علاوہ سواحل اندلس و افریقیہ کا محافظ تھا۔ عبدالمومن اس کی جنگی
...اہمیت سے ناواقف نہ تھا۔ چنانچہ اس کے حکم سے ابو سعید حاکم غرناطہ نے ۵۵۲ھ / ۱۱۵۷ء میں ایک جرار

---

[۱] ابن اثیر ۱۱/۵۵ و عبدالواحد ۲۰۸۔ [۲] عبدالواحد ۲۰۷ و ابن اثیر ۱۱/۶۶۔ [۳] ابن خلدون ۱۱/۶ و مقری ۵۴۴

لشکر سے چھاؤنی کو گھیر لیا۔ ابن مردنیش چھ ہزار سواروں کے ساتھ المریہ کے عیسائیوں کی کمک پر پہنچ گیا
اس کے اس فعل پر جب مسلمانوں نے اس کو شرم و غیرت دلائی تو وہ اپنے پایۂ تخت مرسیہ لوٹ گیا۔
عیسائی فوج ابن مردنیش کی یکایک واپسی سے سمجھی کہ الموحدین کی کمک پہنچ گئی ہے۔ اس خوف کے…
میں مبتلا ہوتے ہی عیسائیوں نے بذریعہ صلح شہر کو ابوسعید کے حوالے کر دیا۔[1] اور خود علیحدہ ہو…
کچھ عرصہ بعد ابوسعید کو کسی بغاوت کے فرو کرنے کے سلسلے میں افریقہ جانا پڑا۔ اس کی عدم موجودگی میں ابن ہمشک نے غرناطہ…
الموحدین کے خلاف دامِ تزویر پھیلا کر بلا کشت و خون شہر پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے لوگوں کو
بیدردی سے قتل کیا۔ اس خبر کے مسموع ہوتے ہی عبدالمومن نے ابوحفص اور ابوسعید کو اندلس روانہ…
ابن ہمشک نے شہر سے نکل کر مقابلہ کیا۔ ایک سخت خونریز جنگ کے بعد الموحدین کو شکست ہوئی۔ شہزادہ
ابوحفص معہ ہزارہا الموحدین کے مارا گیا اور ابوسعید اپنے چھوٹے لشکر کے ساتھ بھاگ کر مالقہ چلا گیا۔
حادثہ کی خبر عبدالمومن کو ملی تو اس نے شہزادہ ابویعقوب اور دیگر نامی گرامی سپہ سالاروں کو ایک عظیم…
کے ساتھ اندلس بھیجا۔ ابوسعید بھی اس فوج کے ساتھ آکر مل گیا۔ اس طوفانِ عظیم کے مقابلے کی غرض…
ابن مردنیش بھی مسلمانوں اور عیسائیوں سے اپنا لشکر مرتب کر کے ابن ہمشک کی مدد کو غرناطہ…
۵۵۷ھ / ۱۱۶۲ء میں غرناطہ سے چند میل کے فاصلہ پر گھمسان کا رن پڑا۔ عبدالمومن کی جنگ آزمودہ اور جری سپاہ…
مقابلے میں اہل برشلونہ و قشتالہ کی جانبازی ایک کام نہ آئی اور ان کے ٹکڑے اڑا دیئے گئے۔ ابن ہمشک
جیان کی طرف بھاگ گیا اور ابن مردنیش نے مرسیہ کی راہ لی اور غرناطہ پر الموحدین کا قبضہ دوبارہ ہو گیا۔[2] اس
واقعہ کے کچھ عرصہ بعد ابن مردنیش اور ابن ہمشک میں اَن بَن ہو گئی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ ابن مردنیش نے اپنی…
کی بیٹی کو طلاق دے دی تھی۔ نتیجہ میں دونوں میں خانہ جنگی کا سلسلہ قائم ہو گیا اور مشرقی اندلس کی کثیر آ…
ان ہی لڑائیوں کی نذر ہو گئی۔ ابن ہمشک الموحدین سے جا ملا اور ابن مردنیش کی سلطنت کو مٹانے کے
درپے ہو گیا۔ افریقی معاملات سے فراغت پانے کے بعد عبدالمومن عیسائیوں سے ایک فیصلہ کن جنگ کرنے…
سے تین لاکھ سپاہ کے ساتھ ۵۵۸ھ / ۱۱۶۳ء میں اندلس پہنچا۔ جہاں دو لاکھ اندلسی از خود جہاد میں شرکت کے…
سے اس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ لیکن قبل اس کے کہ یہ مہم عملی جامہ پہن سکے عبدالمومن بیمار پڑ کر ر…

---

[1] ابن اثیر ۱۱/۱۰۰ زرکشی ۱۵ [2] ابن الخطیب ۱/۲۰۲-۲۰۳ [3] عبدالواحد ۲۲۰—۲۲۲

ہوگئی اور اسی سال اس کا باپ اشبیلیہ میں انتقال کر گیا وہ بڑا بیدار مغز، عالم، دنیادار، روشن خیال حکمراں اور بڑا قابل مدبر و منتظم تھا۔ وہ ابن طفیل، ابن باجہ اور ابن رشد جیسے لوگوں کا مربی تھا۔ یہ تین اشخاص وہ ہیں جنکی تصانیف نے دنیا بھر میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا تھا۔

ابو یعقوب یوسف

اپنے باپ کی طرح ابو یعقوب یوسف بھی فنون حرب و سیاست میں کامل واقفیت رکھتا تھا۔ اسکی تخت نشینی اس بات کی گویا ضمانت تھی کہ اسکا عہد حکومت بھی شاندار رہیگا۔ اسکو اپنے ابتدائی زمانۂ حکومت میں افریقی مہمات میں مشغول رہنا پڑا کیونکہ المرابطین کے نام لیوا اب بھی کہیں کہیں اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اسوقت پرتگال کی نوزائیدہ سلطنت نے اقوام عالم میں سر نکالنا شروع کیا۔ الفانسو ابن ہنریکز حاکم قلمریہ نے امیر المسلمین یوسف کو افریقیہ میں مصروف پیکار دیکھ کر سرحد پر فساد برپا کر دیا اور غربی اندلس کے متعدد شہروں مثلاً باجہ، ترجالہ، اوورہ، قاصرش، جلمانیہ اور شنترین وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔

افریقیہ میں معاملات سے فرصت پانیکے بعد یوسف اس مہم کو سرانجام دینے کے قصد سے جو اسکے باپ کی اچانک موت کی وجہ سے ناتمام رہ گئی تھی ۵۶۶ھ/۱۱۷۰ء میں ایک لاکھ فوج کے ساتھ جزیرہ نما میں داخل ہوا۔ اور اندلسی پایہ تخت اشبیلیہ پہنچ کر قیام کیا۔ یہاں سے ابو سعید کو ابن مردنیش پر فوج کشی کیلئے بھیجا۔ ابن مردنیش نے مسلمانوں اور برشلونہ کے عیسائیوں سے اپنا لشکر مرتب کر کے مرسیہ سے چار میل کے فاصلہ پر بمقام الجلاب الموحدین کا مقابلہ کیا لیکن نہایت خونریز معرکوں کے بعد اسنے شکست فاش کھائی اور تقریباً اپنی پوری فوج کٹوا کر مرسیہ میں قلعہ بند ہوگیا جہاں ابو سعید نے اسکو محصور کر لیا۔ اس شکست کے صدمہ سے اسی رات ابن مردنیش کے قلب کی حرکت بند ہوگئی۔ اسکے بیٹے اس قابل نہ تھے کہ اپنی ذریعہ جزیرہ شرقیہ کو الموحدین یا ارغونیوں کی دستبرد سے محفوظ رکھ سکتے۔ انھوں نے اشبیلیہ آکر یوسف کی اطاعت کرلی اور اپنا پورا ملک جو بلحاظ زراعت، صنعت و حرفت اور تجارت اندلس بھر میں نہایت قیمتی سمجھا جاتا تھا امیر المسلمین کے حوالے کر دیا۔ امیر المسلمین نے بھی ان کا بڑا اعزاز و اکرام کیا اور ان کی بہن کو اپنے عقد میں لے لیا۔[1]

اسکے بعد یوسف نے عیسائیوں کی گوشمالی کی غرض سے شمال کی جانب کوچ کیا۔ قشتلہ سپاہ الموحدین

---

[1] عبدالواحد ۲۴۸-۲۴۷، ابن الخطیب ۲/۲۸-۱۴۲، مقری ۵۴۵

کی تلوار کی تاب نہ لا سکی اور وہ شہر جن پر کہ وہ قابض ہو چکے تھے دوبارہ ان سے چھڑا لیے گئے۔ یوسف
عیسائیوں کو شکست پر شکست دیتا طلیطلہ تک پہنچ گیا اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن الفانسو نے
ڈر کر سات سال کے لئے اس سے صلح کر لی اور یوسف محاصرہ اٹھا کر مراکش واپس چلا گیا۔[1] اسکی عد[illegible]
پر شاہ پرتگال نے فتنہ و فساد شروع کر دیا۔ چنانچہ یوسف ۵۸۰ھ/۱۱۸۴ء میں پھر اندلس آیا اور مغربی
اندلس کا رخ کر کے شنترین کا محاصرہ کر لیا لیکن ایک ماہ بعد وہ کسی مہلک مرض میں گرفتار ہو کر انتقال
کر گیا اور فوجیں محاصرہ اٹھا کر اشبیلیہ واپس چلی گئیں۔

وہ بڑا روشن خیال، عادل مزاج فرمانروا، علوم و فنون کا مربی اور علوم دینیہ، فلسفہ اور سائنس
کا بہت بڑا عالم تھا۔ اسنے ابن طفیل اور ابن ماجہ جیسے علماء سے تعلیم پائی تھی اس زمانے کے بڑے بڑے علماء
دور دراز مقامات سے اس سے ملنے کی خاطر آیا کرتے تھے[2]۔

ابو یوسف یعقوب۔ یوسف کے بیٹے ابو یوسف یعقوب نے تخت نشین ہو کر[3] امیر المومنین اور
المنصور کا لقب اختیار کیا۔ وہ ۵۸۰ھ/۱۱۸۴ء میں اندلس آیا اور یہاں
کے حالات کا معائنہ کیا۔ سپاہیوں کی تنخواہوں میں اضافے کئے، جہاں جہاں غنیم کی تاخت کا اندیشہ تھا وہاں
نئے قلعے تعمیر کرا کر ان میں محافظ فوجیں متعین کیں اور پھر واپس مراکش چلا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ یورپ میں صلیبی
لڑائیوں کا جنون اپنے شباب پر تھا۔ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے کلیسائی فوجیں مثلاً ٹیمپلرز اور ہاسپٹلرز وغیرہ
قائم ہو رہی تھیں۔ منصور مشکل سے مراکش پہنچا ہوگا کہ سینڈو شاہ پرتگال نے انگلستان و فلینڈرس کے صلیبیوں کی
ایک بہت بڑی جماعت کو جو مقدس جنگ میں شرکت کی غرض سے ارض فلسطین کی طرف جا رہی تھی مال و زر کی لالچ
دلا کر ساحل پر اتار لیا۔ اور اس کی مدد سے غربی اندلس کے شہر پر فوج کشی کر کے قبضہ کر لیا۔ شہر میں داخل ہو کر
پچاس ہزار مرد و زن اور بچوں کو نہایت سفاکی سے قتل کر ڈالا[4]۔ منصور اس خبر کے مسموع ہوتے ہی فوج عظیم
ساتھ ۵۸۶ھ/۱۱۹۰ء میں پھر اندلس آیا اور شلب کو دوبارہ مفتوح کر کے صلیبیوں کی وحشت و بربریت کا [illegible]
انتقام لیا۔ بے شمار عیسائی تلوار کے گھاٹ اترے اور تیس ہزار مرد و زن لونڈی و غلام بنا لیے گئے۔ اس
کے بعد منصور نے اپنے لشکر کو چاروں طرف پھیلا دیا۔ الموحدین نے سینڈو کے مفتوحات میں داخل ہو کر تباہی

لہ ابن اثیر ۱۱ ص ۱۵۸ ۲ عبدالواحد ۹۹ ۳ ابن خلکان ۲ ص ۴۰۷ ۴ عبدالواحد ۲۰۳ ۔ ۵ عبدالواحد ۲۰۲

بادی پیادہ اور چار شہروں کو جو پہلے مقابلی ہو چکا تھا دوبارہ فتح کر لیا۔ بکار و جیلہ جو الفانسو بادشاہ
ز نے بیٹیوں کے ملک کا انجام دیکھ کر منصور سے صلح کی درخواست کی جس کو اس نے منظور کیا اور دونوں
پانچ سال کیلئے صلح و امن سے رہنے کا معاہدہ ہو گیا۔ بعد ازاں منصور افریقیہ چلا گیا۔

جنگ الارکس۔ لیکن الفانسو نے جب زبردست پیمانے پر جنگی تیاریاں مکمل کر لیں تو معاہدہ صلح کو
توڑ دیا اور سرحدوں پر تاخت و تاراج شروع کر دی۔ منصور نے اسکی گوشمالی بیتاخیر
ایک جرار لشکر کے ساتھ اندلس میں داخل ہوا اور ماہ شعبان ۵۹۱ھ / ۱۱۹۵ء میں قلعہ رباح کے قریب بمقام الارک
کے مابین مکمل لشکر کو نہایت خوفناک جنگ کے بعد فاش شکست دیکر ایک لاکھ چھیالیس ہزار عیسائی موت کے
گھاٹ اتارے اور تیس ہزار سے زائد قیدی کئے اور بقیۃ السیف بکمال سراسیمگی بدحواس اٹھا بھاگ نکلے۔
غنیمت میں ڈیڑھ لاکھ خیمے، اسی ہزار گھوڑے، پانچ لاکھ خچر اور گدھے، ساٹھ ہزار زرہیں اور بے قیاس
جواہرات مسلمانوں کے ہاتھ آئے جو فوج میں تقسیم کر دیا گیا۔ الفانسو نے بھاگ کر قلعہ رباح میں پناہ
لی مگر منصور نے اسے دوبارہ لشکر مرتب کرنے کی مہلت نہ دی اور قلعہ رباح کو چند دن کے سخت
محاصرے کے بعد فتح کر کے مسمار کر دیا۔ الفانسو یہاں سے نہایت زبوں حالت میں بھاگ کر طلیطلہ پہنچا
اور شدید غم و غصے میں اس نے سر اور داڑھی کو منڈا کر صلیب کی قسم کھا کر عہد کیا کہ جب تک وہ انتقام
نہ لے گا تمام عیش و آرام اس پر حرام ہوگا۔

منصور کو جب معلوم ہوا کہ اس کا شکار بچ کر نکل گیا ہے تو وہ بلا توقف طلیطلہ کی طرف بڑھا
اور شہر کو محصور کر لیا اور فوجیں چاروں طرف پھیلا دیں۔ الارک کی ہزیمت نے عیسائیوں کے حواس کو
اس قدر مختل و سراسیمہ کر دیا تھا کہ وہ مسلمان رسالہ سواروں کے آنے سے قبل ہی اپنے اپنے قلعے چھوڑ کر
الگ کھڑے ہوتے تھے۔ اسی اثناء میں منصور نے بھی محاصرے میں شدت اختیار کی اور مسلسل سنگباری
طلیطلہ کی لوہا لاٹ دیواروں کو چھلنی کر دیا۔ الفانسو نے اس امر کا احساس کر کے کہ طلیطلہ کی بربادی
قریب آ گئی ہے اپنی ماں، بیوی اور لڑکیوں کو منصور کی خدمت میں بھیج کر معافی کی درخواست
یہ لوگ برہنہ سر اور گریہ کناں منصور کے سامنے آئیں اور اس قدر آہ و زاری سے معافی کی خواستگار

تیر ۱۲ / ۲۷-۲۸ ، مقری ۶ ۵۴۶

ہو ئیں کہ امیر المومنین کو ان پر رحم آگیا۔ ان کی درخواست کو قبول کر کے بہت کچھ نقد و مال دے کر ان کو رخصت کر دیا اور محاصرہ اٹھا کر اشبیلیہ چلے گئے۔ الفانسو کی طرح برشلونہ، لیون اور پرتگال کے بادشاہوں نے بھی اپنے سفیر بھیج کر منصور سے صلح و اطاعت کی درخواست کی۔ اس وقت افریقیہ سے اس کو ایک بغاوت کی خبر موصول ہوئی چنانچہ اس نے ان کی درخواست منظور کر لی اور فوراً مراکش واپس چلا گیا[۱] ($\frac{۵۹۴ھ}{۱۱۹۸ء}$)

المنصور نے $\frac{۵۹۵ھ}{۱۱۹۸ء}$ میں وفات پائی۔ الارک کی فتح جزیرہ نما اندلس میں مسلمانوں کا آخری شاندار کارنامہ تھا اور وہاں دوبارہ اسلامی شوکت و صولت قائم کرنے کا خیال اور موقع اس طرح ہاتھ سے جاتا رہا گویا المنصور ہی کے ساتھ دفن ہو گیا۔ وہ بلاشبہ اپنے خاندان کا سب سے بڑا بادشاہ تھا وہ بڑا متشرع، عالم نواز اور نہایت درجہ حق پرست تھا۔ حدود کے جاری کرنے میں اپنے رشتے داروں تک کی پرواہ نہ کرتا تھا[۲]۔ اس نے افریقیہ میں رباط نامی شہر کی بنیاد رکھی اور اندلس و افریقیہ میں رفاہ عامہ کے بکثرت کام کئے۔ اس بادشاہ کو خوبصورت مینار بنوانے کا بے حد شوق تھا۔ اشبیلیہ میں اس کی بنوائی ہوئی ایک مینار اب تک باقی ہے اور اپنے بانی کے جوہر رسائی، علو ہمتی اور شہرت و نمود کی بہت بڑی یادگار ہے۔

المنصور کے پاس بہترین جنگی بیڑہ تھا۔ اس کے ہم عصر سلاطین بھی بوقت جہاد اس سے امداد کے خواستگار ہوتے تھے۔ چنانچہ جب صلیبیوں نے $\frac{۵۸۷ھ}{۱۱۹۱ء}$ میں بیت المقدس پر بڑے زور شور سے حملہ کیا تو صلاح الدین ایوبی سلطان مصر و شام نے عبدالکریم بن منقذ کو جو ایک بلند پایہ شاعر تھا کو دربار مراکش میں بھیج کر المنصور سے درخواست کی کہ وہ اپنے جنگی بیڑے سے مجاہدین اسلام کی مدد کریں۔ خط میں چونکہ المنصور کو "امیر المومنین" کے بجائے "امیر المسلمین" کے لقب سے یاد کیا گیا تھا۔ یہ چیز اس کی ناراضگی اور سفارت کی ناکامی کا سبب بن گئی۔ البتہ اس نے ابن منقذ کو اس کے چالیس اشعار کے قصیدے کے صلے میں چالیس ہزار دینار کا انعام یہ کہہ کر مرحمت کیا کہ "تم کو یہ انعام سلطان صلاح الدین کی نسبت سے نہیں بلکہ تیری لیاقت و کمال کے صلے میں دے رہے ہیں۔"

---

۱ ابن خلکان $\frac{۳}{۵۱-۳۳۵}$ و عبدالواحد ۲۲ – ۲۸۱ و ابن اثیر $\frac{۱۲}{۵۳-۵۴}$

۲ مقری ۵۴۵ تا مقری ۲۳۵ و ابن خلکان $\frac{۳}{۵۱-۳۳۵}$

الناصر

المنصور کے بیٹے و جانشین محمد ملقب بہ ناصر لدین اللہ کو بھی پیشرو سلاطین کی طرح تباہی پر بیک بغاوتوں کو کچلنے میں افریقیہ میں مصروف رہنا پڑا۔ المرابطین کے زوال کے بنی غانیہ جو المرابطین ہی سے تھے، جزیرہ میورقہ پر حکمرانی کر رہے تھے۔ ناصر کے زمانے میں ایک بحری بیڑے سے جزیرہ میورقہ پر فوج کشی کی اور اس کو بنی غانیہ سے نکال لیا اور اس کے ساتھ ہی جزائر منورقہ و یابسہ پر بھی الموحدین کا قبضہ ہو گیا۔ المنصور نے طلیطلہ کی دیواروں کے نیچے پہنچ کر بے محل فیاضی سے الفانسو کو جو مہلت جنگ دی تھی اس کے مہلک نتائج ناصر کے عہد میں ظاہر ہوئے۔ الفانسو نے ناصر کو مشرقی مہمات میں مشغول پا کر پھر عہد شکنی کی اور فوج کشی کر کے بہت سے سرحدی قلعوں پر قابض ہو گیا اور مسلمان مردوں عورتوں اور بچوں کو بے دریغ قتل کیا۔ کثیر التعداد دشمن کے مقابلے میں ابن قادس نے قلعے بچانے میں ایسی شجاعت دکھائی تھی کہ عیسائی بھی دنگ رہ گئے تھے۔ عیسائیوں پر اس کی ہیبت و شجاعت کا اس قدر خوف غالب ہو گیا تھا کہ جب وہ اپنے گھوڑوں کو پانی پلاتے اور وہ سر پھیر لیتا تو کہا کرتے: "کمبخت! کیا اس پانی میں بھی ابن قادس بیٹھا ہے؟" جب یہ خبریں مراکش پہنچیں تو ناصر نے الفانسو کو اس کی بد عہدی کا مزہ چکھانے کا عزم کر لیا اور اندلس و افریقیہ میں جہاد کا اعلان عام کر دیا۔ اگرچہ جنگ الارک کو سترہ برس گزر چکے تھے لیکن اس کے مہلک اثرات سے سلطنت مسیحیت کے ذرائع اس وقت تک سرسبز نہ ہوئے تھے۔ چنانچہ پوپ انوسنٹ سوم نے الفانسو کی امداد کا اور موحدین کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ اس اعلان کے مشتہر ہوتے ہی علاوہ ٹمپلرز اور اسپٹلرز کے فرانس، جرمنی اور انگلستان کے لاکھوں عیسائی جن میں ہر قسم کے جرائم پیشہ لوگوں کی پوری جمعیت تھی سمٹ کر شمالی اندلس پہنچ گئے۔

ناصر افریقیہ کے معاملات سے فارغ ہو کر چھ لاکھ فوج کے ساتھ ۶۰۸ھ/۱۲۱۱ء میں آبنائے کو عبور کر کے اندلس میں داخل ہوا اور قلعہ رباح کے نزدیک شلبطرہ کے نہایت مستحکم قلعہ کا ایک سخت محاصرہ کر کے مفتوح کر لیا۔ یہ قلعہ اس وقت صلیبی مجاہدین کے اس گروہ کے قبضہ میں تھا جو کالاٹراوا نائٹس کے نام سے موسوم تھا۔ اس کے بعد ناصر کے حاجب سعد نے جو اپنے آقا پر حاوی تھا اس گورنر کو بلا کر سخت

المراصد ۱۵ — ۲۱۴؛ ابن خلکان ا ص ۱۰۵

سرزنش کی جن کے ہاتھوں سے سرحدی قلعہ شلوکر عیسائی ہسپانیہ کے قبضے میں چلے گئے تھے اور ابن قادرس کو قتل کرا دیا۔ الموحدین کے مقابلے میں عربوں کو جو ملی عہدے پر بٹھا دیا اور میدان جنگ میں ان کو اس موقع پر رکھے جانے کا اعلان کر دیا جو کمتر درجہ کا تھا۔ ابن مسعدہ کے اس فعل سے اندلسی فوج میں سخت ناراضگی پھیل گئی چنانچہ انھوں نے فیصلہ کیا میں آکر اپنے ملک و دین، اپنی آزادی اور قومی عزت و آبرو کو اپنی ذاتی عزت پر قربان کر دینے کا تہیہ کر لیا۔

جنگ العقاب

اس کے بعد اسلامی اور عیسائی لشکر مدینہ سالم کے قریب بمقام العقاب ایک دوسرے کے مقابل صف آرا ہوئے۔ ۶۰۹ھ / ۱۲۱۲ء میں ماہ صفر کی ایک صبح کو یکایک طبل جنگ پر چوٹ پڑی اور ہنگامۂ کارزار گرم ہو گیا۔ اندلسی فوج پہلے ہی بد دل ہو چکی تھی قائد کے اشارے پر میدان چھوڑ کر چلی بنی یا غنیم سے جا ملی اس سے بقیہ لشکر میں پراگندگی پھیل گئی اور صفوں کی ترتیب بگڑ گئی۔ عیسائی سیلاب اندلسیوں کی خالی کردہ راہوں سے موحدین تک آ پہنچا۔ افریقی فوجی جی توڑ کر لڑے مگر اس سیلاب کو نہ روک سکے۔ ناصر نے جس طرح پہلے ہی تعلق کرتا ہے کی اس کے جانثاروں نے جب دیکھا کہ میدان قطعی ہاتھ سے جا رہا ہے تو وہ زبردستی اس کو میدانِ جنگ سے ہٹا لے گئے۔ ناصر اپنی چھ لاکھ فوج میں سے صرف ایک ہزار سوار زندہ و سلامت لے کر اشبیلیہ واپس آیا اور وہاں سے بلا توقف مراکش چلا گیا۔ اس کے بعد الفانسو نے صوبہ جیان کے شہروں میں بیاسہ اور ابذہ پر فوج کشی کر کے ہزارہا مردوں، عورتوں اور بچوں کا قتل عام کیا۔ وہاں کی عالیشان جامع مسجد کو منہدم کر دیا اور بے شمار زندہ مردوں اور بچوں کو اسیر کر لے گیا۔[1] ابذہ پر قبضہ ہو جانے کے بعد وہ مہم جو اس قدر اہتمام سے شروع کی گئی تھی ختم ہو گئی۔ ناصر کا ارغوانی رنگ کا خیمہ نیزہ اور علم جیت کی نشانی کے طور پر پوپ کی خدمت میں روم بھیج دیا گیا۔ فتح العقاب سے جزیرہ نما کی تاریخ میں نئے دور کا آغاز ہوتا ہے اور اسپین کی سلطنت کی اصل بنیاد پڑتی ہے۔

ناصر نے ۶۱۰ھ / ۱۲۱۳ء میں وفات پائی۔ اس کی وفات کے بعد الموحدین کے قوائے حکمرانی کمزور ہو کر مضمحل ہو گئے۔ سلطنت اطراف سے مرکز کی طرف سمٹنے اور سکڑنے لگی اور اس کا حلقۂ اقتدار کم سے کم ہوتا چلا گیا ناصر کا بیٹا و جانشین یوسف المستنصر ایک عیش پرست حکمراں تھا۔ وہ اپنی چھوٹی عمر ہی سے سلطنت کو سنبھال

---

[1] عبداللہ ۲۲۳ ۔ ۳۱۹ زمخشری ۵۴۸ و اخبار الاندلس ۲ / ۳۴۴ - ۵۸

سال اور چار سال حکومت کرنے کے بعد لاولد ہلاک ہوگیا۔ اس کے جانشین عبدالواحد کے زمانے میں شہزادگان الموحدین اور عمال سلطنت کے گروہ ناکام ہو گئے۔ اس کی حکومت سے ناخوش ہو کر اہل مراکش نے ۶۲۱ھ/۱۲۲۴ء میں اس کو قتل کر دیا۔ اس کے بعد ابو محمد العادل نے تخت سلطنت پر قدم رکھا۔ لیکن ۶۲۴ھ/۱۲۲۷ء میں اس کے خلاف بغاوت پھوٹ پڑی جس میں وہ مارا گیا۔ اس کی وفات پر اس کے بھائی ادریس گورنر اشبیلیہ نے اپنی خلافت کا اعلان کر کے المامون کا لقب اختیار کیا۔ لیکن وہ اشبیلیہ ہی میں مقیم رہا۔ کچھ دنوں بعد اہل مراکش نے ابو زکریا نام کا ایک بنا ہیلان دکھایا۔ المامون بادشاہ وقت اندلس سے لشکر لے کر فوراً مراکش پہنچا اور ابو زکریا کو شکست دے کر باغیوں کو عبرت ناک سزائیں دیں۔ اس کے بعد وہ اندلس واپس آ گیا۔ اس وقت یہاں اس کا ایک مدمقابل پیدا ہو گیا۔ اس حریف کا نام محمد بن یوسف بن ہود تھا اور وہ شاہان سرقسطہ بنی ہود کے اعقاب سے تھا۔ دونوں حریفوں میں بڑی معرکہ آرائیاں ہوئیں۔ اسی زمانے میں افریقیہ سے پھر بغاوت کی خبر موصول ہوئی اور المامون اہل قشتالہ کی ایک بہت بڑی کمک لے کر بغاوت کو فرو کرنے کی غرض سے افریقیہ چلا گیا۔ لیکن مراکش پہنچتے ہی ۵ محرم ۶۳۰ھ/۱۲۳۲ء کو دفعتاً اس کی زندگی کا لبریز جام چھلک گیا۔ اس کے بعد چار بادشاہ الرشید، سعید المرتضی اور الواثق یکے بعد دیگرے تخت مراکش پر متمکن ہوئے۔ اس زمانے میں بنی مرین کی ایک نئی طاقت مغرب الاقصیٰ میں ابھر رہی تھی۔ جو ان کمزور و نالائق بادشاہوں کو ان کے حریف طاقتوں سے محروم کرتی چلی جا رہی تھی۔ آخر الامر الواثق نے ۶۶۸ھ/۱۲۶۹ء میں مرینیوں کے مقابلے میں فاش شکست کھائی اور مارا گیا۔ اس کے قتل سے دولت الموحدین کا خاتمہ ہو گیا اور مغرب الاقصیٰ پر بنی مرین مستولی ہو گئے۔[1]

دولت الموحدین کا جائزہ

دول اسلام میں دولت الموحدین بہت بڑی دولت تھی۔ بحر روم سے لیکر صحرائے اعظم کے جنوب تک اور بحر اوقیانوس سے لے کر وادئ نیل تک سلاطین الموحدین ہی کا خطبہ و سکہ رائج تھا۔ اس کی تجارت نہایت وسیع اور دولت و ثروت ضرب المثل تھی۔ اس کا بحری بیڑہ اتنا طاقتور تھا کہ اسلام میں اس کی نظیر نہ اس سے پہلے ملتی ہے اور نہ اس کے بعد۔[2] ان کے بڑے بڑے جہاز ان کا سفید جھنڈا اڑائے

۱؎ ابن خلکان ۲/۱۵۔۵۲۲ ؛ ابن الخطیب ۱/۲۰۔۲۴۴ ۲؎ مقدمہ ۲۸۵

ممالک نے بحری بیڑے سلطان افریقیہ و اندلس کا خراج وصول کرتے پھرتے تھے
اس خاندان کے اولین بادشاہ فنونِ حرب کی طرح فنونِ امن میں بھی کامل تھے۔ انہوں نے زراعت اور
صنعت و حرفت کو بہت ترقی دی اور پایۂ تخت السلطنت مراکش کو نہایت حسین و جمیل عمارتوں سے
آراستہ کیا اور دنیا بھر کے علوم و فنون کا مرکز بنا دیا۔ انہوں نے فلاسفر کو بھی بلا خوف و خطر اپنے خیالات
کے اظہار کی اجازت دے رکھی تھی۔ اندلس میں بھی عالی شان عمارتیں تعمیر کی گئیں۔ زمانۂ انحطاط میں
بھی روایاتِ قدیمہ کا اثر بالکل زائل نہیں ہوا کرتا۔ اسلامی اندلس اب بھی نہایت متمدن و مہذب سلطنت
تھی جس کے ہاتھ میں مغربی یورپ کی باگ تھی۔ باوجودیکہ سینکڑوں غدر ہو چکے تھے۔ بلوے ہو چکے، آتشزدگی
ہوئی مگر قرطبہ بارھویں صدی میں بھی اندلس کا ذہنی و دماغی مرکز تھا۔ اس کی تصدیق ابن زہر الاشبیلی[1]
ابن رشد القرطبی کے درمیان اس مشہور مباحثے سے ہوتی ہے جو یعقوب المنصور کے دربار میں ہوا اور جو ان
کے دو بڑے شہروں کے فرق کو ظاہر کرتا ہے۔ ابن رشد نے مباحثہ کو یہ کہہ کر ختم کر دیا کہ "معلوم آپ کیا ک
رہے ہیں ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ جب کوئی عالم اشبیلیہ میں مر جاتا ہے تو اس کی کتابیں فروخت ہونے کیلیے
قرطبہ میں آتی ہیں اور جب کوئی مطرب مرتا ہے تو اس کے آلاتِ نغمہ کے ساتھ اشبیلیہ جا کر بکتے ہیں۔"

المنصور کی بنوائی ہوئی مینار اشبیلیہ ایک نہایت خوبصورت جامع مسجد کی حسین و جمیل م
بھی ہے اور کتابِ آسمان کا مطالعہ کرنے والوں کیلیے رصدگاہ کا بھی کام دیتی ہے۔ یورپ میں تعمیر ہو
والی یہ سب سے پہلی رصدگاہ تھی۔ یہ عمارت بلحاظ خوبصورتی دنیائے اسلام میں اپنا نظیر نہیں رکھتی
اور آج بھی اشبیلیہ کو اس کی وجہ سے شہرتِ دوام حاصل ہے۔ مراکش و اندلس میں شاہان الموحدین ک
بنوائی ہوئی میناریں ایک مدت تک فنِ تعمیر کا بہترین نمونہ سمجھی جاتی رہیں۔ یہ مینار ۲۵۰ فٹ بلند
سطحِ زمین پر اس کا رقبہ ۴۵ فٹ مربع ہے۔ آثارِ دیوار آٹھ فٹ ہے اور اوپر جانے کیلیے بجائے زی
کے ۳۵ چکر دار سلامیاں بنی ہوئی ہیں جو کافی کشادہ ہیں۔ بنیاد سے لیکر ۸ فٹ تک عمارت تراشیدہ
پتھروں پر قائم کی گئی ہے جن کے جوڑ نہایت خوبصورتی سے بٹھائے گئے ہیں اور جا بجا کنگروں پر ابھر
نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔ ہر جانب پتھر کی ترشی ہوئی جالیاں اور جا بجا کھڑکیاں ہیں جن میں

---

[1] مقری ۴۲

...ں محرابیں پھیلی ہوئی ہیں اور بعض کی تکمیل ہیں اور نہایت خوبصورت ستونوں پر قائم کی گئی ہیں۔ پتھر کے
...عمارت پوری سرخ چمکدار اینٹوں کی بنی ہوئی ہے۔ مینار کا اندرونی حصہ غیر معمولی تیری کیفیت لئے ہوئے
...اینٹوں پر جو بیل بوٹے بنائے گئے ہیں وہ سرخ زمین پر اور بھی ابھر آئے ہیں ہر ضلع کو سبز۔ اودے
...بیگنی۔ قرمزی اور دیگر خوش آئند رنگوں سے پُر کرکے ان پر ایسی نفیس طلاکاری کی گئی ہے کہ جیسے
...ان ز مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے۔ مینار کے کلس میں چار برنجی گولے نصب تھے جو حجم میں یکے بعد۔
...سے کم ہوتے چلے گئے تھے۔ سب سے بڑے گولے کا قطر بیس فٹ تھا۔ یہ گولے ۱۳۹۵ء کے زلزلے
...گئے۔ عمارت کی سب سے بالائی منزل میں قندیلیں منور رہا کرتی تھیں۔ عیسائیوں نے اشبیلیہ
...فتح کرنے کے بعد اس جامع مسجد کو کلیسائے اعظم میں تبدیل کرکے مینار میں ایک منزل کا اور اضافہ
...اور اس میں گھنٹہ گھر قائم کرکے اس کی چوٹی پر کسی قطب یا ولی کا بت نصب کردیا۔ یہ بت ہلکی سی
...سے گردش کرنے لگتا ہے۔ اسپینی زبان میں لفظ "گرالڈا" کے معنی گردش کرنے کے ہوتے ہیں
...اس نسبت سے مینار کا نام گرالڈا ہوگیا۔

ـــــــ

تشکّر

ہم اپنے عزیز دوست

محمد عبدالغفار خاں صاحب بلگرامی

کے

نہایت شکرگزار ہیں جن کی علمی قدردانی

و مالی سرپرستی کے باعث یہ کتاب شائع ہوئی۔

طبع اوّل ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک ہزار
اشاعت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اپریل ۱۹۷۹ء

پریس

قیمت
۲۵
روپے

ملنے کا پتہ

۶/۱۳۱، بڑا میدان ناظم آباد کراچی